سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

مقدمۂ معاشیات

(مورلینڈ صاحب کی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس کا اردو ترجمہ)

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ

مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم ۔ اے ۔ ال ال ۔ بی (علیگ)

(سابق پروفیسر اکنامکس علیگڈھ کالج ۔)

رکن سررشتۂ تالیف وترجمہ

جامعۂ عثمانیہ

۱۳۳۷ھ م ۱۳۲۸ف م ۱۹۱۹ء

مطبوعۂ دار الطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن

دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادّہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تخیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا دار و مدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دَور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے **جاپان** پر یہی گذری اور یہی حالت اب **ہندوستان** کی ہے۔

جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطع تعلق کرکے تنہا اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر
اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔
جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے
کموڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھرے رہتے ہیں
جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر
بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح **یونان** کا اثر روم
اور دیگر اقوام **یورپ** پر پڑا جس طرح **عرب** نے **عجم** کو
اور **عجم** نے **عرب** کو اپنا فیض پہنچایا' جس طرح اسلام نے
یورپ میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی
اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔
یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

"دئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے"

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ
آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں
پہلی منزل **ترجمہ** ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت
اور اپج نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی'
ادھوری' کم مایہ اور ادنیٰ ہونگی۔ اُس وقت قوم کی بڑی خدمت
یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی
زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات
میں اضافہ کریں گے' جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک
نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف و تالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سُجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیاد قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہز اکزالٹڈ ہائینس رستم دوراں ارسطوئے زماں سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نوّاب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔والی حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے جن کی علمی قدردانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں احیائے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دور بینی سب سے اول سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی، جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہالرائڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیوٹ میں جس کی بنا سر سیّد احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ اُنکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ اُنہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں اعلیٰحضرت و اقدس جیسے علم پرور فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے رومہ میں، خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید و مامون الرشید نے ہسپانیہ میں عبدالرحمٰن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں، الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں اور مُت شی ہٹو نے جاپان میں کیا وہی فرمانروائے دولت آصفیہ نے اس ملک کے لئے کیا۔ اعلیٰحضرت واقدس کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اُسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اُسی قدر تہذیب و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

حیوان زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں
کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ
کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں
ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے
زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علمِ ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیاتِ انسانی۔ اور
اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف انسان
کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا، اور نظر میں وسعت،
دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تغیر پیدا کرتا
ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔ قومیت کے
لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔
گویا یک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے
بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں
پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علمِ ادب اور زبان نے انہیں
ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر
چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعدِ مسافت و اختلافِ حالات
یک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک
ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر
نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان
ہو سکتی ہے۔ اس امر کو اعلیٰحضرت واقدس نے

پہچانا اور جامعۂ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جامعۂ عثمانیہ ہندوستان
میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم
ایک دیسی زبان ہوگا۔ اور یہ زبان اردو ہوگی۔ ایک ایسے
ملک میں جہاں "بھانت بھانت کی بولیاں" بولی جاتی ہیں،
جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام
اور مشترک زبان ہو سکتی ہے۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے
پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی۔ یہ اس
کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے۔ اس لئے یہی تعلیم اور
تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور **قومی زبان** کا دعوے
کر سکتی ہے۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض
تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے
اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی
نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔ یہ صحیح
ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں۔ اور اردو ہی
پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں۔ یہ
طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد
کہاں سے آتی۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکر
مہیا ہوتیں۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم
و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا۔ ضرورت ایجاد
کی ماں ہے۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

مہیا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے **سررشتۂ تالیف و ترجمہ** قائم کیا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ **سررشتۂ تالیف و ترجمہ** کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ یہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں اور چند روز میں **عثمانیہ یونیورسٹی کالج** کے طالب علموں کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شایقینِ علم تک پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں ایک مدت کے تجربہ اور کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی ہے کہ تنہا نہ تو ماہرِ علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا ہے اور نہ ماہرِ لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحیں بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی جس میں دونوں، جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ اِن کے

ہم نے اُن اہلِ علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان انہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے ۔ لیکن اس سے گزیر نہیں ۔ ہمیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں، بلکہ جس نہج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصولِ ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کاربند رہی ہے، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے ۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جرأت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدد مثالیں ہمارے پیش نظر نہ رہی ہوں ۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں۔ اب اگر کوئی لفظ غیرمانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا قصور نہیں ۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادّہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کرلیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کرلیگا۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں ردّ و بدل نہ ہو سکے، بلکہ **فرہنگِ اصطلاحاتِ عثمانیہ** جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔

لیکن ہماری مشکلات صرف **اصطلاحات علمیہ** تک ہی محدود نہیں ہیں۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روز مرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے ۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے ۔

اس سررشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرض اولین ہے) کہ وہ نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جہالت کا استیصال ہو۔ جہالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے ۔ جہالت کا مقابلہ کرکے اسے پس پا کرنا سب سے بڑا کام ہے ۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے ۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے ۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدان ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا ۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سررشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا ۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے ۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقاد اور مبصر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

"ہم نے بہت سے تجربے کئے اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہمیں حل کرنے ہیں، بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہمیں عمل میں لانی ہیں، ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں۔"

اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا ہجوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جد وجہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کرلے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کر دی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہو کر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرّے کا بھی ستارہ چمکے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور اعلیحضرت واقدس کی نظر کیمیا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبحِ وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شب بیداریاں روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصرِ رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہاد وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرنا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کا شکرگزار ہوں کہ ان کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمد اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کوتوالی و امور عامۂ سرکارعالی کا ممنون ہے جنھیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعۂ عثمانیہ میں خاص انہماک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریک حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ ای۔ ایس۔ ناظمِ تعلیمات سرکارعالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلاتکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبدالحق

ناظمِ سررشتۂ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ناظم ۔
قاضی محمد حسین صاحب۔ ایم اے رینگلر۔۔۔۔ مترجم ریاضیات
چودھری برکت علی صاحب بی۔ ایس۔ سی۔۔۔۔۔ مترجم سائنس
مولوی سید ہاشمی صاحب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مترجم تاریخ ۔
مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم معاشیات
قاضی تلمذ حسین صاحب یم۔ اے۔۔۔۔۔۔ مترجم سیاسیات
مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔ مترجم تاریخ ۔
مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔۔ مترجم فلسفہ و منطق
مولوی عبدالحلیم صاحب شرر۔۔۔۔۔۔۔۔ مولف تاریخ اسلام
مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔ مترجم قانون ۔
مولوی عبداللہ العمادی صاحب۔۔۔۔۔۔۔ مترجم کتب عربی

علاوہ ان مذکورہ بالا مترجمین کے مولوی حاجی صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں۔

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب وظیفہ یاب سرکار عالی (سابق ناظم مردم شماری)

مولوی حمیدالدین صاحب بی۔اے صدر دارالعلوم

نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)

مولوی وحیدالدین صاحب سلیم

مولوی عبدالحق بی۔اے ناظم سررشتۂ تالیف و ترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے، مترجمین سررشتۂ تالیف و ترجمہ نیز دوسرے اصحاب سے بلحاظ اُنکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً

خان فضل محمد خانصاحب ایم۔اے رینگلر (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدرآباد)

مولوی عبدالواسع صاحب (پروفیسر دارالعلوم حیدرآباد)

پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب۔بی۔ایس۔سی (نظام کالج)

مرزا محمد ہادی صاحب۔بی۔اے (پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔اے (ناظم تعلیمات حیدرآباد) وغیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید منجانب مترجم

مورلینڈ صاحب نے اس کتاب میں اکنانکس کے چند سادہ اصول اور ابتدائی مسائل بیان کئے ہیں۔ انگریزی تصانیف میں جو مثالیں ملتی ہیں وہ بالعموم یورپ اور امریکہ کے حالات سے متعلق ہوتی ہیں۔ ہندوستانی طلبا جب خود مثالوںکی حقیقت سے اچھی طرح پر واقف نہ ہوں تو پھر ان کو مضمون سمجھنے میں ایسی مثالوں سے کیا مدد مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ طلبا اصول اور مسائل تو یاد کرلیتے ہیں مگر ان کے عملدر آمد سے بیشتر بے خبر رہتے ہیں۔ مورلینڈ صاحب کی کتاب میں خاص خوبی یہی ہے کہ جس قدر مثالیں بیان ہوئی ہیں وہ سب کی سب خاص ہندوستان کے حالات سے لی گئی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ایک تو مبتدی کو مضمون سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ دوسرے اس کو اپنے ملک کے حالات پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور تیسرے اس کو اصول و مسائل کی واقعات و حالات سے تصدیق و تطبیق

کرنیکی عادت پڑتی ہے۔طبیعت میں یہ رجحان پیدا ہونا کوئی معمولی
بات نہیں ہے۔علمی تحقیقات اور ملک کی مالی حالت کی تنقیح میں
یہی عادت قوت محرکہ کا کام دیتی ہے۔ ہندوستان کو کیا کیا ذرایع
معاش حاصل ہیں مگر ساتھ ہی ایسی ابتری پھیلی ہوئی ہے کہ ذرایع
سے مستفید ہونا تو درکنار لوگ ان کا خیال تک دل میں کم لاتے
ہیں۔یہ لا علمی اور بے التفاتی رفع کرنا ملک کی ایک سب سے
بڑی خدمت ہے۔ اس علم کی ہمارے ملک کو جس قدر ضرورت
ہے۔اگر اس کو بیان کیجئے تو بوجہ ناواقفیت سراسر مبالغہ معلوم
ہوگا۔قصہ مختصر یہ کہ ہندوستان کو اگر کبھی مرفہ الحالی کا فرمان ملا
تو اسی اکنامکس کی بارگاہ سے ملیگا۔

گذشتہ صدی کی علمی تحقیقات کی بدولت پولیٹکل اکانمی کے قدیم
معنوں اور اکنامکس کے جدید مفہوم میں جو نمایاں فرق پیدا ہوچکا
ہے۔اس کی تفصیل اکثر مستند انگریزی تصانیف میں موجود ہے۔غور
کرنے سے واضح ہوگا کہ بلحاظ معنی و مفہوم اس علم کے سابق نام
یعنی اقتصادیات اور جدید اصطلاح معاشیات میں تقریباً ایسا ہی
تعلق ہے۔اقتصادیات میں وہی میانہ روی، اعتدال، ضبط اور
خوش نظمی کی ہلکی ہلکی جھلک صاف نظر آتی ہے۔گویا پولیٹکل اکانمی
کے قدیم معنوں کا عمدہ ترجمہ ہے۔لیکن جب خود علم کا مفہوم بہت
کچھ بدل جائے تو پھر قدیم ترجمہ کیونکر کام دے سکتا ہے۔اکنامکس
کا جدید مفہوم خود اس مختصر سی کتاب سے ظاہر ہے۔اب خاص
طور پر صرف یہ تحقیق کرنا مقصود نہیں کہ کاروبار زندگی میں کن

قواعد کی پابندی عام مرفہ الحالی کے واسطے مفید ہے۔ اور ملک کے دولتمند بننے کی کیا کیا تدابیر ہیں۔ یہ کام تو اکنامکس کے ایک چھوٹے سے شعبہ فنانس یعنی فن مالیات کے سپرد ہے۔ خود علم کا مبحث اس سے کہیں وسیع اور اعلیٰ ہے۔ یعنی انسانی معاشرت اور تمدن کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنا کہ لوگ اپنی زندگی کیونکر بسر کرتے ہیں انکو کیا کیا ذرایع معاش حاصل ہیں اور وہ ان سے کیونکر کام لیتے ہیں۔ ضروریات زندگی کیا ہیں اور کس طرح میسر ہوتی ہیں۔ ان میں کیا کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں۔ غرضیکہ انسان اپنی روزی کمانے اور دیگر بیشمار ضروریات زندگی حاصل کرنے اور برتنے میں جو کوشش اور تدابیر کرتا ہے۔ اور جو جو نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اول ان کا مطالعہ کرنا۔ بعدہٗ ان کو چند جامع اصول کے تحت میں لانا۔ اور بالآخر ان سے مسائل مرتب کرنا تاکہ معلومات میں علمی کیفیت پیدا ہو جائے۔ یہ سب کام اکنامکس نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ جدید مفہوم کے لحاظ سے اس علم کا اردو نام علم المعیشت منتخب ہو چکا ہے۔ اور اس کی موزونی کے متعلق اکنامکس کی ایک اردو کتاب علم المعیشت میں مفصل بحث موجود ہے۔ مزید غور و مشورہ کے بعد اکنامکس کا مختصر نام معاشیات تجویز ہوا۔ اور بنظر سہولت اس کتاب میں یہی لفظ استعمال کیا گیا۔

واضح ہو کہ ساتویں فصل میں مورلینڈ صاحب نے قانون تقلیل حاصل کی تشریح کرتے وقت اس کو اتمام کاشت سے مخلوط کر دیا ہے حالانکہ یہ دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ قانون مذکور کا اصلی مفہوم اس

مختصر اقتباس میں البتہ موجود ہے جو مارشل صاحب کی کتاب سے لیکر درج کیا گیا ہے۔ مذکورہ خلط مبحث کے سلجھانے کی یہاں گنجایش نہیں۔ احتیاطاً اشارہ کردیا۔ جن حضرات نے اس علم کا انگریزی میں مطالعہ کیا ہے۔ ان کو اس نکتہ کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ اردو خوان ناظرین بھی چاہیں تو ہماری کتاب علم المعیشت میں قانون تقلیل حاصل اور کاشت مختتم کا بیان پڑھکر اس انتباہ کی حقیقت دریافت کرسکتے ہیں اس ذرا سی فروگذاشت سے ایسی عمدہ کتاب پر کوئی حرف نہیں آسکتا یہ تو ایک ابتدائی کتاب ٹھیری واقعہ یہ ہے کہ جو مستند کتابیں نہایت تحقیق اور اہتمام سے تصنیف ہوتی ہیں ان کا بھی چھوٹی چھوٹی خامیوں سے بہ تمام وکمال مبرا ہونا دشوار ہے سچ پوچھئے تو مورلینڈ صاحب نے ایسی دلچسپ اور مفید کتاب لکھکر ہندوستانی طلبا پر بڑا احسان کیا ہے اور سب کو ان کی کوشش کی دل سے قدر کرنی چاہئے

آخر میں صرف اس قدر عرض کرنا مقصود ہے کہ ترجمہ میں ہزار آزادی برتئے اپنی عبارت کی سی روانی اور سلاست پیدا ہونی دشوار ہے۔ اصلی مفہوم اداکرنیکے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ حتی الوسع عبارت صاف اور سلیس ہو تاکہ عام اردو خواں حضرات بھی اس کتاب کا بے تکلف مطالعہ کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

الیاس برنی

محکمۂ تالیف و ترجمہ
عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن
جون سنہ ۱۹۱۸ع

*

فہرست مضامین

باب اوّل

مقدمہ

فصل ایک

معاشیات کا مفہوم

فصل دو

دولت اور قدر کا مفہوم

فصل تین

پیدائش اور صرفِ دولت کا مفہوم

فصل چار
چند مفروضات

باب دوم
پیدائش دولت
فصل پانچ
عاملین پیدائش

فصل چھ
زمین

فصل سات
زرعی زمین

فصل آٹھ
محنت

فصل نو
مزدوروں کی نقل وحرکت

فصل دس
مزدوروں کی خوبی یا کارکردگی

فصل گیارہ
دماغی کام

فصل بارہ
اصل

فصل تیرہ

پیدائش کا انتظام۔اپنی ضروریات خود بہم پہنچانے کا زمانہ

فصل چودہ

پیدائش کا انتظام۔ دستکاروں کا زمانہ

فصل پندرہ

پیدائش کا انتظام۔کارخانوں کا زمانہ

فصل سولہ

اصل کا انتظام

فصل سترہ

عاملین پیدائش کی تخصیصی حالت

فصل اٹھارہ

اختتام بحث پیدائش

باب سوم

صرف دولت

فصل انیس

احتیاجات

فصل بیس

احتیاجات اور چند مستثنیات

فصل اکیس

ضروریات وتعیشات

فصل بائیس

افراد کی طلب

فصل تئیس

افراد کی طلب میں تبدیلیاں

فصل چوبیں

قوم کی طلب

باب چہارم

طلب و رسد

فصل پچیس

ابتدائی بیان

فصل چھبیس

بازار میں عارضی توازن

فصل ستائیں

توازن میں چند پیچیدگیاں

فصل اٹھائیں

دولت پیدا اور صرف کرنے والوں کا بازار سے تعلق

فصل انتیس
معمولی توازن

فصل تیس
مصارف پیدائش میں تبدیلیاں

فصل اکتیس
نتائج

باب پنجم
تقسیم دولت

فصل بتیس
ابتدائی بیان

فصل تینتیس

سود

فصل چونتیس

سود

فصل پینتیس

سود

فصل چھتیس

لگان

فصل سینتیس

لگان

فصل اڑتیس

لگان پر قانونی بندشیں

فصل انتالیس

اجرت

فصل چالیس

اجرت

فصل اکتالیس

اجرت

فصل بیالیس

اجرت

فصل تینتالیس

تخفیص یافتہ مزدوروں کی اجرت

فصل چوالیس

معاوضۂ تنظیم

فصل پینتالیس

خلاصہ: قومی آمدنی

*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

مقدمہ

فصل ایک

معاشیات کا مفہوم

طالب علم جب کوئی نیا نیا مضمون شروع کرتا ہے تو سب سے اوّل اس کو یہی فکر ہوتی ہے کہ اُس کے علم کا موضوع کیا ہے یعنی اُس میں کس چیز کا بیان ہے اور جو جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا کیا کیا مفہوم ہے بعض علوم میں تو یہ سہل سی بات ہے جس قدر الفاظ مستعمل ہیں ان کا مفہوم بالکل معین ہے۔ چنانچہ بالعموم طالب علم ایسے الفاظ کی تعریف پہلے ہی سے حفظ یاد کر لیتا ہے۔ مثلاً اقلیدس کو لو کہ اس میں اوّل اوّل طالب علم نقطہ۔ خط۔ دائرہ جیسے الفاظ کی تعریف یاد کرتا ہے۔ اور ایک مرتبہ یاد کرنے کے بعد اُس کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ تمام مباحث اقلیدس میں ان الفاظ کے معنی بلا کم و کاست وہی ہیں جو

باب اول فصل (۱)

اُس کو یاد ہیں۔ نہ تو ان کے معانی میں ردو بدل ممکن ہے اور نہ ان کے مفہوم سمجھنے میں مغالطہ ہوسکتا ہے۔ لیکن کچھ علوم ایسے بھی ہیں اور اُنہیں میں سے ایک **معاشیات** ہے کہ جن میں یہ قاعدہ نہیں چل سکتا وجہ یہ ہے کہ خود مصنّف ہی الفاظ کے معانی کے متعلق متفق الرائے نہیں روز مرہ کی بات چیت میں تو وہ الفاظ سرسری طور پر استعمال ہوتے ہی ہیں اور ایک لفظ سے کئی کئی معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ جب کوئی مُصنف اس مفہوم کو معیّن بھی کردے جو اس کو مقصود ہے تو پھر وہ خود ہی کبھی کبھی اس لفظ کو دوسرے معنوں میں بھی استعمال کر گذرتا ہے۔ اور ایسی حالت میں غریب طالب علم مغالطہ میں پڑجائے تو کیا عجب ہے۔ پس ایسے علوم کے مُطالعہ میں یہ بہت ضروری ہے کہ مصنّف جس لفظ کا جو مفہوم قرار دے طالب علم اُس کی خوب چھان بین کرلے۔ اور ہر وقت خبردار رہے کہ کہیں لفظ کے معنی تو نہیں بدل گئے۔ لیکن سب سے بہتر یہ ہوگا کہ جہاں مغالطہ کا کچھ بھی اندیشہ ہو وہیں خود مصنف الفاظ کے معانی کی مناسب تشریح کردے +

علم معاشیات کی عارضی تعریف۔

اب **معاشیات** کو لیجئے اس علم میں **دولت** کی **پیدایش** اُس کے **صرف** اور اُس کی **تقسیم** کے **قوانین** سے بحث کی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ افراد یا قومیں کیونکر دولت کماتی اور اس کو کس طرح کام میں لاتی ہیں۔ اس فقرہ میں جو جو الفاظ جلی خط میں تحریر ہیں وہ خاص طور پر تشریح طلب ہیں

معاشیات

معاشیات کا انگریزی نام **اکنامکس** ہے۔ اس نام کا ماخذ لفظ اکانمی ہے۔ جس کے آج کل انگریزی میں کئی معنی ہوتے ہیں

باب اول
فصل (۱)

در حقیقت یہ لفظ یونانی زبان سے لیا گیا ہے۔ اس کے اصلی معنی تو ہیں "گھر بار کا انتظام" لیکن عام طور پر اس سے مصارف خانہ داری کی کمی مراد لی جاتی ہے مثلاً وہ اپنی آمدنی **اکانمی** یعنی کفایت کے ساتھ خرچ کرتا ہے یا وہ اپنی عادات میں **اکانمیکل** ہے یعنی کفایت شعار ہے۔ لیکن اس لفظ کا علمی مفہوم اور ہی طرح پر قرار پایا ہے۔ اوّل اوّل تو اس سے بلاتخصیص خانہ داری عام انتظام مراد تھا۔ لیکن بعد ۂ وہ خاص طور پر انتظام سلطنت کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ جن لوگوں نے اوّل اوّل اس علم کا مطالعہ شروع کیا ان کو ایسے اصول تحقیق کرنے کا بہت شوق تھا کہ جن پر کاربند ہو کر کوئی سلطنت اچھے ہاں دولت پیدا کر سکے۔ پس اس وجہ سے اس علم کا نام **پولیٹکل اکانمی** پڑ گیا۔ یعنی وہ علم جو سلطنت کا انتظام سکھائے۔ لیکن چونکہ لفظ پولیٹکل بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا رفتہ رفتہ اس علم کا مختصر نام **اکنامکس** رائج ہو گیا۔ واضح ہو کہ اکنامکس یعنی معاشیات کو کسی کے کفایت شعار ہونے نہ ہونے سے کوئی بحث نہیں گو ہم کسی شخص کے کفایت شعار ہونے کی تعریف کریں لیکن خود اس علم اکنامکس یا معاشیات کو مدح و ذم سے کچھ سروکار نہیں۔

اب لفظ **قانون** غور طلب ہے۔ اس کے دو معنی خاص ہیں۔ اور ان میں بیّن فرق ہے۔ لیکن لوگ پھر بھی ان معنوں کو مخلوط کر دیتے ہیں۔ معاشیات کے طالب علم کو چاہیئے کہ جہاں کہیں یہ لفظ آئے وہیں رُکے اور خوب غور کر لے کہ لفظ قانون کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عام بول چال میں قانون سے مراد کوئی ایسا

باب اول
فصل (۱)

حکم ہے جو عوام کو دیا جائے کہ وہ فلاں کام کریں یا نہ کریں۔ اور قوانین سے ایسے احکام کا مجموعہ متصور ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ایسے قوانین یا احکام سنسکرت یا عربی کی قدیم تصانیف پر مبنی ہیں۔یا بہ شکل ایکٹ کسی نہ کسی قانونی کونسل نے ان کو منظور کرویا ہے۔ اہلِ ہنود بیشتر شاستروں پر کاربند ہیں۔مسلمان قرآن شریف اور تفسیروں کی پیروی کرتے ہیں اور ہندوستان کے سب لوگ قانون تعزیرات ہند اور دیگر ایکٹ منظور شدہ کونسل کے یکساں پابند ہیں

لیکن ایسا کرو اور ایسا نہ کرو اس قسم کے احکام صادر کرنا علم کا کام نہیں۔علم میں توقانون سے مراد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ چند خاص حالتوں میں ایسا ایسا واقع ہونا اغلب ہے۔مثلاً جبکہ ہم قوانین مادہ یا حرکت یا قوانین معاشیات یا سیاسیات کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا مقصود وہ نتائج ہوتے ہیں جو ہم کو تجربے سے تحقیق ہوئے ہیں کہ فلاں فلاں حالتوں میں ایسا ایسا واقع ہونا اغلب ہے۔ سرسری طور پر ہر کوئی قانون کے اس مفہوم سے واقف ہے مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ پانی بلندی پر سے پستی کی طرف بہتا ہے۔ اور مادی علوم تو اکثر ایسے ہی قوانین کا مجموعہ ہیں متواتر تجربے اور ان تجربوں سے نتائج اخذ ہونے کے بعد قوانین مرتب ہوئے حتیٰ کہ اس قسم کے بہت سے قوانین دریافت ہوگئے کہ مختلف حالتوں میں کیا کیا واقع ہوگا۔ مثلاً اب ہم کو نہ صرف اس قدر معلوم ہے کہ پانی بلندی سے پستی کی طرف بہتا ہے۔بلکہ یہ بھی معلوم ہے۔کہ کسی خاص ڈھال پر پانی کس تیزی سے بہتا ہے۔ اور اس کی روانی روکنے کے واسطے کتنا مضبوط بند درکار ہوگا اور اس قسم کے بہت سے قوانین دریافت

باب اول
فصل (۱)

ہو چکے ہیں، جن کی مدد سے انجنیر لوگ بدررویئں اور آبپاشی کے نالے بناتے ہیں اور دور دراز مخزن سے صاف پانی لا لا کر شہروں اور قصبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ خاص خاص حالتوں میں پانی کی روانی کی جو جو کیفیت ہوتی ہے۔ اس کے متعلق جس قدر قوانین ہیں ان کے مجموعہ کا نام **قومائیات** یعنی **علم قوۃ الماء** ہے۔ یہ قوانین لوگوں کو کسی قسم کا کام کرنے یا نکرنے کی تاکید نہیں کرتے۔ البتہ انجنیروں کو ان سے یہ پتہ ضرور لگ جاتا ہے کہ کام کیونکر تکمیل پاسکتا ہے۔ یوں کہنے کو تو انجنیر بھی ان قوانین کی ایسی ہی پابندی کرتے ہیں جیسے کہ کوئی تعزیرات ہند کی کرتا ہے۔ لیکن یہ قول بہ زبان استعارہ ہے۔ اصلی فرق پہچاننے میں دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ بحالتِ اول صرف اتنا معلوم ہے کہ کیا واقع ہونا اغلب ہے۔ اور اسی کے مطابق تجاویز تیار کی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ حالت دوم بعض کاموں سے بچنا پڑتا ہے کیونکہ سرکار نے ان کی ممانعت کردی ہے اور بہ حالت خلاف ورزیٔ قانون سرکار سزا دے گی۔ علی ہذا معاشیات بھی مثل مادّی علوم کے روز مرّہ کے تجربے پر مبنی ہے۔ اور اس تجربہ کو وہ ایک مجموعۂ نتایج کی شکل میں پیش کرتا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے طرز زندگی بدلنے سے دولت پر کیا کیا اثر پڑتا ہے اور انہیں نتایج کو قوانین کہتے ہیں۔ لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ قوانین کوئی احکام نہیں ہیں۔ نہ تو وہ لوگوں کو دولت کمانے کے طریق بتاتے ہیں اور نہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ حاصل شدہ دولت کس طرح کام میں لانی چاہیئے۔

باب اول
فصل (۱)

طبیعیین اور معاشیین کی حالت میں ایک بڑا فرق ہے۔ اول الذکر طبقہ تو اعلیٰ پیمانہ پر تجربے کرسکتا ہے یعنی وہ خاص خاص حالات پیدا کرکے یہ دیکھ سکتا ہے کہ کیا واقع ہوتا ہے حالانکہ معاشیین کو شاذ و نادر ہی تجربہ کرنا نصیب ہوتا ہے۔ ان کو بس اسی پر قناعت کرنی پڑتی ہے کہ غیر اختیاری حالات میں جو جو تبدیلیاں اور اُن کے نتائج پیدا ہوں ان کا مشاہدہ کریں اور اپنے مشاہدات کے معانی پر غور و خوض کریں تاکہ کوئی قانون دستیاب ہوجائے۔ مثلاً جو طالبعلم پانی کی روانی مطالعہ کرنا چاہے وہ حسب دلخواہ نالی بنا کر اُس میں پانی بہا سکتا ہے۔ اور اس طرح پر من مانی حالت پیدا کرکے پانی کی روانی کی تیزی ناپ سکتا ہے لیکن معاشی تو پانی یا مٹی کا مطالعہ نہیں کرتا۔ اس کو تو جیتے جاگتے انسانوں سے پالا پڑتا ہے جو کہ دولت پیدا کرتے اور اس کو صرف میں لاتے ہیں وہ اپنے موافق یعنی ان کے کاروبار کے طریق یا طرز بود و باش تو نہیں بدل سکتا البتہ یہ مشاہدہ کرسکتا ہے کہ حالات بدلنے سے کیا کیا نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں یہی بڑی وجہ ہے کہ علم معاشیات میں قوانین بہت ہی کم متعین ہیں۔ اور مزید براں ان میں بہت زیادہ مستثنیات داخل ہیں۔ حالانکہ جن علوم میں تجربے کرنے ممکن ہیں ان کی حالت اس سے کہیں بہتر ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ حالات میں ردّ و بدل ہوگیا ہو۔ لیکن معاشیات میں یہ اطمینان کرنا کہ ہم نے اس ردّ و بدل کو نظر انداز نہیں کردیا نہایت دشوار ہے۔ پس اگر معاشیات کے اچھے اچھے بڑے متعلم بھی کہیں دھوکا کھائیں تو عجب نہیں۔ ممکن ہے

باب اول فصل (۱)

کہ وہ بھی کسی نتیجہ کو کسی ایسے سبب سے وابستہ قرار دیں کہ جس کو در اصل اس نتیجہ سے کچھ بھی تعلق نہ ہو اور جو اصلی سبب ہو وہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ گذرے۔ اخباروں کے مضمون نگاروں کے ایسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اور بھی زیادہ اندیشہ رہتا ہے وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر تو اس علم کے کسی ایک شعبہ کا بھی مطالعہ نہیں کرتے۔ اور جہاں کوئی بڑی تبدیلی نمایاں ہوئی مثلاً گرانی اشیا یا اضافہ برآمد۔ اور انہوں نے فوراً توجیہ شروع کردی۔ چنانچہ ان مباحث پر اخباروں میں بہت کچھ غلط ملط شائع ہوتا رہتا ہے طالب علموں کو چاہیئے کہ جو کچھ اخباروں میں پڑھیں اس کو بلا سوچے سمجھے تسلیم نہ کرلیں۔ بہتر ہوگا کہ اول وہ قوانین معاشیات کا اچھی طرح پر مطالعہ کرلیں تاکہ بطور خود بھی نتائج دریافت کرسکیں اور دوسروں کے بیان کردہ نتائج کی جانچ پڑتال کا بھی موقع ملے +

صاف ظاہر ہے کہ جن قوانین کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان کے سمجھنے کے واسطے طالب علم کو ان کثیر التعداد واقعات سے بھی واقف ہونا چاہیئے جن پر وہ مبنی ہیں۔ اس لحاظ سے اس کو طبیعیات جیسے علم کے پڑھنے والے کے مقابل کہیں زیادہ دقت درپیش ہے۔ طبیعیات کا طالب علم تو تجربہ خانہ میں تجربہ کرکے اپنا اطمینان کرسکتا ہے کہ فلاں قوانین جو اس کے زیر مطالعہ ہیں بالکل صحیح اور درست ہیں لیکن بیچارے معاشیات کے طالب علم کو بھلا تجربہ خانہ کہاں میسر ہے۔ اس کو اکثر ایسے واقعات سے سابقہ پڑتا ہے کہ جن کی بطور خود وہ صحت کر ہی نہیں سکتا اس کے سوا چارہ نہیں

باب اول فصل (۱)

کہ وہ بہت سے واقعات کتابوں سے لے۔ چنانچہ اس کے مطالعہ میں بیشتر یا تو **معاشی تاریخ** رہتی ہے۔ یا **علم الاعداد**۔ معاشی تاریخ بھی یہی بیان کرتی ہے کہ گذشتہ زمانے میں مختلف اقوام میں دولت کیونکر پیدا ہوتی تھی۔ کس طرح صرف میں آتی تھی اور لوگ اسے کیونکر آپس میں تقسیم کرتے تھے۔ علم الاعداد سے مراد یہ ہے کہ کسی معاملہ کے متعلق بہت سے واقعات یکجا کئے جائیں کہ جو اعداد و شمار میں بیان ہوسکیں اور جن کو اس طرح پر ترتیب دیا جائے کہ جو تبدیلیاں واقع ہو رہی ہوں وہ پورے طور پر نمایاں ہو جاویں۔ لیکن معاشی تاریخ اور علم الاعداد کا مطالعہ اِس ترکیب سے بہت سہل ہو جائے گا کہ جو قوانین ان سے اخذ کئے گئے ہوں ان کو پہلے ہی سے پڑھ لیں۔ چنانچہ طلبا کے واسطے سب سے بہتر یہ ہے کہ اول قوانین سے واقف ہوکر جو موزوں واقعات اپنے علم میں ہوں ان کو بطور مثال پیش کریں اور اس درجہ واقف ہونے کے بعد جب وہ تاریخ اور علم الاعداد کے سہارے سے ان قوانین کا پوری تفصیل سے مطالعہ کریں گے تو پھر لطف آئیگا۔

لفظ علم بھی جو کہ معاشیات کے واسطے اوپر استعمال ہو چکا ہے ذرا تشریح طلب ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی تو محض جاننے کے ہیں۔ لیکن اب اس سے ایک خاص قسم کا علم مراد لیا جاتا ہے یعنی کسی شئے معینہ کا علم جو بشکل قوانین پیش کیا جاوے۔ رہے قوانین ان کا مفہوم پہلے ہی بیان ہوچکا ہے۔

چنانچہ صرف اس قدر جاننا کہ پانی پہاڑی پر سے نیچے کو بہتا

باب اول
فصل (۱)

ہے علم نہیں کہلا سکتا۔ لیکن جبکہ رفتہ رفتہ مختلف حالتوں میں پانی کی روانی تحقیق ہوگئی اور کم و بیش معین قوانین کی شکل میں وہ بیان ہوے تو بس **قوامائیات** یعنی **علم قوۃ الماء** مرتب ہوگیا۔ اسی طرح پر ایک زمانہ وہ تھا جبکہ علم معاشیات کا کوئی وجود نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک نہ تو واقعات کا باقاعدہ مطالعہ کیا گیا تھا اور نہ نتائج اخذ ہوئے تھے اور اب بھی مطالعہ کسی طرح پر مکمل تو نہیں ہے البتہ اس میں اتنی ترقی ضرور ہوچکی ہے کہ اکثر اہم معاملات کے متعلق قوانین مرتب ہوگئے ہیں اس لئے اب اس کو علم کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں +

باب اول
فصل (۲)

فصل دو

دولت اور قدر کا مفہوم

دولت ہمارے علم یعنی معاشیات کا نفس مضمون یا موضوع ہے اور اب ہم اسی کے معنی بیان کرنا چاہتے ہیں۔اور بہت سے الفاظ کی طرح جن کو ہمیں استعمال کرنا ہے یہ لفظ بھی معمولی زبان میں بہ کثرت رائج ہے اور جیسے کہ گذشتہ فصل میں تاکید ہو چکی ہے ہمکو احتیاط رکھنی چاہیئے کہ جب ہم اس لفظ کو استعمال کریں تو اس طرح کہ اس کا مفہوم معین ہو جب معمولی بات چیت میں ہم کسی شخص کی دولت کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں وہی چیز آتی ہے جو اس کی مِلک ہے۔مثلاً اس کی اراضی و مکانات اس کی گاڑیاں گھوڑے۔ ہاتھی اور موٹرکاریں۔سونا چاندی۔ اور جواہرات وہ روپیہ جو اُس نے سرکار یا دوسرے،لوگوں کو قرض دے رکھا ہے۔یا جو اُس نے ریلوں،کارخانوں،کوئلہ کی کانوں اور دوسری صنعت و حرفتوں میں لگا رکھا ہے جب ہم دو شخصوں کی دولت کا مقابلہ کرتے ہیں تو اسی قسم کی چیزوں کا لحاظ کرتے ہیں۔صرف سہولتِ مقابلے کی غرض سے ہم ان چیزوں کی مجموعی قیمت لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کی دولت اتنے لاکھ روپیہ ہے اور فلاں کی دولت اتنے

باب اول
فصل ۲،

ہزار روپیہ کم یا زیادہ ہے ❖

جن چیزوں کا ہم نے نام لیا ہے اور دوسری بہت سی چیزیں جن کو ہم دولت کہتے ہیں یوں تو ایک دوسرے سے بہت مختلف نظر آتی ہیں لیکن جب بول چال میں ہم ان سب کو دولت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان سب میں کوئی خاص صفت مشترک ہے اور ہمکو یہ صفت مشترکہ دریافت کرلینی ضرور ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دولت سے ہماری مراد کیا ہے ❖

بھلا سوچو تو کہ زمین ہاتھی جواہرات سرکاری رقعات اور دیگر اشیا میں جن کو ہم دولت کہتے ہیں کونسی صفت مشترک ہے اگر ہے تو بس یہی کہ ہم سب ان کے مالک بننے کے خواہشمند ہیں۔ ہر کوئی ان پر قابض ہونے کے واسطے بیچین نظر آتا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ بہت سے ملکوں میں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اِن چیزوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ان کے مالک بننے کے متمنی ہیں اور بمقابلہ یورپ کے ہندوستان میں ایسے لوگوں کی بہت کثرت ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں لوگ رہبانیت کی طرف زیادہ مائل ہیں سچّے فقیر یا جوگی کی سب سے بڑی پہچان یہی مانی جاتی ہے کہ وہ اس قسم کی چیزوں کا مالک بننا گوارا نہ کرے جن کا ہم ابھی ذکر کرچکے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں بھی سچّے فقیروں کی تعداد بہ لحاظ آبادی بہت کم ہے۔ اور ان کو چھوڑکر باقی لوگوں کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ بالعموم اُس قسم کے چیزوں کے

خواہاں ہوتے ہیں جن کا ہم ذکر کر آئے ہیں +

واضح رہے کہ دولت کا نام لیتے وقت جو چیزیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں وہ سب وہی ہیں جو ہمارے کارآمد ہوتی ہیں یعنی لوگ ان کے خواہاں اور طلبگار ہوتے ہیں۔ لیکن گو وہ تمام چیزیں جو دولت کہلاتی ہیں مطلوب سہی مگر ہر مطلوب شئے کا دولت ہونا ضرور نہیں۔ گھر کنبہ کی محبّت اور دوستی کس قدر مطلوب ہے لیکن ہم ان کو کسی کی دولت کا جزو شمار نہیں کرتے ان کو دولت شمار نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بہ معیار زر ہم ان کی قدر وقیمت کا کوئی تخمینہ نہیں کرسکتے حالانکہ اکثر دولت بہ حوالۂ زر شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح پر عمدہ صحت کھیلوں کی مہارت ایسی چیزیں ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لیکن مروجہ مفہوم کی رو سے وہ دولت شمار نہیں ہوسکتیں پس اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ دولت میں کیا کیا مطلوب چیزیں داخل ہیں اور کیا نہیں تاکہ دولت کا مروجہ مفہوم معین ہو جائے +

مطلوبہ اشیا کئی قسم کی ہوتی ہیں ایک بیّن فرق تو یہی ہے کہ بعض چیزیں مادّی ہیں اور بعض غیر مادّی۔ یعنی بعض کو تو ہم دیکھ سکتے یا چھو سکتے ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ وہ ہمارے حواس باصرہ لامسہ کے قابو سے باہر ہیں۔ یعنی ہم ان کو نہ دیکھ سکیں اور نہ ہاتھ لگا سکیں۔ اس فصل کے شروع میں ہم نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے وہ سب کی سب مادّی ہیں اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اکثر مادّی چیزیں جو مطلوب ہوتی ہیں مروجہ مفہوم کے مطابق دولت ہیں۔ غیر مادّی چیزیں جو مطلوب ہوتی ہیں

اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جس کو داخلی کہہ سکتے ہیں وہ ہے کہ جس میں عمدہ صحت کاروباری قابلیت یا کسی کام کی مہارت وغیرہ شامل ہیں۔ ایسی صفات مادی دولت حاصل کرنے میں بیشک بہت کام آتی ہیں۔ لیکن روزمرہ کی گفتگو میں ہم ان کو دولت نہیں کہہ سکتے گو وہ دولت کی سرچشمہ ہی کیوں نہ ہوں۔ غیر مادی چیزوں کی دوسری قسم خارجی کہلا سکتی ہے۔ اس میں کسی شخص کی مہارت یا قابلیت یا دوسری ذاتی صفات شمار نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ تعلقات ہیں جو دوسرے لوگوں کے ساتھ پیدا ہوجاتے ہیں ایسے تعلقات کی سب سے عام فہم مثال کسی کارخانے یا دکان کی **ہردلعزیزی** یا کسی پیشہ ور کی پریکٹس یعنی اس کا کام چلنا ہے اگر کوئی شخص جسکی دُکان خوب چلتی ہو اپنا کل کاروبار فروخت کرنا چاہے تو کیا وہ صرف اپنے مال ہی کی قیمت لینے پر قناعت کرے گا۔ نہیں۔ بلکہ اگر وہ سمجھدار ہے تو مزید براں کچھ دکان کی ہردلعزیزی کے بھی دام لگائے گا خریدار بھی اس کی قیمت دینے میں حجت نہ کریگا وہ جانتا ہے کہ اگر دکان کو پہلے سے شہرت حاصل ہوچکی ہے تو اس کا کاروبار بلا تردد خوب چلے گا کیونکہ لوگ اس دُکان سے سامان خریدنے کے پہلے ہی سے عادی ہیں۔ اس کے برعکس اگر وہ نئی دکان کھولے گا تو خریداروں کو متوجہ کرنے میں بہت کوشش کرنی پڑے گی پس معلوم ہوا کہ دُکان کی ہر دلعزیزی بھی بجائے خود ایک بکارآمد شئے ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خریدار اِس کے معاوضہ میں بھی کچھ نہ کچھ ادا کرنے پر رضامند ہوجاتا

ہے۔ اب معلوم ہوا کہ کیوں شہر اور قصبوں میں لوگ خاص اپنے نام سے شاذ و نادر کام چلاتے ہیں دکان بہت سے مالکوں کے قبضے میں یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہے لیکن نام اُنہیں ابتدائی مالکوں کا برابر قائم رہتا ہے۔ تاکہ دکان کی قدیم شہرت گم نہ ہو جاوے اس طرح پر جس ڈاکٹر کے ہاں رجوعات بکثرت ہوتی ہے وہ اگر چاہے تو اپنی پریکٹس کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے یعنی وہ اگر کسی دوسرے ڈاکٹر کو اپنا جانشین بنا دے تاکہ اس کے ہاں آنے والے مریضوں کا وہ علاج کر سکے تو یہ ڈاکٹر اس کو بخوشی معاوضہ دے گا روز مرہ کی باتوں میں تو کاروباری ہردلعزیزی یا پریکٹس یعنی چلتے ہوئے کام کا ذکر کم آتا ہے۔ لیکن کاروباری لوگوں اور پیشہ والوں میں ان چیزوں کی بڑی قدر ہے۔ اور جب کسی دکاندار یا اہل پیشہ کی دولت کا اندازہ کیا جاتا ہے تو ان چیزوں کی قیمت بھی شمار ہوتی ہے۔

بول چال میں جب ہم معمولاً دولت کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد اول تو بہت سی مادی چیزیں ہوتی ہیں دوسرے چند خارجی غیر مادی چیزیں مثلاً کاروباری ہر دلعزیزی یا کسی پیشہ ور کی گرم بازاری جو کہ کافی مطلوب ہیں۔ مادی چیزوں کو بہت سی اس وجہ سے کہا کہ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جو کہ بالعموم دولت شمار نہیں کی جاتیں۔ مثلاً صحت افزا آب و ہوا یا قصبہ کی پاکی و صفائی یہ دونو چیزیں کس قدر مطلوب ہیں۔ لیکن گو افراد کے واسطے یہ نہایت آرام دہ اور راحت رساں سہی تاہم ان کو لوگ اپنی

دولت میں شامل نہیں کرتے۔ عام طور پر ایسی چیزیں دولت کہلاتی ہیں جو خرید و فروخت ہوسکیں یا دوسروں کو دی جاسکیں۔ اور اگر ہم کو یہ دریافت کرنا ہے کہ فلاں چیز دولت کہلا سکتی ہے یا نہیں تو اس کی سب سے پہلے پہچان یہی ہے کہ آیا کوئی شخص اس کو فروخت کرسکتا ہے یا کسی دوسرے کے ہاتھ منتقل کرسکتا ہے یا ایسا نہیں کرسکتا ؛

معلوم ہوا کہ بس دولت کا عام مفہوم یہی ہے جو اوپر بیان ہوا معاشیئین نے اپنے اپنے طور پر اس لفظ کے متعدد معنی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ کتب معاشیات میں مختلف مفہوم مذکور ہیں۔ اور وہ اس طرح باہم متفق نہیں ہیں کہ ان سب کے مطابق کچھ چیزیں متفق علیہ طور پر دولت میں لازماً شامل ہوسکیں اور باقی سب قطعاً خارج شمار ہوں نتیجہ یہ ہے کہ وہی ایک چیز کسی کے نزدیک دولت شمار ہوتی ہے اور کسی کے نزدیک نہیں ہوتی۔ پس طلبا کو خوب تحقیق کرلینا چاہیئے کہ جو کتاب وہ پڑھتے ہیں اس میں دولت کا کیا مفہوم لیا گیا ہے۔ آجکل کے انگریزی مصنف تو بالعموم اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں جو کہ عام طور پر مروج ہے اور ہم بھی اس سے وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔
کبھی کبھی معاشیئین کو کسی قوم یا خاص جماعت کی دولت پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ قومی دولت اُس شخصی دولت سے بالکل جداگانہ چیز ہے جو کہ افراد قوم کی مِلک ہوتی ہے۔ قومی دولت میں اول تو کل افراد کی دولت کا مجموعہ

باب اول
فصل (۲)

داخل ہے۔ دوسرے اس میں کچھ ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جو کہ شخصی دولت شمار نہیں ہوسکتیں اگر ہم کو افراد کی جداگانہ دولت معلوم ہو تو ہم سیدھے حساب سے اس کی میزان کلّی دریافت کر سکتے ہیں۔ لیکن لطف تو یہ ہے کہ افراد کی دولت معلوم کرنا بھی دشوار ہے۔ اور اکثر معاشی تحقیقات میں یہی دشواری سدِراہ ہوتی ہے۔ لیکن جب تک طالب علم اتنی ترقی نہ کرلے کہ بطور خود ایسی تحقیقات کا بیڑا اٹھائے اس کو اس دشواری سے سابقہ نہ پڑیگا شروع شروع میں تو بس اس کو اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ ایسی دشواری بھی پیش آیا کرتی ہے اور کسی بڑی جماعت کی دولت کا صحیح مجموعہ دریافت کرنے کے واسطے بہت محنت بہت مہارت اور بہت فہم و فراست درکار ہے۔ قومی دولت کی دوسری مد میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو کہ کل قوم یا جزو قوم کی ملک ہوں اور افراد قوم اس کے جداگانہ مالک نہ ہوں۔ اس زمرہ میں ایسی چیزیں شامل ہیں جیسے کہ سلطنت کی ریلیں اور نہریں۔ عمارات عامہ اور کاروبار سلطنت کا سامان۔ خواہ وہ خزانہ میں سونے چاندی کے ڈھیر ہوں۔ یا دفتروں کی میز کرسی اور الماریاں۔ ان مادی چیزوں کے علاوہ بعض مصنف قومی دولت میں ایسی غیر مادّی چیزیں بھی شمار کرتے ہیں جیسے کہ نظام حکومت۔ قومی دولت کی حدود ٹھیک ٹھیک معلوم کرنا طالب علم کے واسطے عملی لحاظ سے ابتدا میں کچھ زیادہ ضروری نہیں البتہ یہ تحقیق کرنا نہایت ضرور ہے کہ جو کتاب زیر مطالعہ ہے اس کے مصنف نے قومی دولت میں

کیا کیا چیزیں شمار کی ہیں۔

مزید براں قومی دولت میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو کسی جزو قوم کی ملک مشترک ہوں۔ گرچہ قوم بحیثیت مجموعی ان کی مالک نہ ہو فرض کرو کہ ہندوستان کی دولت کا تخمینہ کرنا ہے۔ اول تو کل باشندوں کی دولت کا مجموعہ لیجئے۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہند کی دولت پھر صوبہ دار حکومتوں کی دولت۔ بعد ازاں ایسی مقامی جماعتوں کی دولت جیسے میونسپلٹی مجلس ضلع حتیٰ کہ دیہاتی پنچایتوں کی دولت جن کا وجود قانوناً تسلیم ہو اور جن کے پاس کچھ مال و اسباب ہو۔ چنانچہ سڑکیں پل بند اور مختلف کاموں کی عمارتیں صوبہ دار حکومتوں کی ملک ہیں۔ اسی طرح میونسپلٹیاں بھی راستوں نالیوں۔ سامان روشنی مثل لیمپ بلکہ کہیں کہیں تو ذرائع آبرسانی اور ٹرامیوں تک کی مالک ہوتی ہیں مجلس ضلع اور مقامی مجلس کے قبضہ میں سڑکیں۔ ریل مدرسے اور دواخانے ہوتے ہیں اور دیہاتی پنچایتیں بھی تالاب اور کنوؤں کی مالک ہوتی ہیں اس قسم کی تمام چیزیں قومی دولت کے اجزا ہیں اسی طرح کل جماعتیں خواہ عام ہوں یا نج کی۔ جس قدر دولت کی مالک ہوں وہ سب دولت قومی شمار ہوگی۔ مثلاً مندر۔ مسجد خیراتی انجمنیں۔ کالج۔ ایسی کل چیزوں سے جس قدر دولت وابستہ ہو وہ بھی قومی دولت میں شامل ہے۔

لیکن واضح ہو کہ خواہ افراد کی شخصی دولت کا اندازہ کیا جاوے یا ملک کی قومی دولت کا دونوں صورتوں میں جو قرض مالک کے ذمہ عائد ہو وہ دولت مملوکہ میں سے ضرور منہا ہونا چاہئے

باب اول فصل (۲)

مثلاً کسی زمیندار نے اپنا گاؤں رہن کر دیا ہے۔ تو اس کی دولت شمار کرتے وقت گاؤں کی پوری قیمت شامل نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اس کی قیمت میں سے زر رہن وضع کر دینا ضروری ہے۔ اسی طرح فرض کرو کہ کسی میونسپلٹی نے قرض لیکر ذرائع آب رسانی تیار رکھے تو ان کی مالیت تخمینہ کرتے وقت زر قرضہ ضرور منہا کر دینا چاہیئے یا اگر کوئی قوم قرض کے روپیہ سے ریل اور نہریں جاری کرے تو اُس کی دولت شمار کرتے وقت اس قرض کا بھی لحاظ کرنا ضروری ہے

لفظ دولت کے جو معنی عام طور پر مراد لئے جاتے ہیں ان کے متعلق کافی بحث ہو چکی۔ لیکن طلبا کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بس اس قدر پڑھکر وہ دولت کے معنی سمجھ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ کی محض تعریف یاد کرلینے سے کچھ کام نہیں چلتا - یہی حال اور بہت سے الفاظ کا ہے جو آئندہ بیان ہوں گے۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ دولت کا اصلی مفہوم خوب ہمارے ذہن نشین ہو جاوے اور اس کا تجربہ یوں ہوسکتا ہے کہ جو چیزیں ہم اپنے ارد گرد روز مرہ دیکھتے ہیں ان کے متعلق ہم غور کریں کہ آیا وہ دولت کہلاسکتی ہیں یا نہیں فرض کرو کہ کوئی طالب علم صبح کو کالج جاتے ہوئے سوچے کہ آیا سڑک کے دو طرفہ درخت بھی دولت ہیں اور اگر ہیں تو کس کی۔ کیا کالج اور کھیل کے میدان گھنٹہ گھر اور پارک بھی دولت ہیں اور ان کا مالک کون ہے۔ کتاب میں دولت کی خواہ کچھ ہی تعریف درج کیوں نہ ہو اس طرح پر غور و خوض کرنے پر دولت کے معنی جس خوبی سے سمجھ میں آئیں گے وہ بہت سی

کتابوں کے مطالعہ سے بھی ممکن نہیں ۔

باب اول فصل (۲)

لفظ قدر کو بھی دولت کے مفہوم سے بہت قریبی تعلق ہے ۔ اور یہاں پر اس کے معنی واضح کرنے برمحل معلوم ہوتے ہیں روز مرہ کی گفتگو میں یہ لفظ بھی بالکل مبہم طور پر استعمال ہوتا ہے ۔ جب ہم کسی چیز کو بیش قدر کہتے ہیں تو اُس وقت ہمارے پیش نظر کوئی نمونۂ کمال ہوتا ہے ۔ اور چونکہ شئے مذکورہ اس نمونہ کے مطابق ہوتی ہے ۔ ہم اس کو بیش قدر کہکر اس کی تعریف کرتے ہیں ۔ لیکن معاشیات میں لفظ قدر استعمال کرتے وقت کسی معیار کا خیال نہیں ہوتا ۔ بلکہ اس کے کچھ اور ہی خاص معنی ہوتے ہیں جن کا سمجھ لینا ضروری ہے ÷

یہ تو واقعہ ہے کہ لوگ ہمیشہ اپنی چیزوں کا دوسروں کی چیزوں سے **مبادلہ** کرتے رہتے ہیں ۔ بس قدر سے مراد اس دوسری چیز کی وہ مقدار ہے جو اپنی چیز کے مبادلہ میں حاصل ہو گویا قدر ایک اصطلاح اضافی ہے ۔ اور اس میں دو چیزوں کا باہمی مقابلہ مضمر ہے ۔ اور اگر دنیا بھر میں صرف ایک ہی چیز ہوتی تو قدر کا کوئی مفہوم ہی نہ ہوتا وجہ یہ ہے کہ نہ دوسری چیز ہوتی نہ مقابلہ ہوتا مثلاً کسی کاشتکار کو سیر بھر گھی کی ضرورت ہے ۔ چاہے تو کسی دکان سے خرید لے یا اپنے ہی پڑوسی سے سولہ سیر گیہوں کے عوض لے لے ۔ اگر یہ دونوں آپس میں اس شرح سے مبادلہ پر رضامند ہو جاویں تو جہانتک اِس معاملہ کا تعلق ہے ایک سیر گھی کی قدر سولہ سیر گیہوں اور ایک سیر گیہوں کی قدر ایک چھٹانک

گھی شمار ہوگا۔ بات وہی ایک ہے گویا اصل چیز گھی اور گیہوں کی قدروں کا باہمی تعلق ہے جو اس وقت اور اس جگہ قرار پایا ہے اور اگر کاشتکار پڑوسی سے مبادلہ کرنے کے بجائے دُکان سے سیر بھر گھی ایک روپیہ کا خریدے تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک سیر گھی کی قدر ایک روپیہ اور ایک روپیہ کی قدر ایک سیر گھی ہے۔ دونوں بیانوں کا مفہوم وہی ایک ہے ؛

تمام قوموں کو اس میں بڑی سہولت معلوم ہوئی کہ کوئی ایک یا معدودے چند چیزیں بطور زر استعمال کی جاویں چنانچہ **قیمت** سے مراد کسی چیز کی وہ قدر ہے جو بشکل زر بیان کی جاوے۔ گویا مثال بالا میں ایک روپیہ کو سیر بھر گھی کی قدر بھی کہہ سکتے ہیں اور قیمت بھی، ان دونوں صورتوں میں معنی وہی ایک ہیں ۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ روپیہ کو جو کہ زر ہے گھی کی قیمت کہا جاوے اور قیمت خود قدر کی ایک خاص قسم ہے۔ جس کی ماہیت ابھی بیان ہو چکی زر کا مضمون آئندہ تفصیل سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس وقت تو بطور ایک امر واقع کے ہم اس کو مان لیتے ہیں اور جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں وہ دولت کے تخمینہ میں بطور معیار کام آتا ہے جو چیزیں دولت میں شامل ہیں ہم ان کی قیمت کا لحاظ کر لیتے ہیں۔ یعنی ان کی قدر زر کے معیار سے معین کرتے ہیں اور ان قیمتوں کے جوڑنے سے کل چیزوں کی قدر کا مجموعہ بشکل زر معلوم ہو جاتا ہے۔

فصل تین

پیدایش اور صرف دولت کا مفہوم

دولت معاشیات کا نفس مضمون ہے اور اس کے معنی بھی واضح ہو چکے یعنی اس میں شامل ہیں اکثر مادّی چیزیں اور چند غیر مادّی اشیاء جو مطلوب ہیں یا جن کو لوگ اپنی ملک بنانے کے خواہشمند ہوں اور نیز جن کو وہ دوسروں کے ہاتھ منتقل کر سکیں اس علم کے قوانین تین شعبوں میں منقسم ہیں جو کہ جدا جدا **پیدایش**۔ **صرف** اور **تقسیم** دولت سے بحث کرتے ہیں۔

پیدایش دولت کی بحث میں وہ طریق مطالعہ کئے جاتے ہیں جن کے بموجب دولت حاصل ہوتی ہے تاکہ کام آسکے صرفِ دولت بالکل اس کے برعکس ہے۔ گویا اس میں وہ طریق پیش نظر ہوتے ہیں جو کہ دولت کو کام میں لانے کے واسطے برتے جائیں تاکہ وہ معدوم ہو جاوے تقسیم دولت میں یہ بحث ہوتی ہے کہ دولت کیونکر مختلف لوگوں یا طبقوں میں پھیلتی ہے ۭ

طالبِ علم کو چاہیئے کہ ایک وقت میں ایک ہی شعبہ کا مطالعہ کرے۔ لیکن اس کو کسی وقت دوسرے شعبے دل سے نہ بھلانے چاہییں پیدایش دولت کا بیان پڑھتے وقت خیال رکھنا چاہیے کہ یہ شعبہ بذات خود مکمل نہیں۔ یعنی محض پیدایش دولت مقصود

باول (۳) مل

بالذات نہیں۔ بلکہ لوگ دولت اس غرض سے پیدا کرتے ہیں کہ یا تو خود اس کو وہ اپنے صرف میں لائیں یا اسکے مبادلہ میں دوسری چیزیں حاصل کرکے ان کو استعمال کریں اسی طرح صرف دولت کی بحث میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو لوگ دولت صرف کرتے ہیں ان میں سے اکثر اسے پیدا بھی کرتے ہیں اور جتنی دولت وہ پیدا کرتے ہیں اسی کے مطابق وہ صرف بھی کرسکیں گے۔

سب سے اول دیکھنا یہ ہے کہ جب دولت پیدا یا صرف کی جائے تو کیا واقع ہوتا ہے۔ یہ تو ہمکو معلوم ہے کہ دولت میں بیشتر مادّی چیزیں شامل ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو طریقے ہمارے زیر مطالعہ ہیں ان کے ذریعہ سے مادّہ پیدا یا معدوم ہوتا ہے۔ مختلف علوم سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ممکن نہیں یعنی مادّہ پیدا کرنے یا معدوم کرنے پر کوئی قادر نہیں البتہ اس کی شکل یا اس کی ترکیب بدل دینی کچھ مشکل نہیں ہے پیدائش اور صرفِ دولت کے معنی چند مثالوں سے خوب واضح ہوں گے۔

مثلاً درزی کوٹ تیار کرتا ہے کپڑے کے تھان میں سے وہ حسبِ ضرورت چند چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مختلف شکل کے تراش کر تاگے سے سی دیتا ہے نہ تو وہ کپڑا بناتا ہے اور نہ تاگا لیکن وہ ان کی ترکیب بدل دیتا ہے یعنی کپڑے اور تاگے کو ایک خاص طور پر یکجا کردیتا ہے اور گاہک کا اچھا خاصہ کوٹ بن جاتا ہے جو کہ بہت آرام دیتا ہے اور بن سلے کپڑے

باب اول
فصل (۳)

سے کہیں زیادہ کار آمد ہوتا ہے کوئی کہے کہ اچھا درزی نے نئی چیز پیدا نہیں کی تو جولاہے نے تو کی۔ لیکن ذرا جولاہے کو کپڑا بنتے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ وہ بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرتا کہ سوت کو ایک جدید ترکیب سے یکجا کر دیتا ہے اور اسی طرح کپڑا بن جاتا ہے۔ جس طرح درزی کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا جولاہا بھی نہیں کرتا وہ بھی سوت کو صرف نئی ترکیب دیتا ہے اور ایسی ترکیب پاکر سوت بہ شکل پارچہ درزی کے واسطے زیادہ کار آمد ہو جاتا ہے اسی طرح سوت کاتنے والا بھی اون یا روئی لیکر اس کے ریشے ایک خاص ترکیب سے بٹ دیتا ہے جو سوت کی شکل میں جولاہے کے کام آتے ہیں۔ یہاں تک معلوم ہوا کہ درزی جولاہا اور سوت کاتنے والا یہ سب ایک ہی قسم کا کام کرتے ہیں یعنی کسی مادّے کو لیکر جو کہ پہلے سے موجود ہوتا ہے صرف اس کی ترکیب بدلدیتے ہیں اور اس طرح پر وہ زیادہ کارآمد اور مفید ہوجاتا ہے۔ عمل پیدایش میں جو مراحل ان سے قبل پیش آتے ہیں ان کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہے یعنی مادّہ کی صرف شکل اور ترکیب بدلتی رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں لیکن اُن مراحل کے سمجھنے کے واسطے **علم کیمیا** اور **عضویات** کا جاننا اور فن زراعت میں ان سے جو کام لیا جاتا ہے اس سے واقف ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ کسی زمانے میں کاشتکار کا کام دستکار کے کام سے بالکل جُداگانہ اور مختلف خیال کیا جاتا تھا لیکن خوب تحقیق ہو گیا کہ کاشتکار بھی زمین کے اجزا کی ترکیب بدلنے میں مدد دیتا ہے۔ اور بس۔ یعنی

باب اول فصل (۳)

زمین میں کھاد ڈالتا، بیج بوتا اور پانی دیتا ہے۔ پودا جو اُگتا ہے۔ وہ کوئی نیا مادّہ نہیں ہوتا۔ بلکہ جو اجزا زمین میں موجود ہیں ان سے اور آب و ہوا سے ملکر بنتا ہے چنانچہ روئی کے ریشے جن سے سوت کاتا جاتا ہے کوئی نیا مادّہ نہیں ہوتے جن کو کاشتکار نے ازسرِنو پیدا کیا ہو۔ بلکہ وہ بھی اسی طرح خاک آب اور ہوا سے بنتے ہیں اور کاشتکار کا کام ضروری اجزا کو یکجا کردینا ہے جو روئی کی شکل میں نمودار ہوکر سوت کاتنے والے کے واسطے بہت کار آمد ہوجاتے ہیں۔ اور اسی طرح کاتنے والا روئی کا سوت کات کر کپڑا بُننے والے کے واسطے اس کو کارآمد بنا دیتا ہے یہی حال اُن کا سمجھنا چاہئے۔ بھیڑ جو کچھ کھاتی ہے اسی سے اُون بنتا ہے اور بھیڑ کا دانہ اور چارہ اسی طرح زمین سے اُگتا ہے جیسے کہ زمین کا پودا۔ چرواہے کا کام یہ ہے کہ بھیڑیں چرا چرا کر وہ گھاس اور جھاڑیوں کو اُون کی شکل میں تبدیل ہونے کا موقع دے۔ اور اُون جُلاہے کے واسطے بڑے کام کی چیز ہے۔

پس معلوم ہوا کہ کوٹ کی تیاری میں بہت سے لوگ ہاتھ بٹاتے ہیں یعنی وہ چیزیں پیدا کرتے ہیں جن سے کوٹ تیار ہوتا ہے۔ لیکن اُن میں سے ہرایک کا بس اُسی قدر کام ہے کہ مادّہ کی شکل یا ترکیب بدل بدل کر اس کو اصلی مقصد کے واسطے زیادہ کارآمد بنا دے واضح ہو کہ **کارآمد** سے بھی وہی بات مراد ہے جو **لفظ مطلوب** سے ہے دونوں سے صاف ظاہر ہے کہ شئے مذکور کوئی نہ کوئی احتیاج پوری کرتی ہے اس سے

ایک نہ ایک کام نکلتا ہے۔ اور جن جن پیشہ وروں کا ہم نام لے چکے ہیں وہ سب کے سب کوئی بکارآمد مادی چیز پیدا کرتے ہیں یا بالفاظ دیگر دولت پیدا کرتے ہیں یہی واقعہ مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ انسان مادہ تو پیدا کر نہیں سکتا البتہ **افادے** پیدا کرتا ہے لفظ مفید سے افادے کا نہایت قریبی تعلق ہے اور مطلب دونوں سے وہی ہے یعنی کسی چیز کا کارآمد ہونا +

اگر ہم پیدائش کی دوسری شکلوں پر غور کریں تو بھی واضح ہوگا کہ جو کچھ ہم پیدا کرتے ہیں وہ درحقیقت کوئی نیا مادہ نہیں ہوتا بلکہ نئے نئے افادے ہوتے ہیں مثلاً حلوائی دودھ شکر۔ میدے اور گھی سے طرح طرح کی مٹھائیاں تیار کرتا ہے جو کھانے میں بنہایت لذیذ معلوم ہوتی ہیں یعنی جن سے کہ ایک خاص قسم کی احتیاج یا احتیاجات رفع ہوتی ہیں کمہار مٹی کے برتن بناتا ہے بڑھئی کیل پیتوں سے لکڑی جوڑ کر صندوق اور میز تیار کرتا ہے اسی طرح اگر طالب علم دستکاروں اور کارخانوں کی بنی ہوئی چیزوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ سب چیزیں اسی طرح پر بنتی ہیں موجودہ مادہ کی تشکل یا نیز ترکیب بدل دی جاتی ہے اور اس جدید حالت میں اس سے کوئی خاص احتیاج بدرجۂ اعلیٰ پوری ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر اس میں افادہ بڑھ جاتا ہے +

پیدائش دولت کے معنی ذہن نشین ہونے کے بعد اب یہ سمجھنا غالباً دشوار نہ ہوگا کہ دولت کے صرف سے مراد بالکل اس کا

برعکس عمل ہے۔ لوگ مادّہ تو صرف کر نہیں سکتے بلکہ محض اس کے افادہ کو صرف کرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ صرف کرنے سے مادّہ کی مقدار تو دنیا میں کم ہو نہیں سکتی البتہ اس کی شکل یا ترکیب اس طرح بدل جاتی ہے کہ پھر اس سے احتیاج پوری نہیں ہوتی گویا کہ اس کا افادہ معدوم ہوجاتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص مٹھائی کھاتا ہے تو کھا چکنے کے بعد مٹھائی کی لذّت تو غائب ہو جاتی ہے لیکن وہ کل مادّہ جس سے مٹھائی مرکب تھی باقی رہتا ہے اس میں سے کچھ تو جزو بدن ہو جاتا ہے اور کچھ ہوا پانی اور خاک میں مل جاتا ہے۔ چنانچہ علم عضویات سے یہ امر بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آگ جلاتا ہے تاکہ کمرہ گرم کرے یا کھانا پکائے تو گرمی کی احتیاج تو آگ سے پوری ہوجاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ مادّہ جس سے لکڑی مرکب ہے۔ دھواں یا بھاپ بنکر ہوا میں ملجاتا ہے یا بشکل خاکستر آتش دان میں رہجاتا ہے بہر حال اس سے گرمی کی احتیاج کسی طرح پوری نہیں ہوسکتی۔ گویا اس میں وہ پہلا افادہ باقی نہیں رہتا۔

صرف کرنے کے بھی مختلف طریق ہیں اور ان میں عملی حیثیت سے ایک فرق ضرور قابلِ لحاظ ہے جو چیزیں اوپر کی مثالوں میں بیان ہوئیں ان کا افادہ ایک ہی مرتبہ صرف ہونے کے بعد ختم ہوجاتا ہے۔ یعنی جب مٹھائی کھائی جاچکی یا آگ جل چکی تو ساتھ ہی افادہ بھی غائب ہو جاتا ہے لیکن کھانے اور ایندھن کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو عرصۂ دراز تک صرف میں

رہ سکتی ہیں اور جن کا افادہ بتدریج کچھ مدت میں جاکر ختم ہوتا ہے مثلاً کوٹ ہم کئی مہینے تک پہن سکتے ہیں اور جب تک وہ استعمال میں رہے گا اس کا افادہ بھی قائم رہے گا۔ لیکن پھر بھی کوٹ کبھی نہ کبھی تو بوسیدہ ہوگا اور ایسی حالت ہونے پر اس کا افادہ بھی ختم ہو جائے گا۔ جیب گھڑی کوٹ سے بھی زیادہ عرصے تک کام دے گی اور اس سے وقت معلوم ہونے کی احتیاج پوری ہوتی رہے گی لیکن بالآخر وہ پُرانی ہوکر وقت غلط بتانے لگے گی یا بتائے گی ہی نہیں۔ پس اس وقت اس کا افادہ بھی غائب ہو جائے گا۔ بعض چیزیں اس قدر دیر پا ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ان کا افادہ کبھی ختم ہی نہیں ہوتا مثلاً سونے اور جواہرات کے زیور نسلاً بعد نسلاً استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی نہ کبھی تو یہ بھی ضرور کہنہ اور از کار رفتہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اتنا فرق ضرور معلوم ہو گیا کہ بہ لحاظ پائیداری دولت کے مدارج مختلف ہیں اُن چیزوں سے لیکر جو ایک مرتبہ صرف میں آنے کے بعد از کار رفتہ ہو جاتی ہیں (یعنی ان کا افادہ ختم ہو جاتا ہے) وہ چیزیں تک دولت میں شامل ہیں جو ایک مرتبہ دستیاب ہونے کے بعد مدتہائے دراز تک کام آتی رہتی ہیں یعنی ان کا افادہ بر قرار رہتا ہے۔

عام طور پر انسان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ افادے پیدا کرنے اور صرف کرنے میں بسر ہوتا ہے۔ یعنی احتیاجات پوری کرنے کی غرض سے وہ دولت پیدا کرتا ہے اور پھر احتیاج پوری کرنے میں وہ اس کو صرف کر ڈالتا ہے پس جب کوئی پیدائش و صرف دولت کی بحث پڑھتا ہے تو وہ انسانی زندگی کے بڑے حصے کا مطالعہ

باب اول فصل (۳) بھی کرتا ہے۔ چنانچہ مارشل صاحب کا قول ہے کہ معاشیات میں انسان پر اس حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے کہ زندگی کے معمولی کاروبار میں اس کی مصروفیت کی کیا حالت ہے +

انسان اپنے آرام و آسائش کی مادی ضروریات بہم پہنچانے اور استعمال کرنے میں جو کچھ کوشش کرتا ہے اسی سے معاشیات میں بحث کی جاتی ہے اس میں ایک تو مسائل دولت پر غور کیا جاتا ہے اور دوسرے انسان کی حالت پر۔ اور یہی آخرالذکر پہلو زیادہ اہم ہے مارشل صاحب کے قول سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس علم کی تعریف کئی طرح پر بیان ہوسکتی ہے سابق معاشیین نے تو اسکی وہی تعریف بیان کی ہے جو فصل اول میں مذکور ہے۔ یعنی اس کو مطالعۂ دولت قرار دیا ہے۔ اور مارشل صاحب کا مذکورۂ بالا قول دوسری تعریف پیش کرتا ہے۔ یعنی وہ معاشیات کو مطالعۂ انسانی سے تعبیر کرتا ہے +

ان دونوں تعریفوں میں کوئی تضاد پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دولت ہی خود ایسی چیز ہے کہ انسان کے ذکر بغیر اس کی تعریف بیان نہیں کی جاسکتی۔ دولت کیا ہے بکار آمد چیزوں کا مجموعہ ہے اور انسان کا خیال کئے بغیر دولت کا مفہوم خیال میں آہی نہیں سکتا کیونکہ دولت تو اسی چیز کو کہتے ہیں جس کی انسان کو ضرورت ہو معاشیات کی یہ خصوصیت کہ وہ انسان کا بھی مطالعہ کرتا ہے اُس وقت خاص طور سے قابل لحاظ ہے جبکہ علوم کے زمرہ میں اس کی قسم قرار دی جائے جو علوم کہ بالعموم مادی کہلاتے ہیں وہ انسان کے وجود سے مستغنی ہیں مثلاً اگر انسان پیدا نہ بھی ہوتا

باب اول فصل (۳)

تب بھی قوانائیات کے قوانین اسی طرح جاری رہتے۔ پانی اسی طور پر بلندی سے پستی کی جانب بہا کرتا جیسا کہ اب بہتا ہے لیکن جو علوم کہ عمرانی کہلاتے ہیں مثلاً معاشیات۔ اخلاقیات۔ اور سیاسیات وہ موجودہ انسان کو پیشِ نظر رکھکر اُس کے افعال کا مختلف نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور معاشیات اُن افعال کی طرف خاص طور سے توجہ کرتا ہے جو بقول مارشل آرام و آسائش کی مادی ضروریات حاصل اور استعمال کرنے سے متعلق ہیں یعنی وہ افعال جو دولت پیدا اور صرف کرنے میں ظہور پذیر ہوں +

فصل چار

چند مفروضات

مفروضات کی ضرورت

دولت کا مطالعہ کرنا جس میں انسانی زندگی کے ایک بڑے حصے کا مطالعہ بھی شامل ہے کوئی آسان کام نہیں وجہ یہ ہے کہ زندگی خود بہت پیچیدہ ہے اس کو بتدریج حل کرسکتے ہیں لہذا اول اول اس کو بہت سادہ و مختصر تصور کرتے ہیں۔ اسی غرض سے ہم کچھ مفروضات بنا لیتے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ مباحث کی وسعت معین اور محدود ہو جاتی ہے۔ جب ہم ان حدود کے اندراندر مضمون بخوبی سمجھ لیتے ہیں تو کچھ عرصے بعد ہم ان حدود سے باہر قدم رکھتے اور اپنے معلومات وسیع کرلیتے ہیں چنانچہ ہم اس فصل میں چند ایسے مفروضات بیان کرینگے جو کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ اور طالب علم کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مفروضات اس کتاب کے تمام مباحث میں مضمر ہیں البتہ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تمام معاشیین نے یکساں وہی مفروضات اپنی تصانیف میں داخل کئے ہیں بلکہ طالب علم کو ہر مصنف کے جداگانہ مفروضات تحقیقات کرلینے چاہئیں تاکہ مباحث سمجھنے میں مغالطہ نہ ہو +

سب سے اول تو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ معمولی مرد اور عورتیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہم کسی خاص قوم کے لوگوں تک

اپنی توجہ بھی وہ نہیں کرتے۔ ہم مانتے ہیں کہ ایک قوم کے لوگ دوسری قوم کے لوگوں سے گوناگوں حیثیتوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن ہم صرف انہیں پہلوؤں کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ مثلاً قوموں کی غذائیں مختلف ہیں۔ بعض قومیں گوشت کھاتی ہیں۔ اور بعض نہیں کھاتیں لیکن ان تفصیلی اختلافات سے ہمکو کچھ سروکار نہیں۔ ہم تو اس عام واقعے پر نظر کرتے ہیں کہ تمام قوموں کو غذا درکار ہے اسی طرح قوموں کے طریق تفرج و تفریح بھی جداگانہ ہیں۔ لیکن ہمکو تو صرف اس واقعے سے مطلب ہے کہ سب قوموں کو کھیلنے اور دل بہلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ خواہ اس کے طریق کچھ ہی کیوں نہ ہوں جب ہم انسانی زندگی کے کسی شعبہ کی مثال دینگے۔ تو ہم اسی قوم کی مثال پیش کرینگے جس سے ہم واقف ہیں۔ یعنی شمالی ہندوستان کے لوگ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم صرف انہیں شمالی ہندوستان کے باشندوں کی زندگی کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ البتہ انسانی زندگی کی بحث میں ہم ان کو بطور مثال ضرور پیش کرتے ہیں۔

دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ نسل انسان مختلف اقوام میں منقسم ہے یا وہ چند جداگانہ باقاعدہ حکومتیں قائم کئے ہوئے ہے چنانچہ دنیا کے بیشتر حصے میں یہی واقعہ نظر آرہا ہے۔ ایسے مقامات جہاں ابتک کوئی قوی حکومت قائم نہیں ہے۔ جہاں پولس اور عدالت کے خوف بغیر لوگ چوریاں اور دغا فریب کریں ان کو ہم نظرانداز کردیتے ہیں۔ حکومتیں بھی قسم قسم کی ہوتی ہیں لیکن سردست ہم کو

باب اول
فصل (۴)

حکومتوں کے اختلافات سے کچھ غرض نہیں۔ ان سب کی عام صفت یہ ہوتی ہے کہ ان کے زیر نگرانی ہر کوئی اپنے مال کا مالک بنا رہتا ہے۔ اور اگر کوئی کسی کا مال چھیننا چاہے تو پولس اور عدالت اول الذکر شخص کی مزاحم ہوتی ہے مالک کی حمایت اور ملک کی حفاظت کرتی ہے +

کاروباری آزادی

تیسری بات جو بطور مفروضہ شمار ہوتی ہے یہ ہے کہ لوگ کاروباری آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں یعنی عوام کو اختیار ہے کہ چاہے جس طرح دولت پیدا کریں اور جس طور پر چاہیں اس کو صرف میں لائیں یہ آزادی غیر محدود نہ سمجھنی چاہئے ہر حکومت اس پر کم و بیش نگرانی رکھتی ہے لیکن آزادی قاعدہ عام ہے اور بندشیں مستثنیات شمار ہوتی ہیں مثلاً ہندوستان میں ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ خواہ وہ کاشت کر کے اپنی روزی کمائے۔ یا اس غرض کے لئے محنت مزدوری کرے یا دکان کھولے یا کوئی اور تدبیر نکالے۔ وہ کوئی مقررہ اجرت قبول کرنے پر مجبور نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ جس قدر اجرت مل سکے وہ حاصل کر سکتا ہے نہ وہ مقررہ نرخ سے چیزیں فروخت کرنے کا پابند ہے +

آزادئ کاروبار پر کچھ بندشیں ہندوستان میں ضرور قائم ہیں لیکن ایسی ہی جیسے کہ دیگر ممالک میں موجود ہیں۔ مثلاً سرکار کی خاص اجازت بغیر کوئی شخص شراب نہیں بنا سکتا، افیون نہیں بیچ سکتا، ہتھیار نہیں خرید سکتا یا بعض پیشے ایسے ہیں مثلاً

وکالت کہ ایک خاص قسم کی تعلیم حاصل کئے بغیر کوئی شخص ان کو اختیار نہیں کرسکتا۔ جب ہم کبھی ایسے کار و بار یا پیشوں پر غور کریں کہ جن پر ایسی بندشیں عائد ہوتی ہوں تو ان بندشوں کا بھی لحاظ کرنا ضروری ہے۔ لیکن تمام موجودہ بندشوں کے اثرات کا تخمینہ کرنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی ملک کی معاشی حالت پر ان کا کوئی خاص قابلِ لحاظ اثر نہیں پڑتا اور جبکہ ہم کاروبار کی عام حالت سے بحث کریں مثلاً کھانے کپڑے اور مکان جیسی عام ضروریات کی پیدائش اور ان کا صرف۔ تو مذکورۂ بالا جیسی بندشوں کو نظر انداز کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ایک بندش جو خاص طور پر اہم اور توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں زمیندار بعض حالتوں میں نہ تو کاشتکار کو بیدخل کرسکتا ہے اور نہ اس پر لگان بڑھاسکتا ہے۔ باب پنجم میں اس کے نتائج پر غور کیا جاوے گا؛

باب اول فصل ۱۴،

سرکاری مداخلت کے علاوہ کاروباری آزادی میں رسم و رواج اور لوگوں کے خیالات بھی رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ممکن ہے کہ ایسی رکاوٹوں کی کوئی پرواہ نہ کی جاوے۔ لیکن کبھی ان کا لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں ذات پات کا طریق بہت کچھ قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ آبادی کا بڑا حصہ اس کا پابند ہے اور روز مرہ کے کاروبار پر اس کا اچھا خاصا اثر پڑتا ہے؛

اس کتاب میں ہم نے چوتھا مفروضہ یہ رکھا ہے کہ زر کی

باب اول فصل (۴)

قوت خرید میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ساورن اور روپیہ جیسے سکوں کا رواج مان کر یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ کوئی چیز حاصل کرنے میں جتنے ساورن یا روپے صرف ہوں ان کے ذریعے سے ہم اس چیز کی قدر بعینہ اس طرح پر دریافت کر سکتے ہیں جیسے کہ من اور سیر کے حساب سے وزن تولتے ہیں یا فٹ اور انچوں سے لمبائی ناپتے ہیں۔ بالعموم لوگ زر کو قدر اشیا کا ایسا ہی معین معیار تصور کرتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے اس وقت اس مفروضے کی ضرورت اور اہمیت کچھ سمجھ میں نہ آوے گی لیکن معاشیات کا مطالعہ کرتے کرتے طلبا کو بالآخر معلوم ہوگا کہ یہ مفروضہ واقعات کے عین مطابق نہیں ہے۔ اور جو معاشی تحریکات زمانہائے دراز پر محیط ہوں ان پر غور کرتے وقت ضرور ہے کہ ان تبدیلیوں کا بھی لحاظ رکھا جائے جو اس دوران میں زر کی قوت خرید میں متواتر ہوگئی ہوں۔ اس لحاظ کی ضرورت کی بدولت مباحث میں بہت کچھ طوالت اور پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔ ورنہ اگر روپیہ بھی قدر کا ایسا ہی معین معیار ہوتا جیسا کہ وزن کا معیار سیر ہے تو یہ دقت کیوں پیش آتی۔ یہ مفروضہ کہ زر کی قوت خرید معین ہے یا بالفاظ دیگر قدر اشیا کا وہ ایک معین معیار ہے محض بغرض سہولت مان لیا جاتا ہے۔ بہرحال طالب علم کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کتاب میں زر کی قوت خرید غیر متبدل پذیر مانی گئی ہے +

پانچواں آخری مفروضہ اس کتاب میں یہ ہے کہ بعض چیزوں

میں ہم نمایاں فرق مانتے ہیں حالانکہ در اصل وہ فرق نمایاں نہیں ہے یہ نکتہ مثال سے خوب واضح ہوگا۔ ہاکی یا فٹ بال کے میچ میں کھلاڑی دو گروہ میں تقسیم ہوتے ہیں اور ہر ایک کھلاڑی کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہے۔ اس صورت میں تو تفریق نہایت صاف ہے یعنی بائیس لڑکے دو برابر گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں لیکن فرض کرو کہ ہیڈ ماسٹر اسکول کے کل لڑکوں کو اچھے اور برے لڑکوں کے جداگانہ گروہوں میں تقسیم کرنا چاہے تو اس حالت میں تفریق بہت واضح ہونی دشوار ہے بعض لڑکے تو صریحاً اچھے یا برے ہوں گے لیکن باقی لڑکوں کے متعلق اس کو تذبذب ہوگا کہ ان کو کس گروہ میں شریک کرے۔ کیونکہ وہ ہردو گروہ کے بین بین نظر آئینگے نہ محض اچھے ہوں گے اور نہ سراسر برے گروہ قابلیت کے اصول پر بھی لڑکوں کے نام ترتیب دینے تو یہ طے کرنا دشوار ہے کہ ایسی فہرست میں کہاں یہ خط تفریق کھینچا جائے کہ اس کے بالا بالا لڑکے اچھے اور اس کے نیچے والے خراب خراب شمار ہوں معاشیات میں جو فرق کئے جاتے ہیں انکی بھی یہی کیفیت ہے۔ بہت سی چیزیں تو مختلف گروہوں میں بآسانی تقسیم ہو جاتی ہیں لیکن بعض چیزیں گروہوں کے حد فاصل پر نظر آتی ہیں اور ان کے متعلق یہ طے کرنا کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونی چاہییں بڑی ٹیڑھی کھیر ہے اس ابتدائی کتاب کے مباحث میں ہم ایسی حد فاصل والی غیر تفریق شدہ چیزیں نظر انداز

باب اول کرتے ہیں خواہ فی نفسہ وہ کتنی ہی دلچسپ اور مفید کیوں نہ ہوں مثلاً
فصل (۴) بالتفصیل یہ بحث کی جاوے کہ لفظ دولت یا لفظ اصل کے معنوں
کی وسعت کیا ہے اور ان کے حدود کہاں کہاں ہیں اور وہ کون
چیزیں ہیں جو حد فاصل پر واقع ہیں یعنی جن کا ان الفاظ کے مفہوم
میں داخل ہونا نہ ہونا مشکوک ہے۔ ایسے مباحث سے یہ تو فائدہ
پہنچتا ہے کہ الفاظ کی تعریف اور معنی خوب سمجھ میں آجاتے ہیں
لیکن معاشیات کا کچھ مطالعہ کرلینے کے بعد ان بحثوں میں پڑنا زیادہ
مناسب ہوگا۔ شروع شروع میں تو طالب علم کے واسطے یہی سب
سے بہتر ہے کہ اپنی تمامتر توجہ خاص خاص واقعات پر رکھے
اور تفریق کی صحیح صحیح حدود تحقیق کرنے میں اپنا بہت سا وقت
ضائع نہ کرے اس کام کے کرنے میں بعد کو خود بخود سہولت
ہو جائے گی ÷

باب دوم
پیدائش دولت
فصل پانچ
عاملین پیدائش

عمل پیدائش دولت کی مثال

فصل تین میں بیان ہو چکا ہے کہ معاشیات میں اصطلاح پیدائش سے مراد یہ ہے کہ مادہ کی اجزا میں کوئی نئی ترکیب پیدا کر دیں تاکہ اس کا افادہ بڑھ جاوے یعنی وہ زیادہ مفید اور کارآمد ہو جاوے۔ اور اس سے احتیاجات بطریق احسن پوری ہوں۔ اب ہمکو دیکھنا یہ ہے کہ کس طریق پر یہ عمل سرانجام پاتا ہے۔ یعنی کیونکر مادے کے اجزا کی ترکیب بدلی جاتی ہے +

ہم ایک ایسے شخص کی مثال لیتے ہیں جوکہ بہت تھوڑی سی دولت نہایت سیدھے سادے طریق پر پیدا کرتا ہے فرض کرو کہ کوئی گھسیارہ ہے جو افتادہ زمین کی گھاس کھود کھود کر اس کی گٹھری اپنے سر پر بازار لے جاتا ہے اور جو دام وصول ہوتے ہیں اسی پر بسر اوقات کرتا ہے۔ یہ شخص بھی دولت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ مادے یعنی گھاس کا مقام بدل دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھاس سے قصبہ والوں کی احتیاج پوری ہو جاتی ہے یعنی وہ ان کے گھوڑوں اور مویشیوں کے چارے کے

باب دوم
فصل (۵)

کام آتی ہے اور اسی وجہ سے وہ لوگ زر سے گھاس کا مبادلہ کرتے ہیں یعنی اس کو خریدتے ہیں۔ یہی گھاس اگر اُفتادہ زمین پر چھوڑدی جاتی تو وہاں اس سے کسی کی احتیاج پوری نہ ہوتی۔ وہاں کوئی رہتا ہی نہیں۔ اور جب کوئی موجود نہ ہو تو احتیاج کیونکر پیدا اور پوری ہوسکتی البتہ جب گھاس کھُد کر آبادی میں آتی ہے تو وہ دولت بن جاتی ہے۔ کیونکہ وہاں احتیاجات موجود ہوتی ہیں جن کو وہ پورا کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر گھسیارا جب غیر آباد جگہ سے جہاں کوئی احتیاج نہیں گھاس کسی شہر یا قصبے میں لاتا ہے جہاں اس کی احتیاج بکثرت موجود ہے تو تبدل مقام کی بدولت گھاس میں گویا ایک جدید افادہ پیدا ہوجاتا ہے جو اس میں پہلی جگہہ معدوم تھا گھاس بیچکر وہ جو کچھ کماتا ہے اگر روز کے روز خرچ کر ڈالے تو گویا وہ جتنی دولت پیدا کرتا ہے اتنی ہی صرف کرڈالتا ہے اور اگر یہی حال برقرار رہے تو وہ دولتمند نہیں بن سکتا۔ یعنی اس کے پاس کچھ اندوختہ یا سرمایہ جمع نہیں ہوسکتا +

اب فرض کرو اس کے دل میں خیال گذرے کہ ہاتھ سے اُکھیڑنے کے بجائے اگر وہ کھرپے سے گھاس کھودے تو ہر روز زیادہ گھاس فروخت کرنی ممکن ہے۔ پھر اسے پتہ چلے کہ لوہار چار گنڈے میں کھرپا بنادے گا اور اگر وہ پیسہ روز جمع کرے تو سولہ دن میں وہ کھرپے کی قیمت ادا کرسکتا ہے۔ اب اس نے دل میں ٹھان لی کہ کھُرپا ضرور خریدنا چاہیے

حتیٰ کہ کمائی سے پیسہ روز بچا بچا کر وہ سولہ دن میں کھرپا لے آیا۔ اب تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ گھاس کھود سکتا ہے لیکن گھاس کی زیادہ مقدار لے جانی مشکل ہے۔ پس وہ بہ نسبت سابق صرف دوچند گھاس کھود کر بازار لاتا ہے۔ جو کچھ کماتا ہے اُس میں سے کچھ تو کھانے پینے میں خرچ کرتا اور باقی بچا بچا کر رکھتا ہے گویا اب وہ جتنی دولت صرف کرتا ہے اس سے زیادہ پیدا کرلیتا ہے۔ اور عجب نہیں کہ چند روز میں وہ دولتمند بن جائے یعنی اس کے پاس کچھ اندوختہ یا سرمایہ جمع ہوجائے۔

باب دوم فصل (۵)

بحالت موجودہ ہندوستان کے اکثر گھسیارے اتنی کمائی پر قناعت کر بیٹھیں گے۔ کھانے پینے سے جو کچھ بچے گا یا تو اس میں سے کپڑے لتے بنائینگے یا حقہ تمباکو کا خرچ چلائیں گے۔ یا آرام سے گھر بیٹھکر کھائیں گے اور چھٹی منائیں گے۔ انکی آمدنی بہ نسبت سابق کچھ زیادہ بھی ہوئی تو بس اتنی کہ صرف موجودہ احتیاجات پوری ہو جاویں۔ یہ نہیں کہ کوئی رقم جمع کرسکیں۔ لیکن دور بین شخص کو امید ہوسکتی ہے کہ کسی روز وہ بھی دولتمند بن جاوے گا۔ مثلاً وہ اندازہ کرے کہ ایک روز میں ایک خچر کا بوجھ گھاس کھودی جاسکتی ہے۔ اور اس گھاس کی قیمت میں سے اپنے کھانے پینے اور خچر کی گھاس دانے کا خرچ نکلنے کے بعد بھی کچھ پس انداز ہوسکتا ہے۔ پس اگر کھرپے سے گھاس کھود کھود کر وہ جس قدر زیادہ کما رہا ہے اُس کو جوڑ جوڑ وہ ایک خچر خرید لے تو اس کے پاس کھرپا اور خچر دو چیزیں

باب دوم
فصل (۵)

ہو جاویں گی اور اب اس کی آمدنی اس کے روز مرہ خرچ سے اچھی خاصی بڑھ جاوے گی اس حیثیت تک پہنچنے کے بعد حوصلہ مند شخص اور بھی زیادہ دولت جمع کرنی شروع کرے گا مثلاً اب وہ کسی اصطبل یا مویشی خانہ کے واسطے گھاس لانے کا ٹھیکہ لے لے اور اپنے کار و بار کے اعتبار پر روپیہ قرض لیکر کچھ اور خچر خرید کر اور گھسیارے ملازم رکھکر اپنا کام بڑھائے اور اسی طرح ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ وہ دولتمند ٹھیکہ دار بن جاوے اور طرح طرح کے کام جاری کردے ؛

تینوں عاملین پیدائش زمین محنت اور اصل کا کام

اب غور کرو کہ کن کن صورتوں میں ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص پہلے پہل تو صرف اتنا کمائے کہ اپنا پیٹ پال سکے۔ اور رفتہ رفتہ ایسی آمدنی کے کار و بار جاری کرے کہ اپنی ضروریات موجودہ سے زیادہ کما سکے۔ اول تو اس افتادہ زمین کو لو جس پر گھاس اگتی ہے۔ اگر آبادی کے قریب کوئی ایسی جگہ نہ ہوتی جہاں سے وہ گھاس بازار میں لاسکتا تو بھلا اس کی پھر کیونکر گذر ہوسکتی تھی۔ اور جبکہ گھاس لانے کا کار و بار بڑھے تو اس کی ترقی کا دار مدار اس زمین کی وسعت پر ہوگا جو شہر سے قریب ہو اور جہاں سے گھاس دستیاب ہو سکے ؛

دوسرا کام گھاس کھودنا اور اس کو بازار میں لانا ہے کھیل اور تفریح کے طور پر تو کوئی شخص یہ کام کرنے سے رہا۔ اس کام کے ناگوار ہونے میں کیا شک ہے لیکن وہ اس لئے اس کو کرلیتا ہے کہ بھوکا رہنا اس سے بھی کہیں زیادہ ناگوار ہے۔

یہ تو ممکن ہے کہ کچھ زمانہ بعد جب وہ خوش حال ہو جاوے تو نوکروں سے یہ کام لے۔ لیکن اگر دولت پیدا کرنی مقصود ہے تو کسی نہ کسی کو کام کرنا ہی پڑے گا اور جب تک اپنی پیدا کی ہوئی دولت کا کم از کم ایک حصہ نہ ملے کوئی کام کرنے پر کیوں رضا مند ہونے لگا؟

باب دوم فصل (۵)

تیسری بات غور طلب یہ ہے کہ دولت کی کچھ مقدار پہلے سے موجود ہے جس سے مزید دولت پیدا کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اوپر کی مثال میں یہ دولت اول کھرپا اور دوم چھکڑا ہے یہ سچ ہے کہ ہماری مثال میں بغیر کسی سابق دولت کی مدد کے گھسیارا از سرِ نو دولت پیدا کرتا ہے یعنی وہ محض اپنے ہاتھوں سے گھاس اکھاڑ اکھاڑ کر بازار میں لاتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے پس ماندہ ترین حصوں میں بھی ایسی حالت شاذ و نادر نظر آسکتی ہے ورنہ ہر کہیں گھسیارے کے پاس کھرپا ہوتا ہے۔ کمہار کے پاس چاک، بڑھئی کے پاس اوزار اور اسی طرح جو کوئی دولت پیدا کرتا ہے اس کے پاس کچھ نہ کچھ پہلی دولت موجود ہوتی ہے جو کہ اس کو مزید دولت کی پیدائش میں مدد دیتی ہے۔

یہ تینوں صورتیں جو اوپر بیان ہوئیں عاملین پیدائش کہلاتی ہیں اور ہر ایک کا مختصر سا جداگانہ نام ہے جس کے معنی خوب سمجھ لینے چاہئیں۔ پہلے عامل کو زمین کہتے ہیں دوسرے کو محنت اور تیسرے کو اصل۔

ان الفاظ کے معنی تو آگے چل کر بیان ہوں گے۔ یہاں پر زراعت

باب دوم فصل (۵)

یہ بہتر ہوگا کہ طالب علم پیدائش کی چند دیگر صورتوں پر نظر ڈالے اور غور کرے کہ یہ عاملین ان میں سے ہر ایک میں کیونکر شامل ہیں۔ ہندوستان ونیز اکثر دیگر ممالک میں جس قدر دولت پیدا ہوتی ہے اس کا سب سے بڑا حصہ زراعت سے حاصل ہوتا ہے کاشتکار کے پاس زمین ہونی ضرور ہے اگر وہ خود اس کا مالک نہیں تو کچھ لگان ادا کرکے دوسرے کی زمین پٹے پر لے سکتا ہے زمین کے علاوہ محنت کی بھی ضرورت ہے۔ کاشتکار کا بیشتر وقت زمین جوتنے۔ کھاد لگانے بیج بونے پانی دینے رکھوالی کرنے اور فصل کاٹنے میں صرف ہوتا ہے۔ اگر کنبے کے لوگ اسکا ہاتھ نہیں بٹاتے تو مجبوراً وہ مزدور رکھکر کام کراتا ہے۔ مزید براں کاشتکار کو اصل بھی درکار ہے۔ یعنی کچھ موجودہ دولت جس سے مزید دولت کی پیدائش میں مدد لی جا سکے مثلاً اس کو ہل۔ بیل۔ تخم اور کھاد کی ضرورت ہے۔ اس کے پاس اس قدر سرمایہ بھی ہونا چاہئے کہ فصل بونے کے وقت اور نیز اس کے تیار ہونے تک وہ خود کھا سکے۔ اپنے کنبے کو پال سکے اور مزدوروں کو اجرت دے سکے +

صنعت و حرفت

اسی طرح فرض کرو کوئی دستکار بازار میں اپنی دکان پر پیتل کے برتن بناتا ہے اگرچہ اس کو اتنی وسیع جگہ درکار نہیں جتنی کہ کاشتکار کو تاہم اس کے پاس بھی کچھ تو زمین ہونی چاہئے جہاں بیٹھکر وہ بھٹی کے سامنے اپنے اوزاروں سے برتن بنا سکے۔ وہ خود تو کام کرتا ہی ہے۔ ممکن ہے کہ مزدوروں سے بھی کام لینا پڑے

بھٹی کی دیکھ بھال ہے، سانچے بناتے ہیں، کھردرے برتن، خراد پر چڑھاکر ان کو ہموار کرنا اور پھر جلا دینی ہے۔ اس کے پاس تھوڑا بہت اصل بھی ہونا چاہیے۔ مثلاً اس کی خراد دوسرے اوزار پیتل جو بھٹی میں پگھلایا جاتا ہے نیز کچھ روپیہ جس سے روز مرہ کا خرچ چلے اور مزدوروں کی اجرت ادا ہو +

باب دوم فصل ۲، ۵

کارخانجات

بڑے بڑے کارخانوں میں بھی انہیں عاملین پیدائش سے کام لیا جاتا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں ان کی زیادہ زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے۔ مثلاً روئی یا سن کا کارخانہ کھولا جاوے تو اول وسیع قطع زمین پر عمارات تیار ہوں گی پھر اس میں صدہا بلکہ ہزارہا مزدور کام کریں گے۔ اور لاکھوں روپیہ کے مقدار میں اصل کھپے گا۔ مثلاً عمارتیں بنیں گی۔ انجن اور مشین لگیں گی۔ کوئلہ اور پیداوار خام یعنی روئی یا سن خریدا جاوے گا۔ مزدوروں کو اجرت دینی ہوگی اور متفرق مصارف پیش آوینگے حاصل کلام یہ کہ کوئی کاروبار چھوٹا ہو یا بڑا یہی تینوں عاملین پیدائش یعنی زمین محنت اور اصل مل جل کر پیدائش دولت کا کام انجام دیتے ہیں +

پیدا آور کاروبار کی ایک مثال ریل بھی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوگا کہ ریل دولت کو صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے۔ کوئی مزید دولت پیدا نہیں کرتی۔ لیکن ہم نے دولت کا جو مفہوم لیا ہے اس کی رو سے لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہوسکتا۔ دولت سے مراد وہی چیزیں ہیں جن سے احتیاجات

ریلیں

پوری ہوں۔ اور جب کوئی چیز دسترس سے باہر ہو تو پھر اس سے احتیاجات کیونکر پوری ہوسکتی ہیں اور اگر نہیں ہوتیں تو پھر وہ چیز دولت کہلانے کی بھی مستحق نہیں ہوسکتی۔ ہمالیہ کے جنگلوں کی لکڑی یا بنگال کے کانوں کا کوئلہ لکھنؤ یا کلکتہ والوں کے کس کام کا ہے جبتک کہ وہ ریلوں میں لد کر وہاں نہ آئے اور لوگوں کی احتیاج پوری نہ کرے۔ ریل صریحاً پیدا آور کام کرتی ہے کیونکہ وہ چیزوں کا مقام بدل کر ان کو ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں وہ لوگوں کے احتیاجات پورے کرتی ہیں اس کی بھی حالت بعینہ اسی گھسیارے کی سی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے جو افتادہ زمینوں کی گھاس کھود کھود کر شہر میں لاتا ہے اور لوگ اپنے مویشیوں کے واسطے اس کو خریدتے ہیں۔ جب ریل کا کام پیدا آور ٹھہرا تو اب غور کرو کہ اس کو بھی وہی تینوں عاملین پیدائش درکار ہیں۔ اول تو زمین چاہئے۔ جس پر ریل چلے۔ دوسرے بہت سے مزدوروں کی ضرورت ہے جو ریل بناویں اور چلاویں۔ مثلاً بڑھئی، لوہار، انجن چلانے والے، گارڈ لوگ، اسٹیشن ماسٹر، کلرک اور قلی وغیرہ اور بےشمار اصل درکار ہے۔ مثلاً ریل کی پٹری، انجن، ریل کے ڈبے، ریلوے اسٹیشن اور دفاتر وغیرہ کی عمارات و سامان +

مندرجہ بالا مثالوں سے بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ پیدائش دولت کی جتنی شکلیں ہیں سب میں یہی تینوں عاملین پیدائش زمین محنت اور اصل مل جل کر کام کرتے ہیں۔ اور بہتر ہوگا کہ طالب علم کو

باب دوم
فصل (۵)

پیدائش دولت کی جو جو شکلیں معلوم ہوں ان سب پر غور کرے اور دیکھے کہ آیا ہر ایک میں یہ عامل موجود ہیں یا نہیں۔ اور نیز یہ کہ آیا ان کے سوا کوئی اور چوتھا عامل تو ایسا نہیں ہے جو کبھی عمل پیدائش میں شریک ہوتا ہو باقی کتاب میں ہم اول تو ان تینوں عاملین کی کیفیت بیان کریں گے اور بعدہ وہ نظام پیش کریں گے جس کے مطابق یہ تینوں آپس میں مل کر عمل پیدائش دولت سرانجام دیتے ہیں ⁂

باب دوم
فصل (۶)

فصل چھ

زمین

زمین کا مفہوم

لفظ زمین سے عام طور پر توسطح زمین مراد لی جاتی ہے لیکن معاشیین کے نزدیک اس کے معنی کچھ زیادہ وسیع ہیں۔سطح کے علاوہ اصطلاح زمین کے مفہوم میں اشیاء ذیل بھی داخل ہیں +

(۱) معدنیات جو کہ زیر سطح دستیاب ہوں مثلاً کوئلہ، لوہا، سونا چاندی۔مٹی کا تیل اور تہ زمین کا پانی جو کنویں کھود کر نکالا جاتا ہے اور جو ہندوستان جیسے زرعی ملک میں نہایت ضروری اور کار آمد ہے +

(۲) نیز وہ پانی جو سطح زمین پر ہو مثلاً دریا اور جھیلیں +

(۳) ہوا۔ روشنی۔گرمی جیسی بالائی چیزوں کے جو اثرات سطح زمین پر نمودار ہوں وہ بھی زمین میں شمار ہوتے ہیں +

تعین مقدار زمین

جس قدر چیزیں مفہوم زمین میں داخل سمجھی جاتی ہے ان سب کی عام خصوصیت ممیز یہ ہے کہ ان کی مقدار بڑھانا انسان کے قابو سے باہر ہے خواہ کتنا ہی کوئلہ درکار ہو کان سے تو اسی قدر نکل سکے گا جتنا کہ قدرت نے اس میں پیدا کردیا ہے کاشتکار کو خواہ کتنی ہی بارش اور دھوپ کی ضرورت ہو جس قدر قدرت اس کو عطا کرتی ہے اسی پہ اس کو قناعت کرنی پڑتی

باب دوم
فصل (۲)

ہے۔ اسی وسعت مفہوم کی بنا پر بعض معاشئین زمین کے بجائے قدرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن عام طور پر لفظ زمین ہی مستعمل ہے اور یہی زیادہ سہل بھی ہے۔ عام استعمال میں لفظ قدرت سے بھی اور کئی معنی مراد ہوتے ہیں۔ حالانکہ زمین کے صرف ایک ہی معنی ہیں۔ البتہ اس قدر یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس کے معاشی مفہوم میں اول وہ چیزیں بھی داخل ہیں جو زیر سطح ہیں۔ مثلاً معدنیات دوم وہ اثرات جو اس پر ہوا روشنی جیسی بالائی چیزوں سے نمودار ہوتے ہیں ؂

موقع محل کی اہمیت

زمین کی مقدار محدود ہے مثلاً سلطنت ہند کا رقبہ پندرہ لاکھ میل مربع ہے۔ اب اس کی وسعت بڑھانی اسوقت تک ممکن نہیں جبتک کہ کسی متصل ملک سے کچھ زمین لیکر اس میں شریک نہ کی جائے اول تو زمین کی مقدار محدود ہے اس پر طرہ یہ کہ وہ سب کی سب ہر ایک کام کے واسطے یکساں مفید اور کارآمد نہیں نیتجہ یہ ہے کہ کاروباری لوگوں کو زمین کی نہ صرف ایک خاص مقدار مطلوب ہوتی ہے بلکہ اراضی مطلوبہ کا ایک خاص موقع پر واقع ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً دستکار ایسی دکان تلاش کرتا ہے جہاں اُس کو مصنوعات کے واسطے خام پیداوار بھی بآسانی دستیاب ہوسکے اور اس کا مال بھی فروخت ہوتا رہے۔ بالفاظ دیگر وہ اپنی دکان شہر میں کھولتا ہے نہ کہ جنگل میں یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر۔ گویا دکان کے واسطے موقع خاص طور پر قابلِ لحاظ ہوتا ہے۔ یہی حال بڑے بڑے کارخانوں کا ہے جہاں خام

باب دوم
فصل (۲)

پیداوار اور ایندھن لائے اور خریداروں کے پاس مال روانہ کرنے میں سہولت نظر آتی ہے۔ وہیں پر بالعموم کارخانے جاری کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آجکل ہندوستان میں کارخانے یا تو بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے پر قائم ہونے چاہئیں جن میں کشتیاں چل سکیں یا ریلوے اسٹیشن کے قرب و جوار میں۔ علاوہ ازیں پانی بھی بآسانی مہیا ہونا چاہئے۔ اور آبادی بھی قریب ہی ہو تا کہ کافی مزدور بلا دقت مل جائیں۔ اسی طرح جب ریل نکالی جاتی ہے تو شہروں کے درمیان جو زمین حائل ہے ریل کے واسطے وہی کارآمد ہے باقی تمام دنیا کی زمین سے کچھ مطلب نہیں معدنیات کو لو۔ کانوں میں ان کے دستیاب ہونے سے کیا فائدہ اگر وہاں سے ایسے مقامات تک ذرائع آمد و رفت نہ ہوں جہاں ان سے احتیاجات پوری ہوں اور جہاں لوگ ان کے خواہاں ہوں۔ اکثر معدنیات صدیوں دبی پڑی رہتی ہیں اسوقت تک ان کو کوئی پوچھتا بھی نہیں جبتک ان کے ارد گرد ریل نہ نکل جائے جو ان کو ملک میں پھیلا سکے کاشتکاروں کو بھی زمین کے عمدہ موقع کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی اور کاروباری طبقوں کو ہوتی ہے لیکن ان کی ضروریات مخصوص قسم کی ہیں اور صناعوں اور دستکاروں کی ضروریات سے جداگانہ طور پہ وہ بیان ہوں تو بہتر ہے۔

زرعی زمین کے قطع نظر کاروبار کے واسطے کسی زمین کا موزوں ہونا دو باتوں پہ منحصر ہے۔ اول اس کا موقع۔ دوم گرد و نواح میں

باب دوم فصل (۶)

اس کے ذرائع آمد و رفت کی رسائی جب کوئی خطۂ زمین کسی کاروبار کے واسطے خاص طور پر موزوں ہو اور جس قدر لوگ اس کے خواہاں ہوں ان سب کے واسطے اس کا رقبہ ناکافی ہو تو وہ ان لوگوں کو کرایہ پر دی جاتی یا ان کے ہاتھ فروخت کردی جاتی ہے جو سب سے زیادہ کرایہ یا قیمت پیش کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قصبوں اور شہروں میں زمین بیش قیمت ہوتی ہے۔ وہاں اس کا رقبہ اس قدر کم ہوتا ہے کہ ایکڑ کے بجائے گزوں کے حساب سے پیمائش کی جاتی ہے ؛

زراعت کے سوا پیدائش دولت کے باقی شعبے اکثر شہر اور قصبوں میں قائم ہوتے ہیں۔ یعنی جہاں رقبہ کم و بیش محدود ہو اور مکانات قریب قریب بنے ہوں ہندوستان کے چند بڑے بڑے شہروں کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ زمین کا موقع محل اور اسکے ذرائع آمد و رفت کیسی اہم اور نتیجہ خیز چیزیں ہیں چنانچہ ہم دہلی۔ قنوج۔ کانپور، کالپی، مرشدآباد اور کلکتہ کی سرگذشت مختصراً بیان کرتے ہیں طالب علموں کو اسی طرح اُن شہروں کی تاریخ کا پتہ لگانا چاہیے جن سے وہ واقف ہیں۔ اس تحقیقات میں انکو خود لطف آنے لگے گا۔ "امپیرل گزیٹیر آف انڈیا" میں شہروں کے متعلق ضروری ضروری واقعات درج ہیں اور گذشتہ حالات کی تحقیق میں ان سے بہت مدد مل سکتی ہے ؛

شہروں کا عروج و زوال

ہندوستان کی تاریخ میں جہانتک قدیم ترین زمانہ کا پتہ چلتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی برابر آباد چلی آتی ہے نہ معلوم اول اول لوگ یہاں آکر کیوں بسے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ

باب دوم فصل (۶) یہ مقام دریائے جمنا کے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں پر پانی بھی بافراط موجود تھا اور کشتیوں کا ذریعۂ آمد و رفت بھی ہاتھ آگیا۔ واضح ہو کہ ریل جاری ہونے تک ہندوستان میں کشتیاں تجارت اور سفر کے واسطے بہت زیادہ مستعمل تھیں۔ اس شہر کا موقع بھی کچھ ایسا ہے کہ مسلح فوج عبور دریا پر پورا قابو رکھ سکتی ہے اور جبتک ہندوستان بہت سے خود مختار بادشاہوں میں منقسم تھا۔ مدافعت کے ایسے موقعے بہت قابلِ قدر شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ مہابھارت میں مذکور ہے کہ پانڈوؤں کے عہد حکومت میں دہلی دارالسلطنت تھی اور دنیا بھر میں یہی ہوتا آیا ہے کہ جو مقامات بادشاہوں نے دارالحکومت قرار دئے وہی کاروبار اور پیدائشِ دولت کے مرکز بنگئے۔ وجہ یہ ہے کہ جہاں بادشاہ، ارکینِ سلطنت اور فوجیں رہیں وہیں مال و سامان بکثرت خرید و فروخت ہونے لگا۔ اور صناع و دستکار بھی وہیں آ آکر بس گئے بارھویں صدی عیسوی میں بھی یہ شہر ہندوؤں کا راجدھانی تھا۔ اور جب مسلمانوں نے ہندو راجاؤں کو مغلوب کیا تو انھوں نے بھی اسی کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ مختلف خاندان کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں شہر کا موقع کچھ یوں ہی تبدیل ہوتا رہا مگر اُس کا رتبہ وہی برقرار رہا۔ بحیثیت دارالسلطنت اس کی عظمت اٹھارہویں صدی میں گھٹنی شروع ہوئی اور اُنیسویں صدی تک بالکل ختم ہوگئی۔ لیکن اسی دوران میں قیام امن و امان اور توسیع و اجراے ذرائع آمد و رفت کی بدولت یہ شہر تجارت کا بڑا مرکز بن گیا اور اولوالعزم تاجر یہاں آ آکر آباد ہونے لگے۔ جب ریلیں جاری ہوئیں کار و باری

لوگ جوق جوق یہاں آکر جمع ہو گئے اور دہلی جیسے مشہور شہر میں ایسا ہونا کیا عجب ہے۔ ریلوں کی بدولت جب آمد و رفت میں طرح طرح کی سہولتیں پیدا ہوگئیں تو تجارت کو اور بھی فروغ ہوا اور بعض بعض عالی حوصلہ باشندوں نے جدید قسم کے کار خانے جاری کردئے جہاں طرح طرح کے کام ہونے لگے مثلاً روئی اوٹنا، کپڑا بننا، آٹا پیسنا اور قسم قسم کی چیزیں تیار کرنا۔ چنانچہ اُنیسویں صدی کے آخر میں گو وہاں نہ کوئی بادشاہی دربار تھا نہ فوج نہ کوئی چھاؤنی لیکن اسی تجارت اور صنعت و حرفت کے طفیل سے ایک کثیر آبادی اچھی طرح بسر گزران کرتی تھی اور اب تو وہ پھر ہندوستان کا دارالسلطنہ منتخب ہوا ہے۔ اس کے دن پھرے ہیں۔ تجارت و صنعت کو وہاں جس قدر بھی عروج ہو کم ہے۔

قنوج میں بھی قریب قریب وہی خوبیاں موجود تھیں جو دہلی میں ہیں بالخصوص اس زمانے میں جبکہ دریائے گنگا شہر کے قریب بہتا تھا۔ آج سے نو صدی قبل یہ دونوں شہر یعنی دہلی اور قنوج عظمت میں ایک دوسرے کے ہمپلہ تھے۔ لیکن قنوج پر کچھ ایسا زوال آیا کہ اب تو بہت سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ ہندوستان کے نقشے میں وہ کہاں پر درج ہے۔ جب مسلمانوں نے اس خاندان کو مغلوب کیا جس نے قنوج کو اپنا دارالسلطنہ بنایا تھا تب ہی سے قنوج کا زوال شروع ہوا۔ مسلمانوں نے اس کو دارالسلطنہ تو بنائے رکھا لیکن وہاں پر کبھی شاہی دربار قائم نہ کیا۔ پھر دریائے گنگا نے جو اپنا راستہ بدلا تو اس کی رہی سہی بات بھی جاتی رہی۔ اور کچھ

باب دوم فصل (۶)

عرصے بعد جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریل نکلنے سے شاہراہ تجارت کھلا بھی تو قنوج پھر بھی اس سے دور ہی رہا چنانچہ آج وہ محض ایک چھوٹا سا قصبہ رہ گیا ہے۔ لیکن اس کے گرد و نواح کے کھنڈر اب بھی اسکی گذشتہ عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔ کچھ مشہور صنعتیں ابتک باقی ہیں خصوصاً عطر سازی جو کہ اس زمانے کی یادگار ہے۔ جبکہ قنوج صنعت و حرفت کا ایک بڑا مرکز تھا +

کانپور کوئی قدیم شہر نہیں ہے اٹھارھویں صدی تک وہ ایک چھوٹا سا گانوں تھا لیکن اس نے موقع اچھا پایا ہے گنگا کے کنارے وہ آخری مقام ہے جہانتک بڑی بڑی کشتیاں چل سکتی ہیں۔ گویا اس سے اوپر اوپر گنگا میں وسعت کم ہے۔ بڑی کشتیاں یہیں تک چڑھ سکتی ہیں۔ جوں جوں ترقی تجارت کے ساتھ گنگا پر کشتیوں کی آمد و رفت بڑھی یہ مقام بھی زیادہ زیادہ آباد ہوتا گیا۔ اور انیسویں صدی کے شروع ہی میں وہ فوج کی چھاؤنی بھی قرار پا گیا۔ تجارت تو پہلے ہی قدم جما چکی تھی ریل بھی جاری ہوگئی۔ اب تو تاجروں نے کار وبار پھیلانا شروع کیا۔ کارخانے جاری ہونے لگے اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی حتیٰ کہ آج شمالی ہندوستان کا خاص تجارتی اور صنعتی مرکز بنا ہوا ہے +

کالپی جمنا کے جنوبی کنارے پر واقع ہے لیکن بمقابل کانپور اس کی سرگذشت بہت قدیم ہے۔ مسلمانوں کے زمانے میں وہ ایک حکومتی مرکز تھا اور وہاں ایک مشہور قلعہ بھی تھا اور جب دریائے جمنا شاہراہ تجارت بنا تو وسط ہند کا بیشتر غلہ اور روئی اس مقام

سے کشتیوں پر لدنے لگی اور کچھ عرصے تک وہ ہندوستان میں اول درجے کا بندرگاہ شمار ہوتا رہا۔ لیکن جب ریل نکلی تو دریائی آمد و رفت متروک ہوگئی۔ اور کالپی کی عظمت کا بھی خاتمہ ہوگیا البتہ جب سے کانپور اور جھانسی کے درمیان ریل جاری ہوئی کچھ کچھ تجارت میں جان پڑتی جاتی ہے +

مرشدآباد کو اول اول اٹھارھویں صدی میں عروج ہوا جبکہ غالباً دریائی آمد و رفت کے خیال سے وہ بنگال کا دارالسلطنت قرار پایا تجارت کو بھی وہاں بہت جلد فروغ ہوا۔ حتیٰ کہ اس صدی کے وسط میں وہ لندن جیسا وسیع آباد اور متمول شہر خیال کیا جاتا تھا لیکن اٹھارھویں صدی کے آخر میں اس کا زوال بھی شروع ہوگیا جب دارالسلطنت کلکتہ کو منتقل ہوا تو صنعت و حرفت بھی جو شاہی دربار کی قدردانی سے سرسبز تھیں کس میپرسی کے ہاتھوں تباہ ہوگئیں۔ تجارت بہت گھٹ گئی اور صرف ایک صدی قبل وہاں جس قدر آبادی تھی آج بمشکل اس کا دسواں حصہ باقی ہے +

کلکتہ کی سرگذشت بھی بہت مختصر ہے جس زمانے میں یورپ سے بحری تجارت کا سلسلہ قائم ہو رہا تھا انہیں دنوں اس کی بنا پڑی بحری تجارت کا جو یہ مرکز قرار پایا تو اس کی خاص وجہ تھی۔ کانپور کی طرح گنگا کے کنارے یہ بھی وہ آخری مقام تھا جہاں تک بڑے جہاز آسکتے تھے اس سے آگے بڑھنا ممکن نہ تھا یورپ اور ہندوستان کے درمیان تجارت جوں جوں بڑھی یہاں بھی آبادی اور تمول میں اضافہ ہوا حتیٰ کہ کلکتہ جب تجارتی مرکز بن گیا تو

باب دوم فصل (۲)

دارالسلطنت بھی مرشد آباد سے وہیں منتقل ہوگیا۔ بعدہ وہاں طرح طرح کے کارخانے جاری ہوئے اور اب تجارت وصنعت کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں صرف بمبئی اس کی مد مقابل نظر آتی ہے اور کوئی نہیں۔

ذرائع آمد و رفت اور دیگر قدرتی سہولتوں کی ضرورت

شمالی ہندوستان کے مذکورۂ بالا اور نیز دیگر شہر و قصبات کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ شہر وہاں آباد ہوتے ہیں جہاں عمدہ ذرائع آمد و رفت موجود ہوں۔ قدیم زمانے میں اس شرط کے دوسرے معنی یہ تھے کہ وہ مقام ایسے دریاؤں کے قریب ہو جن میں کشتیاں چل سکیں جب ایسے مقامات پر آبادی شروع ہوئی اور وہاں شاہی دربار اور دارالسلطنۃ قائم ہوئے تو سامانِ خوراک و لباس وغیرہ جیسی ضروریات کی خرید و فروخت بھی زیادہ بڑھی۔ صناع اور تجارت پیشہ لوگ بھی وہاں آ آ کر بسنے لگے اور اسی طرح وہ مختصر دیہات شہر کے شہر بن گئے۔ اس کے برعکس جب شاہی دربار یا دارالسلطنت منتقل ہوا۔ تو بہت سے شہروں کی شان وعظمت بھی رخصت ہوگئی۔ جو کام کسی زمانے میں دریاؤں سے نکلتا تھا اب وہ ریلوں سے نکلتا ہے۔ یعنی اب ریلیں تجارت وسفر کیواسطے ذرائع آمد و رفت بنی ہوئی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب نئے نئے شہر کنار دریا کے بجائے ریلوے لائن کے قرب و جوار میں رونق پارہے ہیں کسی زمانے میں صناع اور دستکار بطور خود کام کیا کرتے تھے۔ ملازمت کا رواج نہ تھا۔ جہاں جس قدر مال کی کھپت ہوتی تھی اُتنے ہی کاریگر وہاں رہنے لگتے تھے۔

یعنی ان کی آبادی مقامی منڈی یا بازار کی وسعت پر منحصر تھی۔ صناع اور دستکار شاہی دربار کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ وہاں چیزیں بکثرت خریدی جاتی تھیں اور کچھ یہ کہ اس کے قرب و جوار میں امن و امان خوب برقرار رہتا تھا۔ چنانچہ جہاں کوئی شاہی دربار منتقل ہوا صناع بھی اس کے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ لیکن اب وہ پہلی سی حالت نہیں رہی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑے بڑے کارخانے جنکی عمارات اس قدر بیش قیمت ہوں اور جن میں نہایت قیمتی اور گرانبار کلیں لگی ہوں یوں جگہ جگہ منتقل ہوا کریں۔ کسی مرکز میں صنعت و حرفت جاری کرنا اب بمقابل سابق زیادہ دشوار نہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اور اب محض دارالسلطنت بدلنے سے کاروبار پر کوئی زوال نہیں آسکتا۔ چنانچہ کلکتہ کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ آجکل کارخانے ایسی جگہ جاری ہوتے ہیں جہاں مزدور بافراط دستیاب ہوسکیں۔ اور جب لوگ کاروبار سے لگجاتے ہیں تو وہ اپنے کارخانوں کے ساتھ رہتے ہیں اور مثل سابق شاہی دربار یا دارالسلطنت کے پیچھے پیچھے نہیں پھرتے نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی نیا قصبہ جدید قسم کی صنعت و حرفت کے طفیل سے متمول اور آباد ہو تو اس کی رونق اور ترقی زیادہ دیرپا ہوگی بمقابل ان شہروں کے جو قدیم شہروں کے مانند اب بھی بادشاہوں اور حکام کی سرپرستی اور عنایت کے

باب دوم
فصل (۶)
کاروباری
اولعزمی
کی ضرورت

محتاج ہوں +
لیکن یہ خیال بھی صحیح نہ ہوگا کہ بس جہاں ذرائع آمد و رفت اور دیگر قدرتی سہولتیں موجود ہوں وہیں قصبہ آباد ہو جائے گا گنگا اور جمنا کے کنارے بکثرت ایسے مواقع موجود ہیں۔ جہاں کسی زمانے میں بھی آبادی کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ریلوے لائن کے اطراف و جوانب میں کتنی زمین پڑی ہوئی ہے مگر وہاں قصبے بسنے کے کوئی آثار نہیں۔ اور نیز بہت سی بستیاں موجود ہیں جن کی ترقی کی کوئی امید نہیں معلوم ہوتی۔ آبادی شروع ہونے یا بڑھنے کا بہت کچھ دار و مدار ایسے لوگوں پر ہے جن میں نئی تجارت کو جاری کرنے اور ترقی دینے کا حوصلہ موجود ہو تاجر اور صناع کا ظہور یہ ایک ایسا مبحث ہے کہ طالب علم کچھ معاشی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس پر توجہ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر بھی اتنا تو ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ شہروں کی آبادی اور ترقی کا یہ لوگ بھی ایک خاص ذریعہ ہیں تجارت اور صنعت ہی کی خاطر تو لوگ کسی خاص شہر یا قصبے میں آکر رہتے ہیں اور چپہ چپہ زمین کے واسطے آپس میں کیسی کیسی کشمکش کرتے ہیں مکانات کے کرایے اور قیمتیں بڑھاتے ہیں چنانچہ آجکل سب شہروں میں یہی کیفیت نظر آرہی ہے +

باب دوم
فصل (۷)

فصل سات

زرعی زمین

زمین کا موقع
اور زرخیزی

پچھلی فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ تاجر ہوں۔ صناع ہوں یا دستکار یہ سب زمین کے خواہاں تو بہت ہیں لیکن یہ نہیں کہ جو زمین دستیاب ہو اس کو لے لیں بلکہ ان کو صرف وہی قطعات مطلوب ہوتے ہیں جہاں رہکر وہ بحسن و خوبی اپنا کار و بار چلا سکیں۔ یہی حال کاشتکار کا بھی ہے لیکن اس کو موقع کے علاوہ زمین کے دیگر خواص یعنی زرخیزی وغیرہ کا بھی خیال ہوتا ہے۔ حالانکہ قصبے والوں کو موقع کے سوا اگر کوئی خوبی درکار ہے تو یہ کہ زمین کا ڈھال اچھا ہو تاکہ پانی جمع نہ ہو اور زمین خشک اور صاف رہے۔ گویا قصبوں میں تو موقع محل ہی خاص طور پر قابلِ لحاظ ہوتا ہے۔ البتہ دیہات میں موقع کے علاوہ زمین میں دوسری خوبیاں بھی مطلوب ہوتی ہیں۔ کاشتکاروں کو جو زمین کے موقع محل کا خیال ہوتا ہے اس کا ایک باعث تو یہ ہے کہ وہ بازار کے قریب رہنا چاہتے ہیں تاکہ زرعی پیداوار بہ سہولت فروخت کر سکیں۔ شہروں کے گرد و نواح میں ترکاریاں بکثرت کاشت ہوتی ہیں جن سے

باب دوم فصل (۲)

بمقابل غلے کے کہیں زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ شہروں سے دور دراز مقامات پر ان کی کاشت اس وجہ سے لاحاصل ہے کہ وہاں ان کا کوئی خریدار نہیں اور انکا شہر تک لانا یا تو بہت بیش خرچ ہے یا وقت طلب یہی وجہ ہے کہ شہر کے قرب و جوار میں زرعی زمین کی بہت زیادہ قدر ہوتی ہے اسکے واسطے کاشتکاروں کے باہم کیسی کشمکش رہتی ہے کہ دور افتادہ زمین کے مقابل اس کے لئے دس دس گنا لگان بخوشی ادا کرتے ہیں علاوہ براں دیہات میں بھی زمین کا موقع اکثر قابل لحاظ ہوتا ہے مثلاً کچھ قطعات ایسے ہوں جن کی نالے جھیل یا دریا سے آب پاشی ہوسکے تو قدرتاً ان کی قدر خاکی زمینوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ قریب کے کھیتوں کو کھاد دینے میں بھی سہولت ہوتی ہے بلکہ کوڑا کرکٹ جمع ہونے سے وہ خود ہی زرخیز بن جاتے ہیں دور افتادہ کھیتوں کے مقابل آس پاس کے کھیت کاشت کے واسطے زیادہ موزوں ہیں اور اسی وجہ سے لوگ ان کے بہت خواہشمند ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ موقع اگرچہ کاشتکار کے نزدیک بھی قابل لحاظ ہے لیکن موقع ہی کو سب کچھ نہ سمجھنا چاہیئے جبتک زمین قابل کاشت نہ ہو۔ کاشتکار اس کو کیوں لینے لگا۔ البتہ قدرتی زرخیزی جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اس کا زیادہ خواہشمند ہوگا ہندوستان کا بہت زیادہ رقبہ ناقابل کاشت ہے۔ پہاڑوں کے سلسلوں میں یا تو زمین بہت زیادہ پتھریلی ہے یا اس قدر اونچی نیچی ہے کہ وہاں کوئی کھیتی

ہو نہیں سکتی۔ میدانوں میں بھی بہت کچھ زمین بیکار ہے۔ یا تو وہ بہت سخت چکنی مٹّی ہے یا نری ریت اور بالو۔ پس ایسی زمین سے زمیندار کو کچھ لگان وصول نہیں ہوسکتا البتہ جو زمینیں کھیتی کے قابل ہیں ان کو لینے کے واسطے کاشتکار ہر جگہ تیار ہیں لیکن پھر بھی زرخیزی کے مطابق زمین زمین کے لگان میں بہت فرق پڑجاتا ہے۔ فنِ زراعت مطالعہ کرنے سے لفظ زرخیزی کے معنی بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں یہاں پر طالبِ علم کو اس قدر بتانا کافی ہے کہ کھیت کی پیداوار کی مقدار بیشتر اس کی زرخیزی پر منحصر ہے۔ پودوں کے واسطے جو غذا درکار ہے بعض کھیتوں میں کم ہوتی ہے اور بعض میں کافی۔ اسی طرح بعض کھیتوں میں پانی بافراط مِل سکتا ہے اور بعض میں نہیں اور اسی قسم کے فرق مِل جُل کر کسی کھیت کو زیادہ زرخیز بنادیتے ہیں اور کسی کو کم + کسی گانوں میں طریق کاشت بغور دیکھو تو معلوم ہوگا کہ مختلف فصلوں کے واسطے یکساں زرخیز زمینوں پر جس قدر کوشش درکار ہے اس کے جداگانہ معیار مانے جاتے ہیں معیار سے کوشش کی کوئی ایسی معین مقدار مراد نہیں کہ کوئی کاشتکار اس میں کمی بیشی کرہی نہ سکے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض کاشتکار کھیت کی تیاری میں زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ اور بعض مقابلتہً کم۔ تاہم اندازہ ہوسکتا ہے کہ بالعموم کس قدر کوشش کسی فصل کی تیاری کے واسطے موزوں اور مفید خیال کی جاتی ہے۔ بہت سے مقامات ہیں جہاں گیہوں کے واسطے تقریباً آٹھ مرتبہ کھیت

باب دوم
فصل (۲)

جوتنا۔ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور جو کے واسطے صرف دو تین مرتبہ جوتنا۔ حالانکہ ایکھ کے واسطے بیس جوت درکار ہوں تو عجب نہیں تجربے سے کسان کو بخوبی معلوم ہے کہ چار جوت کے مقابل آٹھ جوت سے کھیت میں گیہوں کی پیداوار زیادہ ہوگی اور اسی میں اس کا فائدہ ہے۔ اگر اس سے سوال کیا جائے کہ آیا بارہ جوت سے بمقابل آٹھ کے پیداوار زیادہ ہوگی تو وہ جواب اثبات میں دے گا لیکن غالباً وہ یہ بات تسلیم نہ کرے گا کہ اس کو آٹھ جوت کے مقابل بارہ جوت میں زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔ واضح ہو کہ کوشش کے مروجہ معیار نسلہا نسل کے تجربوں سے قرار پائے ہیں اور ان سے فنِ زراعت کے ایک نہایت اہم اور قابل لحاظ قانون کا پتہ چلتا ہے جسکو اصطلاحاً قانون تقلیل حاصل کہتے ہیں اس قانون کا اصلی تعلق تو فنِ زراعت سے ہے لیکن معاشیات میں بھی وہ بہت قابل توجہ مانا جاتا ہے۔ اور طلبا کو چاہئے کہ اسے اچھی طرح پر سمجھیں۔ اگرچہ فنِ زراعت جانے بغیر یہ سمجھنا دشوار ہے کہ اس قانون کی بنا کیا ہے ؛

قانون تقلیل حاصل

حاصل کلام یہ کہ مدتوں کے تجربے سے کاشتکاروں کو تحقیق ہوگیا کہ کسی فصل کی تیاری میں کسی کھیت پر ایک حد معین سے زیادہ کوشش کرنی فائدہ مند نہیں۔ زیادہ کوشش کرنے سے مقدار پیداوار تو بڑھنی ممکن ہے۔ لیکن یہ بھی اغلب ہے کہ جدید اضافہ اس مزید کوشش کا کافی صلہ ثابت نہوگا

باب دوم
فصل (۱)

اسی طرح تجربے سے ان کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آبپاشی کی بھی ایک حد ہے کھاد لگانے اور نرانے کی بھی ایک حد ہے اگر اس حد سے تجاوز کیا جائے تو بجائے نفع کے نقصان ہوگا یعنی یہ تو ممکن ہے کہ ان ترکیبوں کو زیادہ زیادہ برتنے سے پیداوار بھی بڑھتی جائے۔ لیکن بالآخر ایک ایسی حد آئے گی کہ اس سے گذرنے کے بعد مزید پیداوار جدید مصارف سے قدروقیمت میں کم رہے گی اور زیادہ ہونے کا تو ذکر کیا ہے۔ مثال سے یہ بات زیادہ واضح ہوگی۔ فرض کرو کہ کسی کھیت کو آٹھ مرتبہ جوتیں اور تین مرتبہ پانی دیں تو فی ایکڑ پندرہ من گیہوں پیدا ہوں۔ اب فرض کرو وہی کھیت آٹھ کے بجائے سولہ مرتبہ جوتا جائے تو سولہ من فی ایکڑ غلہ پیدا ہونے لگے۔ گویا مزید آٹھ جوت کے معاوضہ میں اس کو ایک من فی ایکڑ زیادہ پیداوار حاصل ہو۔ کیا اس حالت میں اس کو کچھ فائدہ ہوگا اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اگر ایک جوت کی لاگت ۵ سیر غلہ سے کم ہے تو اس کو یقیناً نفع ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں مزید صرفہ ایک من فی ایکڑ سے کم ہوگا اور زائد پیداوار پوری ایک من اور اگر جوت کے مصارف ۵ سیر فی ایکڑ سے زیادہ پڑیں تو نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔ یعنی کاشتکار کو جدید آٹھ جوت سے بجائے نفع کے نقصان ہوگا۔ جدید مصارف مزید پیداوار سے بڑھ جاویں گے اسی طرح اگر تین کے بجائے چار مرتبہ پانی دینے سے ایک من فی ایکڑ پیداوار بڑھ جاوے تو نفع

باب دوم فصل (۷) نقصان کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ آیا چوتھے پانی کی لاگت ایک من فی ایکڑ ہے یا زیادہ۔ مصارف اور پیداوار کا باہمی مقابلہ یوں ہی کر کر کے لوگوں نے تجربے سے اُس کوشش کے معیار مقرر کرلئے ہیں جو فصل کی تیاری میں صرف کرنی چاہئے کاشتکاروں کو معلوم ہے کہ فصل کی تیاری میں زیادہ کوشش کرنے سے پیداوار بڑھتی تو ضرور ہے۔ لیکن کوشش کرتے کرتے ایک ایسی حد آتی ہے کہ اس کے بعد جو کوشش کی جاوے۔ تو مزید پیداوار اس کے برابر نہیں ہوتی بلکہ کم رہتی ہے۔ کل ہندوستان میں کاشتکار اس حد تک فصل کی تیاری میں کوشش نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جہاں آبادی کم ہے اور زمین کے واسطے کچھ کشمکش نہیں ہے وہاں تو کاشتکار قانون تقلیل حاصل کی حد سے ورے ہی کوشش ختم کردیتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کوشش بڑھانے سے آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا البتہ شمالی ہندوستان کے میدانی علاقوں میں جہاں آبادی بہت گنجان ہے اکثر کاشتکار کوشش اس حد تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اس حد سے تجاوز کرنے کا نتیجہ ان کے حق میں بھی بجائے نفع کے نقصان ہوگا اور ہر جگہ کچھ ایسے پست ہمت کاشتکار بھی موجود ہیں جو چاہیں تو زیادہ کوشش کر کے اپنی آمدنی بڑھا سکتے ہیں +

یہی واقعہ کہ جسقدر کوشش سے فائدہ پہنچے اس کی بھی ایک حد ہے ایک اور طرح پر ظاہر ہے۔ جب کوئی کاشتکار خوش حال ہوتا ہے تو وہ فصل کی تیاری میں زیادہ کوشش بھی کرسکتا

باب دوم فصل (۲)

ہے زیادہ کھاد اور پانی لگاسکتا ہے۔لیکن بجائے اس کے کہ وہ اسی سابق کھیت پر اپنی تامتر کوشش صرف کرے وہ نئے نئے کھیتوں کا متلاشی ہوتا ہے۔اگر یہ ممکن ہوتاکہ وہ اسی ایک کھیت میں زیادہ کوشش کرتا زیادہ کھاد ڈالتا اور پانی دیتا اور اسی حساب سے پیداوار میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تو وہ اپنی کل کوشش اور روپیہ اسی ایک کھیت پر صرف کرتا اور نئے نئے کھیت لیکر ان کے لگان سے زیر بار ہونا کیوں گوارا کرتا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاں اسکے پاس سامان زراعت بڑھا اور اس نے نئے کھیت تلاش کئے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کو اچھی طرح پر معلوم ہے کہ سابق کھیت پر زیادہ کوشش اور روپیہ صرف کرنے سے پیداوار میں کافی اضافہ کی گنجائش باقی نہیں ہے *

مارشل صاحب نے قانون تقلیل حاصل کو اس طرح پر بیان کیا ہے۔کہ کسی کھیت کی کاشت میں اگر زیادہ محنت اور اصل صرف کیا جاوے تو بالعموم پیداوار میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ مقابلۃً کم ہوتا ہے اسی قدر محنت اور اصل کی سابق پیداوار سے بشرطیکہ فن زراعت میں کوئی جدید ترقی نمودار نہ ہوئی ہو۔

(منجانب مترجم گزارش ہے کہ مارشل صاحب کے مندرجۂ بالا بیان سے اس قانون کا اصل مفہوم واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ مورلینڈ صاحب نے اوپر جو بحث کی ہے اس میں اس قانون کو کاشت مختتم سے مخلوط کردیا ہے جوکہ بالکل جداگانہ چیز ہے۔یہاں پر اس پیچیدگی کی تفصیلی بحث بے محل اور قبل

باب دوم فصل ۲،۱

از وقت ہوگی صرف اشارہ کافی ہے۔جب طالب علم کاشت مختتم کے معنوں سے واقف ہوگا تو قانون مذکور کے بیان میں مورلینڈ صاحب نے جو خامی چھوڑی ہے وہ خود نمایاں ہوجاوے گی) خیر مورلینڈ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ معاشیات کا یہ سب سے پہلا اہم قانون ہے اور لفظ قانون کا معاشی مفہوم فصل اول میں بیان ہوچکا ہے۔ قانون محض ایک نتیجہ ہے جو تجربے سے تحقیق ہوگیا ہو اور ہمکو معلوم ہے کہ یہ قانون کس قسم کے تجربہ پر مبنی ہے اگر پیداوار میں مصارف کے ساتھ ساتھ یکساں نسبت سے اضافہ ہوتا تو پھر کسی کھیت پر محنت اور اصل صرف کرنے کی کوئی حد ہی نہ ہوتی لوگ اسی ایک کھیت میں بیش از بیش لاگت لگاتے اور اس کے حساب سے زیادہ زیادہ پیداوار پاتے۔لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ پیداوار کا اضافہ ہمیشہ اضافہ مصارف کا ساتھ نہیں دےسکتا کبھی نہ کبھی کاشتکار کوشش کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے آگے بڑھنے کا نتیجہ سوائے نقصان کے کچھ نہیں +

قانون تقلیل حاصل کے دو شرائط

مذکورہ بالا قانون دو شرائط کا خاص طور پر پابند ہے۔ پہلی شرط تو لفظ **بالعموم** میں مضمر ہے۔ یہ لفظ یا اسی کے مرادف الفاظ ہر معاشی قانون کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔مطلب یہ ہے۔ کہ ہر قانون میں مستثنیات بھی داخل ہیں جو کہ خاص خاص حالتوں میں نمودار ہوتی ہیں اور ہمارا روز مرہ کا تجربہ بھی یہی ہے کہ کبھی خلاف توقع بھی واقعات ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ قوانین کے بعض مستثنیات بہت دلچسپ ہوتے ہیں کچھ معاشیات جاننے

باب دوم
فصل (۷)

کے بعد ان کے مطالعہ کا موقع آئے گا۔ سردست اس قدر جاننا کافی ہے کہ گو بالعموم یہ قانون صحیح اور درست ہے۔ لیکن ہر ایک کاشتکار اور ہر ایک کھیت پر اس کا منطبق ہونا لازمی نہیں ؛

دوسری شرط کا منشاء یہ ہے کہ اس قانون کا عملدرآمد اُن زمانوں سے مخصوص ہے کہ جن کے دوران میں فنِ زراعت میں کوئی قابل لحاظ اور اہم تبدیلیاں پیدا نہ ہوئی ہوں۔ اس شرط کی ضرورت اس وجہ سے لاحق ہوئی کہ اگر فن زراعت میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا ہو جائے تو مصارف اور پیداوار کی باہمی نسبت بالکل تبدیل ہو جانی ممکن ہے شاید ایسی تبدیلی کے بعد زیادہ صرف کرنا کاشتکار کے حق میں مفید ثابت ہو یا مضر۔ لیکن جبکہ تبدیلی ظہور پذیر ہوچکی تو قانون پھر بحال ہو جاتا ہے۔ یعنی بطریق نو اس کا عملدرآمد شروع ہو جاتا ہے۔ فائدہ مند مصارف کی مقدار بدل جاتی ہے۔ لیکن ایک ایسی حد پھر بھی قائم رہتی ہے کہ اس کے آگے مصارف باعث نقصان ثابت ہوتے ہیں۔ فرض کرو کہ شمالی ہندوستان میں نئے قسم کے ہل استعمال کئے جائیں اور ان کی چار جوت پُرانے قسم کے ہلوں کی آٹھ جوت کے برابر کارآمد ہوں ایسی حالت میں ممکن ہے کہ زمین کو چھ مرتبہ جوتنا زیادہ مفید ثابت ہو۔ گویا پرانے ہلوں کی آٹھ جوت سب سے زیادہ فائدہ مند تھیں اور نئے ہلوں کی چھ جوت۔ صرف مصارف کی مقدار بدل گئی۔ لیکن حد اب بھی قائم رہی۔ چھ سے زیادہ جوت اب بھی ایسی ہی باعث نقصان ثابت ہونگی جیسے کہ آٹھ سے زیادہ

باب دوم
فصل (۲)

پہلے ثابت ہوئیں۔

ہر دو مذکورہ بالا شرائط کے لحاظ سے یہ قانون بالکل درست ہے۔ اور ہندوستان۔ انگلستان اور فرانس وغیرہ سب ممالک کے کاشتکاروں کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔ زرعی زمین کے متعلق یہ نہایت اہم اور نتیجہ خیز قانون ہے یہاں پر تو صرف اس کا بیان مقصود تھا۔ لیکن آگے چل کر اس سے ایک خاص کام لیا جاویگا یعنی یہی قانون مسئلہ لگان کا سنگ بنیاد بنے گا +

باب دوم
فصل (۸)

فصل آٹھ

محنت

محنت کی ماہیت

پیدائش دولت کا دوسرا عامل **محنت** کہلاتا ہے۔ انسان جتنے کام کرتا ہے وہ سب محنت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ البتہ جانوروں کے کام اس سے خارج ہیں۔ واضح ہو کہ بعض انسانی افعال ایسے بھی ہیں جن سے دولت پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسی بنا پر چند معاشیین نے نہایت اہتمام سے پیدا آور اور غیر پیدا آور محنت کی تفریق نکالی ہے۔ لیکن اس تفریق کا دار و مدار بیشتر لفظ دولت کے مفہوم پر ہے اور بالخصوص اُن چیزوں سے متعلق ہے جن کے دولت ہونے نہ ہونے میں شک اور اختلاف ہے۔ یہاں پر اس تفریق کی بحث چھیڑنی بے محل ہے۔ اول طالب علم کچھ معاشیات پڑھ لیں تب وہ اس تفریق کو بہتر سمجھ سکیں گے۔ لفظ محنت سے مراد کبھی تو کام ہوتا ہے۔ اور کبھی خود کام کرنے والا یعنی مزدور طالبعلم کو چاہئے کہ دونوں معنی پیش نظر رکھے۔ کیونکہ کام کرنے والوں سے کام جدا کرنا ممکن نہیں +

جو کام لوگ کرتے ہیں ان کی بے شمار قسمیں ہیں۔ کام کچھ تو جسم کے پٹھوں کی مدد سے انجام پاتے ہیں۔ اور کچھ دماغی قوتوں سے

باب دوم
فصل (۸)

لیکن اس بنا پر کام کی تفریق کرنی محال ہے۔ کیونکہ بالعموم لوگ کام کرنے میں پٹھوں اور دماغ دونوں سے مدد لیتے ہیں اور وہ کام دونوں کے اتفاق عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو قلی یا مزدور ہے جو بوجھ اُٹھاتا ہے اور جس کو اپنے دماغ سے بہت کم مدد لینی پڑتی ہے اور دوسری طرف طبیب اور وکیل جیسے لوگ ہیں جو اپنا کل کام دماغ سے لیتے ہیں اور اپنے پیشے کے کام میں ان کو پٹھوں سے مدد لینے کی شاید کبھی ضرورت پڑتی ہو۔ ان ہردو انتہائی طبقوں کے بین بین اور بہت سے گروہ ہیں جو جسمانی پٹھوں اور دماغی قوتوں سے ایک ہی ساتھ بمدارج مختلف اپنے کام میں مدد لیتے ہیں مثلاً کاشتکار، دستکار اور نقل نویس جن کا کام بیشتر ہاتھ سے سرانجام پاتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ محنت کے مضمون کا مطالعہ شروع کرتے وقت ہم اول ایسے شخص کی مثال لیں جو اپنا کام پٹھوں کی مدد سے سرانجام دیتا ہو مثلاً مزدور اور خدمتگار +

ترغیب کی ضرورت

مزدوروں کی کسی گانوں یا قصبے میں کمی نہیں۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر مزدور کام کرتا کیوں ہے؟ وجہ صاف ظاہر ہے۔ اس کو کھانے کپڑے کی ضرورت ہے اور محنت کی جو اجرت ملتی ہے اس سے وہ ضروریات خریدتا ہے۔ گویا مزدور اس لئے محنت کرتا ہے کہ کچھ دولت اس کے ہاتھ آئے جسے صرف کرکے وہ اپنے احتیاجات پورے کرے۔ یہ سچ ہے کہ پٹھوں سے کام لینے میں انسان کو ایک لطف بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ لوگ ورزش کرتے ہیں۔ کرکٹ، ہاکی، فٹبال

باب دوم
فصل (۸)

جیسے کھیل کھیلتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ملیں گے جو بطور شوق و تفریح معمولی مزدوروں کا سا کام کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسے لوگوں کی تعداد یورپ کے مقابلے میں یہاں کم پائی جاتی ہے مثلاً باغوں میں کیاری کھودنا، پودے لگانا، لکڑی چیرنا۔ معمولی مزدوروں کو بھی اپنا کام عمدہ طور پر کرنے میں ایسا ہی مزہ آتا ہے جیسے کہ کرکٹ میں اچھا ہوا ہٹ لگنے یا فٹ بال ہاکی میں گیند پر عمدہ زد پڑنے سے کھلاڑی کو لطف محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ بالعموم مزدور محض کام کے لطف کی خاطر محنت نہیں کرتا گو ضمناً اس کو لطف بھی محسوس ہو۔ چنانچہ جب کبھی اس کو کام نہیں ملتا تو وہ خالی لطف کے واسطے محنت نہیں کرتا بلکہ بیکار بیٹھا رہتا ہے۔ عام طور پر مزدور کو کام نا خوش گوار معلوم ہوتا ہے مفت میں وہ کبھی کام کرنا گوارا نہ کرے گا۔ بلکہ کافی اجرت کا لالچ دیکر اس سے کام لینا پڑتا ہے۔ مزدور کو جس قدر اجرت ملتی ہے اُس کا کیا سبب ہے۔ یہ ایک غور طلب سوال ہے جس پر ہم آئندہ بحث کریں گے سردست یہ بتانا مقصود ہے کہ لوگ مفت بیگار میں کام کرکے نہیں دیتے بلکہ اجرت کے لالچ سے ان کو محنت کرنے پر رضامند کرنا پڑتا ہے +

مزدور کی طرح یہی حال کاشتکار اور دستکار کا بھی ہے جبتک ان کو کچھ معاوضہ ملنے کی امید نہ ہو وہ کام کو ہاتھ نہیں لگاتے البتہ اس قدر فرق ہے کہ مزدور کو روزانہ یا ماہانہ اجرت ملجاتی ہے اور کاشتکار و دستکار اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں سے

باب دوم
فصل (۸)

اپنا حصہ نکالتے ہیں۔ مثلاً کاشتکار خوب سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنے کھیت کو اچھی طرح پر نہ جوتے، نہ پانی دے اور کام کا وقت بیکار گنوادے تو کچھ ماہ بعد جب فصل کاٹنے کا وقت آئے گا تو کچھ بھی پیداوار اس کے پلے نہ پڑے گی۔ یا پڑی بھی تو بہت کم۔ اسی آئندہ پیداوار کی امید پر وہ مہینوں پہلے سے کھیت میں جان مارتا ہے گویا کاشتکار کو مزدور کے مقابلے میں معاوضے کا زیادہ عرصے تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مزدور کو تو روز کے روز یا ماہ بماہ اجرت مل جاتی ہے۔ لیکن کاشتکار کئی ماہ بعد فصل تیار ہونے پر اپنی محنت کا صلہ پاتا ہے۔ علاوہ بریں بالعموم کاشتکار مزدور سے محنت بھی زیادہ کرتا ہے اسی طرح دستکار جانتا ہے اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے تو پھر مصنوعات کیونکر فروخت کرے گا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے سامان کی قیمت کے لالچ ہی سے محنت کرتا ہے۔ اسی قیمت سے بعد کو کھانے پینے اور اپنے آرام کا سامان خریدتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ترغیب کی شکلیں تو مختلف ہوتی ہیں مزدور کے لئے اجرت کاشتکار کے لئے فصل کی پیداوار اور دستکار کے حق میں قیمت مصنوعات۔ لیکن بلا ترغیب بلا معاوضہ محض لطف کی خاطر کوئی بھی کام نہیں کرتا۔ بالعموم محنت ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے اور لوگ اپنی ضروریات حاصل کرنے کی غرض سے محنت کی دشواری برداشت کرتے ہیں:-

مزدوروں کی تعداد اور کارکردگی کا تعلق

اب فرض کرو کہ دیگر عاملین پیدائش یعنی زمین اور اصل کی مقدار میں کمی بیشی نہ ہو وہ معین رہے تو پیدائش دولت کا بیشتر انحصار

باب دوم فصل (۸)

مزدوروں کی تعداد پر ہوگا۔ جہاں مزدور جس قدر زیادہ کثرت سے مصروف کار ہوں گے وہاں اتنی ہی زیادہ دولت پیدا ہوگی۔ لیکن اس نتیجے کے ضمن میں ایک نکتہ بطور استثنےٰ کے قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ محنت بھی مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ اعلیٰ، ادنیٰ، مہارت طلب، غیر مہارت طلب، سہل، دشوار، اب اگر چند مہارت یافتہ مزدور اعلیٰ قسم کا کام خوب محنت سے کریں تو وہ غیر مہارت یافتہ اور کاہل مزدوروں کی بڑی جماعت سے کہیں زیادہ دولت پیدا کرسکتے ہیں۔ گویا محنت کو عامل پیدائش تصور کرتے وقت نہ صرف مزدوروں کی تعداد بلکہ ان کی کارگزاری بھی قابل لحاظ ہے یعنی وہ کس قسم کا کام کس کوشش سے کرتے ہیں اول ہمکو تعداد کے پہلو پر نظر ڈالنی چاہئے چنانچہ ذیل میں اوّل آبادی کا مسئلہ بیان کرتے ہیں کیونکہ لوگوں کی جماعت کثیر ہر جگہ قوت بازو سے روزی کماتی ہے۔

آبادی پر اثر ڈالنے والے اسباب

ہر زمانے میں آبادی کی کمی بیشی مختلف اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض کا اثر تو انسان کی شرح پیدائش پر پڑتا ہے بعض کا شرح اموات پر اور بعض اسباب کا توطن پر۔ شرح پیدائش سے یہ مراد ہے کہ کس جماعت میں سال بھر کے اندر کس قدر بچے پیدا ہوئے اگر ایک ایک ہزار آدمیوں کی دو جماعتیں ہوں اور سال بھر کے اندر ان میں سے ایک میں چالیس بچے پیدا ہوں اور دوسری میں صرف بیس تو صاف ظاہر ہے کہ اول الذکر جماعت کی تعداد بمقابل آخرالذکر کے بہت سرعت سے بڑھے گی۔ جن جن اسباب کا شرح پیدائش پر اثر پڑتا ہے وہ سب پورے طور پر ابتک تحقیق نہیں ہوئے

باب دوم
فصل (۸)

اور نہ ان کا مطالعہ علم معاشیات کا کوئی جزو ہے بلکہ وہ سب کے سب علم صحت عامہ میں داخل ہیں۔ طالب علم کو اتنا جاننا کافی ہے کہ شرح پیدائش میں بھی جابجا بڑا فرق ہوتا ہے یعنی وہ کہیں زیادہ ہوتی ہے کہیں کم ٭

یہی حال شرح اموات کا سمجھنا چاہیے۔ شلاً اگر مذکورۂ بالا جماعتوں میں سے ایک میں چالیس آدمی سال بھر میں ضائع ہوں اور دوسری میں صرف بیس تو آخرالذکر جماعت کی تعداد اور آبادی اول الذکر کے مقابل جلد جلد بڑھے گی۔ یا اگر ایسا ہو کہ دونوں کی تعداد گھٹ رہی ہو تو اس صورت میں اول الذکر کی تعداد بمقابل آخرالذکر کے زیادہ سرعت سے گھٹنے لگے گی ٭

مسئلہ آبادی کے تیسرے شعبے یعنی توطن سے یہ مراد ہے کہ بہت لوگ اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر دوسرے ملکوں کو جاتے ہیں اور بہت سے باہر سے آآکر ان کے وطن میں آباد ہوتے ہیں بحیثیت مجموعی تو ہندوستان میں توطن کا کچھ زیادہ اثر نظر نہیں آتا۔ یعنی نہ بہت سے لوگ باہر جاکر آباد ہوں نہ باہر سے آکر یہاں بسیں تاہم بعض بعض حصص ملک پر اس کا تھوڑا بہت اثر ضرور پڑتا ہے لیکن بعض ایسے ممالک ہیں اور اُن کی حالت بھی خاص ہے کہ جہاں توطن کی بدولت آبادی کی تعداد میں بڑی بڑی تبدیلیاں پیدا ہوں تو عجب نہیں مثلاً کناڈا اور آسٹریلیا جیسے نئے ممالک کی آبادی نوواردوں کی کثرت سے بہت بڑھ رہی ہے اس کے برعکس بعض ممالک اور خصوصاً آئرلینڈ میں آبادی محض اس وجہ سے گھٹ رہی ہے

باب دوم
فصل (۸)

کہ وہاں کے باشندے وطن چھوڑ چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں بس رہے ہیں ؛

شرح پیدائش و اموات کے اسباب کا بیان تو بیشتر معاشیات کے دائرے سے خارج ہے لیکن اسباب توطن کی بحث بہت کچھ معاشیات کا جزو ہے۔ کیونکہ جب بڑی بڑی جماعتیں اپنا وطن چھوڑکر دوسری جگہ آباد ہوتی ہیں تو اُن کا مقصد اکثر یہی ہوتا ہے کہ نئی جگہ زیادہ دولت کمائیں۔ یہ سچ ہے کہ توطن کے اسباب اور اور بھی ہو چکے ہیں مثلاً تاریخ کا متعلم جانتا ہے کہ وہ مذہبی اسباب تھے جن کی بدولت پارسی بمبئی میں آکر آباد ہوئے یا خاندان ہیوجینات انگلستان آیا لیکن آجکل بڑے بڑے گروہ ایسے اسباب کی بنا پر وطن نہیں بدلتے لوگ کناڈا جیسے ممالک کو اس لالچ سے جاتے ہیں کہ وہاں اجرت زیادہ ملتی ہے یا وہاں اکثر ممالک یورپ کی نسبت زمین بہت ارزاں ہاتھ آجاتی ہے۔ اسی طرح جنوبی ہند کے بہت سے مزدور بھی اسی وجہ سے سیلون یا برما چلے جاتے ہیں کہ وہاں اجرت زیادہ ملتی ہے۔ توطن کے حالات اور اسکے اسباب معاشی کے واسطے خاص طور پر باعث دلچسپی ہوتے ہیں ان کے متعلق آئندہ فصل میں کچھ بیان ہوگا۔ لیکن کافی معاشیات جاننے کے بعد تفصیلی بحث کا لطف آئے گا ؛

مالتھس کا مسئلہ آبادی

گو یہ مسلّم ہے کہ جو اسباب آبادی پر اثر ڈالتے ہیں یعنی جو کہ شرح پیدائش و اموات گھٹاتے بڑھاتے ہیں ان کی بحث معاشیات کے دائرے سے خارج ہے۔ تاہم اضافۂ آبادی کے متعلق ابتک

باب دوم
فصل (۸)

جو کچھ تجربہ حاصل ہوا ہے معاشیین اس کو قانون کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور بالخصوص ان میں سے ایک معاشی یعنی مالتھس کی تحقیقات کا بعد کی تصانیف پر اتنا اثر پڑا ہے کہ طالب علم کو مالتھس کے قانون آبادی سے واقف ہونا ضروری ہے گو بحالت مبتدی وہ اسکی اہمیت کا پورے طور پر اندازہ نہ کرسکے۔ تاریخ کے مطالعہ سے مالتھس نے یہ نتیجہ نکالا کہ ہر ملک میں آبادی بہ سرعت اور علی الاتصال بڑھتی ہے۔ اور اگر خاص اسباب آبادی کے اضافہ کو نہ روکیں تو بالآخر آبادی اس قدر بڑھ جائے گی کہ خوراک اور دیگر ضروریات بوجہ قلت لوگوں کو میسر نہ آسکیں گی۔ اسی نتیجے کو بہ شکل قانون یوں بیان کرتے ہیں کہ آبادی اس حدتک بڑھ سکتی ہے جہانتک لوگوں کی گذران ہو سکے۔ بالفاظِ مختصر معاش کی حدتک آبادی کا اضافہ ممکن ہے ؎

اس قانون آبادی کی بحث کے واسطے تاریخ عالم کا تفصیلی مطالعہ درکار ہے اور سرِدست طالبِ علم کو صرف اس کا مطلب سمجھ لینا کافی ہے۔ قانون آبادی کا بیان یہ ہے کہ بالعموم ہر ملک میں لوگوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن خاص خاص اسباب آبادی کے اضافہ کو روکتے اور اس کو مناسب حدود کے اندر رکھتے ہیں۔ مثلاً بہت سے لوگ جنگ میں مارے جائیں یا قحط میں بھوکوں مریں۔ یا کوئی وبا مثل طاعون یا ہیضہ ان کا قلع قمع کردے لیکن اگر آبادی کی یوں کاٹ چھانٹ ہوتی رہے تو آبادی بڑھتے بڑھتے یہانتک نوبت آجائے گی کہ ملک میں زیادہ سے

زیادہ جس قدر خوراک اور دیگر ضروریات مہیا ہوسکتی ہیں وہ سب باب دوم
صرف میں آجائیں گی - اور جب آبادی اس سے بھی زیادہ بڑھیگی فصل (۸)
تو پھر چیزوں کی قلت محسوس ہوگی اور کافی ضروریات میسّر
نہ آسکیں گی ؛

ہندوستان جیسے بڑے ملک میں یہ قانون کیوں کر عمل پیرا
ہے - اس کا پتہ چلانا کچھ آسان نہیں ہے اول ایک گانوں کی
مثال لیکر دیکھنا چاہئے کہ وہاں کی آبادی کو کیا کیا حالات پیش
آئے ہیں - اس طرح پر یہ قانون زیادہ سہولت سے سمجھ میں آسکے
گا - فرض کرو کہ کسی گانوں کی آبادی بس اس قدر ہے کہ لوگ
اس کے گرد و نواح کی کل زمین کاشت کرکے زندگی بسر کرسکیں -
نیز فرض کرو کہ وہاں کے لوگ زراعت کے سوا اور کوئی کام
نہیں کرسکتے اور یہ بھی مان لو کہ وہاں کی کل زرعی پیداوار انہیں
لوگوں کے صرف میں آجاتی ہے - باہر والوں کے ہاتھ فروخت نہیں
ہوتی - اب اگر آبادی بڑھے تو پھر کیا نتیجہ ہوگا - زیادہ خوراک
درکار ہوگی اور ابتک جس اہتمام سے کاشت ہوتی تھی - اس سے
زیادہ اہتمام کرنا پڑے گا تاکہ زمین کے اس رقبے سے زیادہ زیادہ
پیداوار حاصل ہو - لیکن گذشتہ فصل میں ثابت ہوچکا ہے کہ
جب کاشت میں بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے تو قانون تقلیل حاصل
کا عمل درآمد شروع ہوجاتا ہے - یعنی مزید پیداوار کی مقدار بمقابل
سابق کم ہونے لگتی ہے - اور صاف ظاہر ہے کہ بڑھتے بڑھتے
بالآخر آبادی کی یہاں تک نوبت آسکتی ہے کہ لوگوں کو کافی

باب دوم
فصل (۸)

خوراک میسر نہ ہو۔ پیداوار کی مجموعی مقدار فی نفسہٖ تو بمقابل سابق زیادہ ہوگی لیکن فرداً فرداً لوگوں کے حصے میں کم آئے گی ۔ حالات شاہد ہیں کہ وقتاً فوقتاً ہیضہ اور طاعون جیسی وبائیں نمودار ہوکر آبادی کو کم کرتی رہتی ہیں تاکہ وہ حد مناسب سے تجاوز نہ کرسکے لیکن ایسی وباؤں کی بہت کچھ روک تھام ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اکثر ممالک یورپ ان سے محفوظ ہیں اور امید ہے کہ جب صفائی کا زیادہ اہتمام کیا جائے گا تو ہندوستان سے بھی یہ امراض دفع ہو جائیں گے ؛

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قدر گنجان آبادی والے گانوں میں کیا صورت پیش آتی ہے۔ کچھ باشندے ضرور بہ تلاش روزگار وہاں سے چلدیں گے اور قرب و جوار میں دوسری جگہ پہنچکر اونچی ذات والے تو سپاہی اور چپراسی بن جائیں گے اور نیچ ذات کے لوگ کارخانوں یا کوئلے کی کانوں میں مزدوری کرنے لگیں گے لیکن فرض کرو کہ ملک کے تمام گانوں قصبوں اور شہروں میں آبادی کی اسی قدر کثرت ہو جیسی کہ یہاں ہے تو پھر اس گانوں کے باشندے کہاں جائیں گے اور نہ جائیں تو گھر رہکر کیا کھائینگے اب یا تو کافی کھانا نہ ملنے کی وجہ سے لوگ مرنے شروع ہونگے یا وہ کوئی ایسی ترکیب نکالیں گے کہ آبادی اس حد سے آگے نہ بڑھ سکے جس حد تک روٹی میسر آسکتی ہے چنانچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض بعض قوموں نے آبادی روکنے کے عجیب عجیب طریق اختیار کرلئے تھے۔ مثلاً جو بوڑھے لوگ کام کاج سے

معذور ہو جاتے تھے یا تو وہ مار ڈالے جاتے تھے یا وہ بھوکوں مرجاتے تھے کوئی اُن کی دستگیری نہ کرتا تھا۔ اور کل کی بات ہے کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں لوگ کمسن بچوں کو مار ڈالتے تھے اور طفل کشی روکنے کے واسطے ابتک خاص قانون نافذ ہے لیکن آبادی محدود کرنے کے ایسے طریقے مہذب ممالک میں نہیں برتے جا سکتے ہیں وہاں پر آبادی کو حد سے نہ بڑھنے دینے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ مرد اور عورتیں ضبط سے کام لیں تاکہ کم اولاد پیدا ہو +

باب دوم فصل (۸)

یہ وہ خطرناک حالت ہے جو مالتھس کے پیش نظر تھی۔ گویا اسکے نزدیک ایک ایسا وقت آنے والا تھا کہ لوگوں کو اپنی اولاد کی تعداد معین کرنی پڑتی تاکہ آبادی بڑھکر حدود معاش تک نہ آ لگے یعنی اس قدر نہ بڑھ جائے کہ ناگزیر ضروریات مثل خوراک وغیرہ بہ قلت میسر ہوں۔ بجائے اس کے کہ جماعت کثیر افلاس ومصیبت میں زندگی کے دن بسر کرے یہ بہتر ہے کہ مختصر گروہ آرام وراحت سے رہے۔ اور بمقدار مناسب ضروریات زندگی کا لطف اُٹھائے۔ واضح ہو کہ جس زمانے میں مالتھس نے مسئلہ آبادی پر قلم اُٹھایا تھا دنیا کی حالت آجکل کے مقابل بالکل جُداگانہ اور مختلف تھی۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے۔ جبکہ ریل اور دخانی جہازوں کے ذریعے سے خوراک اور دیگر ضروریات کی کثیر مقداریں دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہنچا کرینگی۔ یہ پیش کردہ مسئلہ اس خیال پر مبنی ہے

باب دوم فصل (۸)

کہ ہر ملک کو اپنے واسطے سامان خوراک خود ہی پیدا کرنا پڑتا ہے اور مالتھس کے زمانے میں حالت بھی یہی تھی لیکن اب معاملہ دگرگوں ہے۔ اب چاہے تو ایک ملک اپنا کل سامان خوراک دوسرے ملک سے منگا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی دوسری شکل میں کافی دولت پیدا کرتا ہو جس کو بطور قیمت معاوضے میں دے سکے مثلاً انگلستان اپنی خوراک کا بہت تھوڑا حصہ خود پیدا کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی گوناگوں مصنوعات کے عوض میں دوسرے ملکوں سے خوراک کا سامان لیتا ہے۔ لیکن اگر انگلستان میں اتنا ایندھن اور کوئلہ نہ ہوتا جس سے بیشمار کارخانے چلتے ہیں اور مصنوعات تیار ہوتے ہیں تو وہ اپنے سامان خوراک کی قیمت کہاں سے ادا کرتا اور اگر دوسرے ملکوں سے خوراک نہ منگاتا تو اتنی کثیر آبادی کا انگلستان کی پیداوار پر گزر ہونا محال تھا۔ باہر سے خوراک نہ منگانے کی حالت میں وہ ضرور بمقابل حال زیادہ مقدار اپنے ہاں پیدا کرتا لیکن جب وہ ناکافی ثابت ہوتی تو مجبوراً لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں جا آباد ہوتے اب سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی ملک اپنے واسطے کیونکر کافی خوراک پیدا کرے۔ بلکہ یہ کہ وہ کیونکر اس قدر دولت پیدا کرے کہ مطلوبہ مقدار خرید سکے۔ لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ابتک پیدائش دولت کا عام ذریعہ زراعت ہے۔ پیداوار خوراک کی مقدار ایک اہم چیز مانی جاتی ہے۔ لیکن ایسی حالت میں بھی یہ ممکن ہے کہ ایک فرقہ محض روئی یا سن جیسی چیزیں کاشت کرے اور

اس کی قیمت سے خوراک خریدے۔

اس مسئلہ میں اور چند امور بھی غور طلب ہیں لیکن ان کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے۔ وہ آئندہ بیان ہوں گے۔ سردست صرف اس قدر جتانا باقی ہے کہ اگرچہ ہندوستان کے بعض حصوں میں آبادی اس درجہ گنجان ہے کہ وہاں ذرائع معاش پر بار بنا ہوئی ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی آبادی کی حالت ایسی نہیں۔ اور مدبرین ہند کو جو فکر ہے وہ یہ نہیں کہ آبادی رکے بلکہ یہ کہ وہ مساوی طور پر کل ملک میں پھیلے اور دولت کی پیداوار میں اضافہ ہو۔ اس کی سبیل بس یہی ہے کہ زراعت کو ترقی ہو، صنعت و حرفت پھیلے اور ملک میں اس کی بہت گنجائش موجود ہے اگر ایسا ہوا تو جو آبادی اس وقت زائد نظر آتی ہے وہ بھی کام سے لگ جائے گی اور اپنی روزی آپ کمانے لگے گی۔

فصل نو

مزدوروں کی نقل و حرکت

رسد محنت کی عدم مساوات

جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان ہو چکا ہے۔ مزدور تمام ہندوستان میں مساوی طور پر پھیلے ہوئے نہیں ہیں بلکہ بعض قصبے اور شہر تو ازحد گنجان آباد ہیں اور بعض میں اس قدر گنجائش باقی ہے کہ موجودہ آبادی سے کہیں زیادہ لوگ وہاں رہکر بسر اوقات بخوبی کر سکتے ہیں بالعموم آبادی زرخیزی زمین کے مطابق پھیلتی ہے چنانچہ وہ وسیع اور زرخیز میدان جس میں گنگا جمنا بہتی ہیں آبادی سے معمور ہے۔ حالانکہ کوہ ہمالیہ اور ممالک متوسط کے پہاڑی سلسلوں میں بلحاظ رقبہ آبادی بہت کم ہے آبادی کی گنجانی یوں معلوم ہوتی ہے کہ فی مربع میل اس کا اوسط نکال لیا جاوے۔ مردم شماری سے پتہ چلتا ہے کہ اضلاع ہند میں آبادی کا اوسط کچھ کم تیس سے لیکر تقریباً ہزار آدمی فی مربع میل تک نکلتا ہے گویا آبادی کی تقسیم از حد غیر مساوی ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔ آبادی کی گنجانی کم و بیش زمین کی زرخیزی کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن اس اصول پر بھی ہمیشہ عمل نہیں ہوتا اور تقسیم آبادی میں جو فرق پڑ جاتے ہیں وہ مدت میں رفع ہو سکتے ہیں یا یہ نہیں ہوتا کہ جہاں نئے نئے کارخانے اور کاروبار جاری ہوں

باب دوم فصل (۹)

اور جہاں عمدہ ذرائع معاش میسر آسکیں وہاں لوگ فوراً بہ تعداد کثیر جا آباد ہوں۔ بلکہ اس صورت میں بھی آبادی تھوڑی تھوڑی بتدریج بڑھتی ہے۔ چنانچہ کلکتہ، بمبئی اور کانپور جیسے کاروباری مرکزوں میں بعض وقت کارخانوں کے واسطے کافی مزدور نہیں ملتے۔ حالانکہ اسی زمانے میں ممالک متحدہ اور بہار میں بہت سے مزدور قریب قریب بیکار رہتے ہیں اور ان کو کنبہ پالنا دوبھر ہوجاتا ہے۔ یعنی کبھی تو مزدور اچھی سی اچھی اجرت پر بھی میسر نہیں آتے اور کبھی وہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جب آبادی کی تقسیم غیر مساوی ہو تو اسقدر دولت پیدا نہیں ہوسکتی جتنی کہ اس حالت میں ہوتی۔ جبکہ آبادی کاروباری ضروریات کے مطابق منقسم ہوتی۔ یعنی آجر کو مزدور ملنے میں دقّت نہ ہوتی اور مزدور بھی کم بیکار رہتے۔

کسی زمانے میں تو یہ نوبت آگئی تھی کہ ہندوستان میں بعض حکومتیں اور نیز ذی اثر لوگ مزدوروں کو مجبور کرکے وہاں لیجاتے تھے جہاں ان کی ضرورت ہوتی تھی۔ بیگار ابتک گانوں والوں کو یاد ہے۔ بعض دیسی ریاستوں میں ابھی رواج ہو تو عجب نہیں۔ لیکن حکومت برطانیہ کے زیر سایہ ہندوستان میں حتی الوسع مزدور کو ذاتی آزادی سے مستفید ہونے کا موقع دیا گیا ہے شاید اب بھی دیہات میں زمیندار لوگ مزدوروں سے بیگاری کام لیتے ہوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کام کی غرض سے کوئی شخص جماعت کثیر کو بالجبر کسی دور مقام پر لیجائے۔ اگر آجر مزدوروں کو کہیں لیجانا چاہتا ہے تو ان کو اعلیٰ اجرت اور گوناگوں رعایتوں سے وہاں جانے کی ترغیب دینی پڑتی ہے۔

باب دوم
فصل (۹)

یورپ کے سابق معاشیین میں سے بعض نے یہ فرض کر لیا تھا کہ مزدور بہ تمام و کمال نقل پذیر ہے گویا اعلیٰ اجرت ملنے پر مزدور بھی اسی قدر بے تکلف اور جلد ہر کہیں جا سکتے اور جاتے ہیں جس طرح کہ پانی بلندی سے نشیب کی طرف بہتا ہے۔ ایسی مکمل نقل پذیری تو دنیا کے کسی حصے میں بھی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ معاشیات کی مابعد تصانیف میں تو زیادہ تر اُن موانعات سے بحث کی گئی ہے جو نقل محنت میں سدّراہ ہوتی ہیں ملک ملک اور صدی صدی میں ان موانعات کی قوت مختلف رہی ہے۔ لیکن ان سب کی نوعیت بہت کچھ یکساں ہے۔ آؤ شمالی ہندوستان کی موجودہ حالت پر ایک نظر ڈالیں تاکہ ان موانعات کا حال کھلے +

سب سے اول تو مستقل اور عارضی توطن میں فرق جاننا ضروری ہے یا تو مزدور جہاں کام ملے وہیں رہ پڑے اور ہمیشہ کے واسطے اپنا وطن بدلدے یا وہ اپنے کام کی جگہ تھوڑے بہت عرصے تک مقیم رہے لیکن بالآخر اپنے وطن کو لوٹ آئے۔ دنیا کے بہت سے حصوں میں لوگ مستقل طور سے متوطن ہو رہے ہیں۔ مثلاً ہزارہا لوگ کناڈا اور آسٹریلیا میں آباد ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں یہ طریق مروج نہیں۔ بنگالیوں کے چند خاندان بنگال سے شمالی ہندوستان میں آکر بنارس، الہ آباد اور دوسرے شہروں میں ضرور آباد ہو گئے ہیں۔ اسی طرح شمالی ہندوستان اور مدراس کے بعض خاندان حیدرآباد میں آبسے ہیں لیکن جو لوگ یوں مستقل طور پر وطن بدلتے ہیں اُن کی تعداد مجموعی آبادی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں

البتہ عارضی توطن کا اچھا خاصا رواج ہے لوگ ملازمت کے سلسلے میں یا ریل کارخانجات اور کانوں میں کام کرنے کے لئے کنبے کو چھوڑ کر

باب دوم فصل (۹)

گھر سے دور دور چلے جاتے ہیں وہاں سے کما کما کر گھر کو خرچ بھیجتے رہتے ہیں اور کچھ عرصے بعد خود بھی وطن کو لوٹ آتے ہیں +

آجکل ہندوستان میں نقل محنت پر ذات اور مقام کا خاص اثر پڑتا نظر آتا ہے۔ بعض ذاتوں کے لوگ جو بعض بعض مقامات میں رہتے ہیں ہندوستان میں ہر کہیں جانے کو تیار رہیں اور جاتے ہیں۔ عارضی ترک وطن ان لوگوں میں اس قدر عام ہے جس قدر دنیا میں کہیں اور ہوسکتا ہے۔ مثلاً جونپور اور اعظم گڈھ کے چمار دور دور سائیسی کا کام کرتے ہیں۔ اودھ کے برہمن اور چھتری لوگ ہندوستان کے دور سے دور حصے میں پہنچکر سپاہی اور ہرکارے بنتے ہیں اسی قسم کی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔ اس کے برعکس کاشتکار اور کھیتی باڑی کے مزدور بہت گھر گھسنے ہیں۔ اول تو وہ اپنے گانوں سے باہر قدم نہیں رکھتے اور بدرجۂ مجبوری اگر جاتے بھی ہیں تو قرب و جوار سے آگے نہیں بڑھتے۔ صناع اور دستکار البتہ کاشتکاروں کے مقابل وطن چھوڑنے پر زیادہ آمادہ رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک گذشتہ فصل میں بیان ہوچکا ہے کہ کسی زمانے میں وہ شاہی دربار کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ جہاں دارالسلطنت قائم ہوا وہیں انہوں نے خیمہ لاڈالا۔ یہ لوگ اب بھی منفعت کی خاطر شہر بہ شہر پھرتے رہتے ہیں +

پس معلوم ہوا کہ ایک حد تک شمالی ہندوستان کے مزدوروں میں نقل و حرکت جاری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ بعض جگہ کے چند فرقے تو اس درجہ نقل پذیر ہوں۔ اور باقی اتنے کثیر فرقے وطن سے باہر قدم نہ دھریں۔ اس کا صحیح جواب تو ملک کی تاریخ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ایسی تاریخ ابتک لکھی نہیں گئی اور کوئی قطعی نتیجہ اخذ

باب دوم
فصل (۹)

کرنا دشوار ہے۔ البتہ اس قدر تحقیق ہوا ہے کہ شمالی ہند کے باشندے بالطبع وطن چھوڑنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور صرف خاص خاص حالتوں میں لوگ دوسری جگہ جاکر آباد ہوتے ہیں جن لوگوں کو مزدور درکار ہوں اُن کو چاہئے کہ ان خاص حالتوں کا مطالعہ کریں۔ ان کے اسباب کی ٹوہ لگائیں اور اگر ہوسکے تو خود بھی ایسے اسباب پیدا کریں تاکہ جہاں ضرورت ہو وہاں مزدور چلے جائیں۔ اس مسئلے کا مطالعہ کرتے وقت یہ بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کی بیشتر آبادی کھیتی باڑی سے روزی کماتی ہے۔ کاشتکار اور دستکار میں ایک بہت بڑا فرق ہے وہ یہ کہ کاشتکار اپنے آلات واوزار جابجا نہیں لیجا سکتا صناع یا دستکار تو اپنے اوزاروں کی تھیلی کندھے پر ڈال اور کچھ رقم گرہ میں باندھ جہاں چاہے چلا جاتا ہے اور وہیں اپنا کام شروع کردیتا ہے۔ کچھ بھی دقت نہیں ہوتی۔ لیکن غریب کاشتکار کی مشکل ہے اول تو اس کو کھیت کی حالت اور اس کے خواص جاننے ضروری ہیں اور اگر وہ کھیت بدلتا رہے تو پرانی معلومات سے دست بردار ہو ہوکر اس کو ہر مرتبہ از سرِنو اپنے نئے کھیت سے واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ صرف یہ کیا کم دردسر ہے اور وہ کہیں دور دراز مقام کو چلا گیا۔ تو اس کو نئی آب وہوا۔ نئے موسم اور نئی نئی فصلوں سے سابقہ پڑے گا۔ اور پوری واقفیت کیلئے مدت درکار ہوگی۔ چنانچہ ہر ملک میں یہی حالت ہے کہ کاشتکار اپنی جگہ سے ہلنا پسند نہیں کرتا۔ اور ہندوستانی کاشت کار کا تو یہ خاصہ ہے۔ کاشتکاروں کی جماعت سب سے بڑی ہے لہذا ان کے طرزِ عمل کا ملک کے دوسرے فرقوں پر بھی اثر پڑتا ہے اور بالعموم گانوں کے باشندے کہیں گھر چھوڑ کر

باب دوم
فصل (۹)

جانا نہیں چاہیے۔ البتہ اگر کوئی مجبوری آپڑے یا خاص لالچ دیا جائے تو دوسری بات ہے۔ شاید وہ دوسری جگہ جا بسیں یا چند روز کے لئے کام کرنے چلے جائیں۔

تمدنی اور معاشی دباؤ

گھر سے باہر نکلنے کے واسطے جو دباؤ پڑ سکتا ہے وہ یا تو تمدنی ہوتا ہے یا معاشی۔ اگر کسی شخص کی زمیندار سے اَن بن ہو جائے یا کوئی شخص برادری میں مطعون ہو بالخصوص اگر اس کے چال چلن پر دھبہ آگیا ہو تو اُس کو ضرور کہیں اور جا کر بسنا پڑے گا اسی قسم کی مجبوریوں کا نام تمدنی دباؤ ہے یہ مجبوریاں طرح طرح پر پیش آسکتی ہیں۔ یا تو زمیندار اس کو گاؤں سے نکالدے۔ یا وہ اپنی برادری سے خارج کر دیا جائے اور کوئی اس کا ہمدرد نہ ہو بہرصورت اس کو اپنی زندگی بہت دوبھر معلوم ہوگی اور وہ کہیں قصبے میں جا کر آباد ہوگا جہاں اس کو کچھ دوست ملاقاتی میسّر آسکیں۔ اس قسم کا تمدنی دباؤ معاشی نقطۂ نظر سے کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں۔ جو لوگ اس طرح وطن بدلتے ہیں اُن کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ بعض شہروں میں بد چلن لوگوں کی کثرت کیوں ہے۔ مثلاً کانپور میں اسی طرح کے خارج شدہ گنوار آبستے ہیں اور فساد مچاتے ہیں +

جب کوئی شخص یہ دقت محسوس کرے کہ وطن میں رہ کر وہ روزی نہیں کما سکتا تو اس حالت کو وطن بدلنے کے لحاظ سے معاشی دباؤ کہتے ہیں۔ توطن کا یہ سبب بھی فی نفسہٖ کچھ زیادہ اہم اور نتیجہ خیز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے گاؤں میں کمائی نہیں کر سکتے یا کم کرتے ہیں وہ بالعموم دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں بہت خراب اور نکمے

ہوتے ہیں۔ وہ خواہ کہیں چلے جائیں ان سے کام نہیں چلتا۔ علاوہ ازیں بوجہ جہالت و بے خبری نہ تو وہ یہ جانتے ہیں کہ کہاں جانا بہتر ہوگا اور نہ باہر جانے کی اُن کو ہمت پڑتی ہے۔ پس وہ یونہی تھوڑی سی کمائی پر اپنے گانوں میں پڑے رہتے ہیں۔ جب کبھی محنت مزدوری مل کرلی۔ اور کچھ خوشحال پڑوسیوں کی داد و دہش سے کام چلایا۔ غرض کہ تنگی ترشی سے اپنے ہی گانوں میں زندگی بسر کردیتے ہیں۔ لیکن اگر معاشی دباؤ پڑنے کے ساتھ ساتھ کچھ مزید ترغیب بھی ملے تو وہ اسباب کا مجموعی اثر توطن پر اچھا خاصا پڑسکتا ہے۔ چنانچہ زیادہ زیادہ کمائی کے لالچ سے بہت سے مزدور دور دراز مقام پر جاکر کام کرتے ہیں مثلاً اودھ کے رہنے والے نوجوان چھتری کو معلوم ہو کہ باپ کی کھیتی باڑی میں کام کرنے کی گنجائش نہیں اور باپ کی کمائی کنبہ کی پرورش کے واسطے ناکافی بھی ہے تو اس حالت کو معاشی دباؤ سمجھنا چاہیئے لیکن ممکن ہے کہ وہ اس پر بھی گھر نہ چھوڑے۔ اور تنگدستی گوارا کرلے۔ اب فرض کرو کہ اس کے دوست احباب دور دور مقامات مثلاً کلکتہ، حیدرآباد یا لاہور میں کام کرتے ہیں اور خوب کما کما کر گھر کو روپیہ بھیجتے ہیں۔ اب تو اس کے دل میں بھی گدگدی پیدا ہوگی ہمت باندھکر وہ بھی وہیں پہنچے گا اور دوستوں کے ذریعہ سے جب وہ کام سے لگ جائے گا تو اسی طرح گھر کو خرچ بھیجنے لگے گا۔ یا مثلاً ولائتی کپڑے کی وجہ سے جولا ہے کا کام مندا ہوجائے یعنی اس کا بنا ہوا کپڑا فروخت نہ ہو یا کم فروخت ہو تو وہ اپنے اُن دوستوں کے پاس چلا جائے گا جو بمبئی یا احمد آباد میں روئی کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور ان کے سہارے سے خود بھی وہیں کام شروع کردے گا۔ ایسے توطن کی ایک

باب دوم فصل (۹)

نہایت واضح مثال ناگپور کے قریب واروراکی کوئلہ کی کانوں میں نظر آتی ہے۔ ۱۸۷۲ء میں جب وہاں کان کھودنے کی تجویز ہوئی تو ایک شخص بھوانی دین وکسشت نے جو قریب کے ریلوے اسٹیشن پر ملازم تھا اپنے وطن راے بریلی سے مزدور لانے کا ذمہ لیا چنانچہ ترغیب دے دلاکر وہ اپنے ہم وطن مزدوروں کا ایک گروہ لے آیا اور جب وہ کان ختم ہوئی تو یہ مزدور خوب کما کما کر اس وقت تک خوشحال ہوگئے اب ان کو کمائی کے لالچ نے ایسا گھیرا کہ وہیں رہ پڑے۔ اور کان کھودنے کا پیشہ اختیار کرلیا۔ جبتک کانیں جاری رہیں وہ لوگ وہیں لگے رہے۔ مگر جب کام سے واقف ہوگئے تو انہوں نے دوسری جگہ بھی جا جا کر کانیں کھودنی شروع کردیں چنانچہ بنگال کی بہت سی کانوں میں یہی لوگ کام کرتے ہیں

توطن کا رواج

پس حالت یہ ہے کہ لوگ اپنے وطن میں اپنے احباب و اعزا کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اور نئی نئی جگہ اجنبیوں میں جاکر رہنا ان کو پسند نہیں اور بالعموم ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں جانا ان کے حق میں مفید ہوگا۔ یہ بات کچھ ہندوستان ہی کے واسطے مخصوص نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی یہی حالت ہے۔ حاصل کلام یہ کہ دنیا بھر میں نقل محنت کے واسطے موانعات موجود ہیں۔ جن میں سے بعض کو جی چرانے سے تعبیر کرسکتے ہیں اور باقی کو جہالت سے۔ البتہ ان کے اثر کی قوت اور وسعت ہر ملک میں یکساں نہیں چند روز سے عارضی توطن کا رواج ہندوستان میں بھی بہت کچھ بڑھ گیا ہے اور غالباً بڑھتا رہے گا حتیٰ کہ کاروباری ضروریات کے موافق مزدور ملک میں تقسیم ہو جائیں گے اور اجیروں کو ہر جگہ کافی تعداد میسر آنے لگے گی۔ اس تبدیلی کا ایک خاص باعث تو اضافہ معلومات

باب دوم فصل (۹)

ہے۔ گانوں کے لوگ اب جان گئے ہیں کہ دوسری جگہ زیادہ روپیہ کمانا ممکن ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہو چلا ہے کہ وہ مقامات کون سے ہیں اور کہاں ہیں۔ بالفاظ دیگر جہالت کے موانعات ضعیف ہوتے جاتے ہیں ایک دوسرا خاص باعث ریلوں کی توسیع بھی ہے۔ جن کی بدولت مزدور جلد اور تھوڑے خرچ سے دور دور اپنے کام کی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً اودھ کا نورباف دو روز میں چند روپیہ کے صرف سے بمبئی پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ صرف چند ماہ کے کام کی خاطر بہت سے نورباف شمالی ہندوستان سے بمبئی جاتے رہتے ہیں۔ اب اگر ریل نہ ہوتی تو بمبئی پہنچنے میں کتنے ماہ اور کس قدر روپیہ صرف ہوتا۔ اور تکلیف اُٹھانی پڑتی سو الگ۔ ریل نے طرح طرح سے ہندوستان کی پیداآوری میں اضافہ کیا ہے۔ جن میں سے ایک صورت یہاں بیان ہوئی کہ مزدور بلا تکلف دور دور جاکر کام کرتے اور روپیہ کماتے ہیں +

ابتک ہم صرف ایک قسم کی نقل پذیری سے بحث کرتے رہے۔ یعنی مزدور کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ لیکن نقل پذیری میں پیشہ بدلنا بھی شامل ہے فرض کرو کہ کوئی شخص پیتل کے برتن بناتا ہے اب اگر پیتل بہت گراں ہوجائے یا لوگ برتن کم خریدیں یا کسی اور دقّت کی وجہ سے یہ پیشہ گذر کے قابل نہ رہے تو پھر اس کو کیا کرنا چاہئیے۔ ایک سبیل تو یہ ہے کہ وہ کہیں دوسری جگہ جاکر برتن بنانا شروع کردے۔ دوسری یہ کہ جہاں ہے وہیں رہے اور کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرلے پیشہ تبدیل کرنا ممکن ہے۔ اور بعض وقت لوگوں کو مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بالعموم اس تبدیلی میں ہر جگہ دقّت پیش آتی ہے اور خاصکر ہندوستان میں تو

باب دوم
فصل (۹)

ذات پات کے ایسے جھگڑے پیچھے لگے ہیں کہ پیشہ بدلنا سخت دشوار ہے فرض کرو کہ موچی اس زمانے میں روپیہ خوب کما رہے ہوں اور جوتوں کی خریدزوروں پر ہو۔ لیکن پیتل کا کام کرنے والا جس کو ٹھٹیرا کہتے ہیں موچی بننا ہرگز گوارا نہ کرے گا اور اس کو اپنے حق میں توہین سمجھے گا۔ یوں تو ہر جگہ ٹھٹیرے کے واسطے موچی بننا اسلئے بھی دشوار ہوگا کہ وہ چمڑے کے کام سے ناواقف ہوگا۔ اور بعض پیشوں میں تو مدتوں کی مشق اور تعلیم سے مہارت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں تو اس تبدیلی کا خیال بھی وہ اپنے دل میں نہ لائے گا کیونکہ اس کی ذات کے قواعد کی رو سے اس کے حق میں ایسی تبدیلی پیشہ قطعاً ممنوع ہے نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے پیشے جن میں خاص مہارت درکار ہے چند فرقوں کے اجارے میں آگئے ہیں۔ یعنی ان کے سوا اور کوئی شخص ان پیشوں کو اختیار نہیں کرسکتا۔ اور اسی ذات بندی کی بدولت جس کا ہندوستان کے سوا کہیں وجود نہیں۔ حسب ضرورت کسی پیشے میں مزدوروں کا اضافہ کرنا سخت دشوار ہوگیا ہے۔ اگر کوئی ماہر دستکار اپنا کام چھوڑ بیٹھے تو وہ اُن معدودے چند پیشوں میں سے کوئی پیشہ اختیار کرسکتا ہے جو کسی ذات اور فرقے کے واسطے مخصوص نہیں۔ مثلاً کاشتکاری یا حمالی لیکن حسب دلخواہ ہر کسی پیشے میں وہ شریک نہیں ہوسکتا ذات پات کے قواعد ایسی آزادی کے مانع ہیں۔ لیکن زمانے کی مجبوریاں ان قواعد کو توڑ رہی ہیں۔ اور اب ذات کا اثر پہلا سا عام اور قوی نہیں رہا ہے

جیسا کہ اوپر بھی ذکر آچکا ہے۔ اگر ذات پات کی بندشیں نہ ہوتیں

باب دوم فصل (۹)

تو بھی پیشہ بدلنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ البتہ بحالتِ آزادی لوگ اپنی اولاد کے واسطے وہی پیشے تجویز کرتے ہیں جو کہ سب سے زیادہ مفید معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً معمار کو اختیار ہے کہ خواہ لڑکے کو اپنا ہی کام سکھائے یعنی اِس کو معمار بنائے یا کسی اور کسی پیشے میں ڈالے۔ مثلاً زرگری ہے معلمی یا دکانداری ہے۔ والدین وہی پیشے منتخب کرتے ہیں جن میں شرحِ اجرت زیادہ ہو۔ اور جن میں مزدوروں کی کھپت بھی ہو۔ اسی طرح ہر جس پیشے میں جس قدر آدمی درکار ہوتے ہیں بہم پہنچ جاتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مزدور ہمیشہ ہر پیشے میں بس ضرورت کے موافق شریک رہیں نہ کم نہ زیادہ۔ بلکہ کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ حالتِ موجودہ پر نظر کرکے لوگ اپنے لڑکوں کو کسی پیشے کے واسطے تیار کریں۔ لیکن ان کے تیار ہونے کے وقت تک حالات اس قدر بدل جاویں کہ اس پیشے میں بہت کم لوگوں کی گنجائش باقی رہے اور بہت سے نئے پیشہ ور زاید از ضرورت ثابت ہوں۔ چنانچہ یورپ میں بھی جہاں تبدیلی پیشہ کے متعلق ہر قسم کی آزادی حاصل ہے مزدور ٹھیک ٹھیک ضرورت کے موافق پیشوں میں منقسم نہیں ہوتے کہ دولت کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیدا ہو۔ بلکہ ہر زمانے میں بعض پیشوں میں مزدور ضرورت سے زائد شریک رہتے ہیں اور بعض میں ان کی قلت ہوتی ہے بحالتِ اول بہت سے مزدوروں کو کم کام ملتا ہے۔ اور ان کا بہت سا وقت بیکار ضائع ہوتا ہے۔ بحالت دوم مزدور نہ ملنے کی وجہ سے دیگر عاملین پیدائش یعنی اصل اور زمین سے پورا کام نہیں لیا جاتا اور وہ بھی ایک حد تک قلت محنت کی وجہ سے ناکارہ بن جاتے ہیں۔ لیکن

باب دوم
فصل (۹)

ذات پات کے بکھیڑوں کے طفیل سے ہندوستان میں بمقابل یورپ پیشوں اور مزدوروں میں مساوات اور بھی کم ہے۔ نہ صرف یہ کہ مزدور خود پیشہ نہیں بدل سکتے۔ بلکہ وہ اپنی اولاد کے واسطے بھی کوئی جدید پیشہ تجویز نہیں کرسکتے۔ ذات نے ہمیشہ کے واسطے ان کو اور ان کی اولاد کو اسی ایک پیشہ مین مقید کردیا ہے۔ آگے چل کر واضح ہوگا کہ اس عدم مساوات کا اثر تقسیم دولت پر خاص طور سے پڑتا ہے۔ سردست ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ پیدائش دولت پر اس کا اثر کیا ہے۔ سوائے مضرت کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ بعضے پیشوں میں تو مزدوروں کی ازحد کثرت اور افراط ہوتی ہے۔ اور بعض پیشے محض اس وجہ سے ترقی نہیں کرسکتے کہ کافی مزدور نہیں ملتے اور ہردو صورت میں پیدائش دولت میں ہرج واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت ملک کے روبرو یہ ایک نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے کہ مزدوروں اور پیشوں میں کیونکر کافی مساوات قائم رکھی جائے۔ نہ کبھی مزدوروں کی کثرت ہو نہ قلت جس پیشے میں جس قدر گنجائش ہو کم وبیش اسی قدر مزدور شریک ہوں یہاں پر تو تفصیلی بحث کا موقع نہیں۔ آئندہ اس پر خاص غور کرنے کی ضرورت ہوگی۔

اس بحث کو ختم کرنے کے قبل یہ جتا دینا ضروری ہے کہ پیدائش دولت کے نقطہ نظر سے بھی ذات پات کا طریق مضرتِ محض نہیں ہے۔ اگلی فصل میں واضح ہوگا کہ یہ طریق بھی مزدوروں کی تعلیم و تربیت کے واسطے ضرور کارآمد ہے۔ اور اس کی بدولت بھی محنت کی عمدگی بہت کچھ بحال رہتی ہے یعنی بڑے بڑے کاریگر اور صناع پیدا ہوتے ہیں +

فصل دس

مزدوروں کی خوبی یا کارکردگی

صحت و طاقت

ابتک ہم مقدار محنت پر غور کرتے رہے یعنی کسی کام کے واسطے کافی مزدور کیونکر مہیا ہوں۔ لیکن اب محنت کی دوسری خاصیت پر نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ جس کو مزدوروں کی خوبی سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اور وہ اصطلاحاً **کارکردگی** کہلاتی ہے عام تجربہ ہے کہ مزدور مزدور میں بہت فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ آجر بہت سے مزدوروں میں سے حسب ضرورت چند کو منتخب کرلیتے ہیں۔ کبھی فرقے فرقے کو کام میں ایک دوسرے پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہوتی ہے اس امتیاز کی بنا یا تو صحت و توانائی ہوتی ہے یا مہارت یا صفات اخلاقی ؛

جیسا کہ اس کے قبل بیان ہوچکا ہے دستی کام سے مراد خاص طور پر پٹھوں کو استعمال کرنا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ کمزور اور روگی مزدور کے مقابل تندرست اور طاقتور مزدور خوب محنت کرکے زیادہ دولت پیدا کرسکتا ہے۔ طاقت و توانائی کی خوبی کچھ تو نسل پر منحصر ہے اور کچھ بچپن کی پرورش اور تربیت پر ان دونوں اسباب کو جدا کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ بالعموم وہی قومیں طاقتور ہوتی ہیں جن کے بچے کھیل کود

باب دوم
فصل (۱۰)

اور ورزش کے ذریعے سے اپنی صحت اچھی رکھتے ہیں۔ پس یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ کس قدر طاقت پیدائشی ہے اور کتنی طاقت تربیت جسمانی سے حاصل ہوئی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ مزدوروں میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اودھ کے مزدور کے مقابل پنجابی مزدور زیادہ کام کرسکتا ہے لیکن بنگالی مزدور اودھ والے سے بھی کم محنت کرتا ہے علاوہ ازیں پیٹ بھر کھانا ملے بغیر طاقت بحال رہنی محال ہے۔ بھوکے مزدور سے دن بھر کام نہیں ہوسکتا پس محنت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مزدور کو عمدہ کھانا کافی مقدار میں ملتا رہے۔ لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ آدمی فطرتاً مضبوط اور طاقتور ہو اور اس کو کھانا بھی کافی اور عمدہ ملے لیکن وہ بیمار پڑجائے مثلاً بخار آنے لگے جس کی وجہ سے وہ عرصے تک کام کرنے سے معذور رہے اور اس کا بہت سا وقت بیکاری میں برباد ہو۔ اگر شہر اور بستیوں میں صفائی وغیرہ کا انتظام بہتر ہوجائے تو پیدائش دولت میں ترقی ہوگی وجہ یہ ہے کہ شرح اموات گھٹ جانے سے مزدوروں کی تعداد بڑھجائے گی اور وہ اپنی محنت کے ذریعے سے زیادہ دولت پیدا کریں گے۔ اور بالخصوص ہندوستان میں صفائی کے اہتمام سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوگا یہاں پر بخار بہت تباہی پھیلاتا ہے۔ اس سے رہائی پانا بڑی بات ہوگی۔ یوں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ اگر مزدور بیمار پڑ جائے تو کام میں ہرج واقع ہوگا لیکن جو لوگ ہزارہا مزدوروں سے کام لیتے ہیں اُن سے پوچھئے کہ ایسے ہرج مرج سے پیدائش دولت کی رفتار کس قدر سست پڑ جاتی ہے پس شہروں میں صفائی وغیرہ کا اہتمام کئی لحاظ سے بہت ضروری ہے اول تو مزدوروں کی تعداد بڑھ جاوے گی۔ دوم مزدوروں کی صحت اور

باب دوم
فصل (۱۰)
مہارت

تندرستی قائم رہے گی اور وہ کام کرسکیں گے +

مزدوروں کے امتیاز کا دوسرا باعث مہارت ہے۔ اس کا دارومدار اول تو پٹھوں کی حرکت پر ہے جس کو دستی کام کہتے ہیں۔ جو طالب علم کوئی کھیل کھیلتے ہیں یا جمناسٹک کرتے ہیں اُن کا تجربہ ہے کہ اول اول پٹھوں کو کسی خاص طور پر حرکت دینے سے تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن چند ہی روز میں مشق ہونے کے بعد وہ حرکت بالکل سہل معلوم ہونے لگتی ہے شروع شروع میں تو حرکت آہستہ آہستہ کرتے ہیں پھر بھی کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے طبیعت بھی پورے طور پر متوجہ رکھنی پڑتی ہے کہ دل میں کوئی اور دھیان نہ آئے۔ لیکن رفتہ رفتہ تکلیف کم ہونے لگتی ہے اور حرکات نہایت عمدگی سے جلد جلد کرنے میں کوئی دقت نہیں معلوم ہوتی حتیٰ کہ مشق کی بدولت بلا غور و توجہ کے لوگ نہایت دشوار اور پیچیدہ حرکات اس طرح بلا تکان و تکلف کرتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہو مثلاً کرکٹ کا کھیل ہے۔ مشاق گیند باز کو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ کسی خاص وضع سے آنے والے گیند میں بلّا مارنے کے واسطے ٹانگوں کلائیوں، پہنچوں اور کندھوں کو حرکت کیونکر دینی چاہیئے بلکہ ادھر گیند انداز نے گیند پھینکی اور ادھر گیند باز نے فوراً جانچ کر اس میں بلا مارا کہ یہ جا وہ جا۔ اگر وہ غور و فکر کرنے لگے کہ بلا کیونکر مارنا چاہیئے تو گیند ٹیک کر وکٹ اُڑا دے اور یہ حضرت آؤٹ ہوکر خراماں خراماں واپس چلے آئیں۔ مزدور جو اپنے کام میں حرکت کرتا ہے اس کی حالت بھی کھلاڑی کی سی سمجھنی چاہیئے مشق ہو جانے پر وہ بلا تکلف حرکات کرتا رہتا ہے سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ حتیٰ کہ جو لوگ کاری گروں کو کام

باب دوم فصل (۱۰)

کرتے دیکھتے ہیں وہ ان کا کام محض اس وجہ سے سہل خیال کر لیتے ہیں کہ کاریگروں کو اس کے کرنے میں کوئی بھی اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔ جلد جلد یوں کام کرتے ہیں گویا کل چل رہی ہے۔ حالانکہ یہ سب مشق کا طفیل ہے نیا آدمی وہی کام کرے تو حقیقت کھل جائے۔ مثلاً کمہار کا کام کتنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ چاک پر کچھ مٹی رکھکر اسکو گھمایا مٹی کو ہاتھ سے دبایا چاقو سے کچھ چھیلا چھالا اور چاک کو روک لیا بس صراحی یا پیالہ تیار ہوگیا۔ اور کمہار نے اس کو اُتار کر دوسرے برتنوں کے پاس رکھدیا۔ اور سب کو ایک ساتھ آوے میں رکھکر پکا لیا لیکن اگر کوئی دوسرا شخص وہی کام کرنا چاہے تو برتن بنانے میں اس کو بہت سی دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اول تو چاک کو مناسب رفتار سے گھمانا پھر اس کے مرکز پر مٹی جمانا اور پھر ہاتھ کے دباؤ اور چاقو کی تراش خراش سے خوشنما برتن تیار کرنا یہ سب کام نئے آدمی کے بس کے نہیں اگر وہ نہایت بھونڈا اور بد وضع برتن بھی بنالے تو تعجب ہے۔ سب قسم کے دستی کاموں کی یہی حالت سمجھنی چاہیئے۔ مشق ہوتے ہوتے ہیٹھے اس سہولت اور باقاعدگی سے حرکت کرنے لگتے ہیں کہ گویا کوئی بات ہی نہیں ؛

ذات پات کا اثر

اس ذات پات اور فرقہ بندی کے طریق میں ایک یہ تو بہت بڑا فائدہ ہے کہ بچپن ہی سے کام سکھایا جاتا ہے اور مزدوروں کو عمدہ مشق حاصل ہو جاتی ہے گویا اس لحاظ سے فرقہ بندی بھی پیدائش دولت کی معاون ہے کمہار کا بچہ جب سے پیروں چلتا ہے اپنے باپ کو یہی کام کرتے دیکھتا ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو وہ بھی یہی کام شروع کرتا ہے اور اس کا باپ اس کے پاس بیٹھکر نہایت شفقت اور کوشش سے اس کو ہاتھ چلانا سکھاتا ہے۔ دوسرے ملکوں میں کام سکھانے کا طریق یہ ہے کہ بچوں کو کاریگروں کے سپرد کردیتے ہیں

باب دوم
فصل (۱۰)

کہ وہ اپنی نگرانی میں اس سے کام لیں اس کو اصطلاحاً **طریق کارآموزی** کہتے ہیں۔ لیکن کوئی کاریگر دوسرے کے بچّے کو کام سکھانے کی اس قدر کوشش کیوں کرنے لگا جتنی کہ باپ اپنے بچے کے ساتھ کرتا ہے اور ہندوستان میں بھی ماہر دستکاروں کی اتنی ہی کثرت ہے جتنی کہ اور کہیں ہوسکتی ہے وجہ یہ ہے کہ لوگ بچپن میں اپنے والدین ہی سے کام سیکھتے ہیں پس واضح ہوا کہ ذات بندی کا طریقہ مہارت کو ضرور برقرار رکھتا ہے۔

دستکاری میں جو مہارت حاصل ہوتی ہے وہ عرصے تک مشق کرتے کرتے پٹھوں کے حرکات پر قابو پانے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس سے اعلیٰ درجے کی مہارت نہ صرف پٹھوں کی حرکت پر قابو پانے سے حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کے واسطے قوت تمیز کی بھی درکار ہے جو کہ مشق اور تجربے سے حاصل ہوتی ہے یعنی یہ کہ حصول مقصد کے واسطے پٹھوں کو کیونکر حرکت دینی سب سے زیادہ موزوں و مفید ہوگی۔ مثلاً معمولی کمہار تو پٹھوں کی صرف وہی حرکات جانتا ہے جن کے ذریعے سے وہ گھڑا اور پیالہ جیسے معمولی برتن بنا سکے۔ اگر اس کو کوئی جدید قسم کا اعلیٰ نمونہ دیا جائے تو اس کی نقل اُتارنے میں باوجود احتیاط کے اول اول وہ ضرور خطا کرے گا اور متواتر کوشش کے بعد بھی ویسا برتن نہ بنا سکے گا لیکن جو کمہار زیادہ کاریگر ہوگا اور طرح طرح کے برتن بنانا جانتا ہوگا اپنے تجربے کی بدولت اس نمونے کی نقل جلد اُتار سکے گا اور شروع شروع میں کم غلطی کرے گا۔ علیٰ ہذا معمولی کمہار صرف ان حرکات کا عادی ہے جو چکنی مٹی کے برتن بنانے کے واسطے موزوں ہیں۔ اگر وہ کہیں ایسی جگہ چلا جائے جہاں کی مٹی مختلف قسم کی ہو تو اس کو برتن بنانے میں ضرور

دقت ہوگی اور دیر لگے گی۔لیکن جو کمھار اپنے کام میں زیادہ ماہر ہوگا اس کو باب دوم
طرح طرح کی مٹیوں کا تجربہ ہوگا اور وہ اس دوسری قسم کی مٹی سے بھی بآسانی فصل (۱۰)
کام نکال لے گا۔

پس تحقیق ہوا کہ ایک حدتک طریق ذات بندی سے مہارت نسل درنسل تعلیم کی
چلتی ہے۔اس طریقے میں یہ نقص البتہ ہے کہ مہارت میں اضافہ کرنے کا ضرورت
موقع نہیں ملتا باپ جو کچھ جانتا ہے اس سے زیادہ بچے کو نہیں سکھا
سکتا۔اور بیٹا باپ کے سوا کسی اور سے کام سیکھتا نہیں آجکل ہندوستان کے دیہات
میں جس قدر بھی کام ہوتا ہے اس کے واسطے زیادہ اعلیٰ قسم کی مہارت
درکار ہے۔یہ ضرورت دولت اور علم کے اضافے سے پیدا ہوگئی ہے
لوگ طرح طرح کی چیزوں کے شائق ہیں ان کو وہ چیزیں درکار ہیں جن کو
ان کے بزرگ جانتے بھی نہ تھے۔نئی نئی قسم کی پیداوار خام مصنوعات کے
واسطے دستیاب ہورہی ہیں اور آلات و اوزار بھی بہت کچھ بدل گئے
ہیں۔نئے آلات و اوزار برتنا نئی پیداوار خام سے جدید قسم کی چیزیں
تیار کرنا دستکار کے واسطے بہت ضروری ہے۔ورنہ اس کی پرانی وضع
کی مصنوعات کون خریدے گا۔لیکن دقت یہ ہے کہ باپ خود ان تبدیلیوں
سے ناواقف ہے تو پھر بیٹے کو نیا کام کس طرح سکھائے۔نتیجہ یہ ہے کہ جو چیز
باپ بناتا تھا بیٹا بھی بعینہ وہی بناتا ہے۔لوگ دوسرے ملک کی بنی
ہوئی نئی نئی وضع کی چیزیں خریدتے ہیں اور اپنے ہاں کی چیزوں
کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔جہالت اور ناواقفیت کا وبال
خود انہیں دستکاروں کے سر پڑتا ہے۔اس مرض کا ایک علاج ہے
وہ یہ کہ دستکاروں کے لڑکوں کی صنعتی تعلیم کا کوئی ایسا اہتمام کیا جائے

باب دوم
فصل (۱۰)

کہ وہ نئے آلات نئی پیداوار خام نئی مصنوعات۔ ان سب سے واقف ہو کر ایسی ہی عمدگی سے نیا کام کریں جیسے ان کے بزرگ پرانا کام کرتے تھے۔ چنانچہ صنعت و حرفت کے جو مدرسے جاری ہو رہے ہیں ان کا یہی مقصد ہے کہ تعلیم پاکر آجکل کے دستکار جدید وضع کی چیزیں ایسی ہی نفیس اور عمدہ تیار کرسکیں جیسے کہ اِن کے بزرگ اپنے زمانے میں کیا کرتے تھے گویا مہارت ویسی ہی عمدہ رہے بلکہ اس سے بھی اعلیٰ ہو اور ساتھ ہی نئی وضع کی چیزیں تیار ہوں جن کا آجکل رواج پھیلا ہوا ہے۔ پُرانی وضع کی چیزیں بنانے میں خواہ وہ کیسی نفیس ہوں ہندوستانی دستکار اپنا وقت و محنت ضائع نہ کریں اس لئے کہ اب ان کا کوئی خریدار نہیں۔ جو چیزیں مطلوب ہوں وہی بنائیں +

مہارت کی مذکورۂ بالا مثال میں دستکاروں کا کام پیش کیا گیا۔ لیکن انہی معنوں میں مہارت کا اطلاق زراعت کے کام پر بھی ہو سکتا ہے جو شخص ہل جوتتا ہے یا گاڑی ہانکتا ہے اس کو بھی مہارت درکار ہے یعنی اسکو بھی کچھ مشق اور واقفیت کی ضرورت ہے۔ اور جب کسان کے بال بچے کھیتی باڑی کے کام کاج میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کو اس قسم کی مہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ فنِ زراعت کو بھی اسی طرح بدلنا ضرور ہے۔ جیسے کہ صنعت و حرفت کو پُرانی فصلیں متروک ہو کر نئی نئی چیزیں کاشت ہوتی ہیں اور پیداوار بڑھانے کے لئے نئے نئے آلات و اوزار سے کام لیا جاتا ہے اور جب کاشتکار خود ہی ان تبدیلیوں سے بےخبر ہو تو بھلا وہ اپنی اولاد کو کیا سکھائیگا ع۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند + پس اگر لڑکے باپ سے بھی کام سیکھیں

باب دوم فصل (۱۰)

اور ساتھ ہی انکو ایسی تعلیم دی جائے کہ نئی نئی ضرورتوں سے بھی واقف ہو جائیں تو زراعت کے حق میں بہت مفید ہو۔ حاصل کلام یہ کہ پیدائش دولت کے ہر دو شعبوں میں خواہ زراعت ہو یا صنعت و حرفت اسی امر کی ضرورت ہے کہ لڑکے والدین سے بھی کام سیکھیں اور کسی دوسرے ذریعے سے نئے طریقوں اور چیزوں کو معلوم کریں تاکہ ہر لحاظ سے ان کی مہارت عمدہ ہو جائے ۞

صفات اخلاقی

صفات اخلاقی سے اس قسم کی خوبیاں مراد ہیں جیسے کہ ایمانداری باقاعدگی اور تندہی وغیرہ جو کہ پیدائش دولت میں بہت معاون اور قابل قدر ہیں۔ ایک تو وہ مزدور ہے جو کسی نگرانی بغیر بھی نہایت محنت اور استقلال سے کام کرتا ہے اور دوسرا وہ کہ سستی اور بددلی سے کام ٹرخا دے اور جہاں آجر اُٹھا اس نے ہاتھ پانوں ڈال دئے۔ بھلا اس کام چور کا پہلے مزدور سے کیا مقابلہ۔ بعض مزدور سونے چاندی کا کام کرتے ہیں اور کیا امکان کہ ایک رتی کا فرق کریں۔ اور ایسے بھی مزدور ہوتے ہیں کہ ذرا آنکھ بچی اور مال غائب۔ غرض مزدور مزدور سب ایک سے نہیں ہوتے۔ بعض زیادہ محنتی اور ایماندار ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس کاہل اور ہاتھ چالاک۔ علم معاشیات میں وہ سب اسباب تو بیان ہو نہیں سکتے جن سے ایمانداری اور جفاکشی جیسی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں بعض اہم اسباب تو قوم کی تاریخ میں مضمر ہیں بعض کا پتہ اس تعلیم و تربیت سے چلے گا جو بچوں کو دی جاتی ہے۔ بعض کا منبع وہ مذہبی اور اخلاقی خیالات و روایات ہیں جو قوم میں رائج ہیں۔ لیکن ایک معاشی سبب بھی بہت پُر اثر اور قابل توجہ ہے وہ یہ کہ عمدہ کام کرنے کا انعام دیتا

باب دوم فصل ۱۰۔۱

عام مقولہ ہے کہ مزدور خوش دل کند کار بیش، اگر معمولی اجرت کے علاوہ عمدہ کام پر کچھ انعام بھی دیا جائے تو غالباً مزدور اچھا کام کرے گا اور ممکن ہے کہ کام کی عمدگی انعام سے بھی بڑھی رہے یعنی انعام دینے میں آجر کا جو کچھ خرچ ہو اس سے زیادہ رقم کام کی عمدگی سے وصول ہو جاوے۔ مزدور کے رجحان کی یہ سب سے سادہ مثال ہے۔ مزدور کو اجرت زیادہ ملے گی تو وہ کام بھی اچھا کرے گا چنانچہ ایک حد تک اجرت بڑھا کر آجر پیدائش دولت میں اضافہ کرسکتا ہے۔ لیکن اضافہ اجرت کی بھی ایک حد ہے اور وہ حد بہت غور طلب ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ مزدور کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے اسکے پٹھے سست پڑجاتے ہیں۔ بدن دُکھنے لگتا ہے اور جب مزدور کام کئے ہی چلا جائے اور آرام نہ لے تو پٹھے اور جسم تھک جانے کی وجہ سے ضروری حرکات جلد اور ٹھیک ٹھیک نہیں ہوتیں۔ کام بھی خراب ہونے لگتا ہے اس کی دوسری مثال یوں سمجھو کہ کرکٹ میں جب گیند انداز تھک جاتا ہے تو خواہ کیسا ہی مشاق اور باکمال کیوں نہ ہو گیند ٹھیک ٹھیک نہیں پھینک سکتا۔ پس جو انعام دیا جاوے وہ اس قدر ہو کہ مزدور اچھے سے اچھا کام کر دکھائے۔ نہ اس قدر کہ وہ جان کھپانے اور از حد تھکنے پر مجبور ہو۔ اس لئے انعام کی مناسب مقدار تجویز کرنی بھی آجر کے واسطے ایک نازک کام ہے ×

جس رجحان کا ہم نے اوپر ذکر کیا ایک حد تک تو وہ مزدوری پیشہ لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن ان دستکاروں اور کاشتکاروں پر اس کا اثر اور بھی غالب ہے جو خود اپنے مزدور ہیں۔ یعنی جو نہ اجرت پر بلکہ بطور خود کام کرتے ہیں اور عمدہ کام کرنے سے جو مزید آمدنی ہوتی ہے اسکے

باب دوم
فصل (۱۰)

خود ہی مالک بنتے ہیں۔ چنانچہ تحقیق ہوا ہے کہ بحیثیت مجموعی یہ لوگ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں سے کہیں زیادہ عمدہ کام کرتے ہیں۔ لیکن ایسی عمدہ حالت بر قرار رہنے کے لئے اُن کو یہ یقین ہوجانا بھی ضرور ہے کہ وہ جو کچھ کمائیں گے انہی کا حصہ ہوگا۔ کوئی دوسرا اس کو نہ چھین سکے گا۔ اگر دستکار کو یہ خوف ہو کہ چور ڈاکو اس کا مال لے جاویں گے یا کسی خودسر حکومت کے افسر اس کا مال ضبط کرلیں گے تو وہ کبھی دل لگاکر کام نہ کرے گا۔ اسی طرح اگر کاشتکار کو اندیشہ ہو کہ زائد منافع زمیندار لگان کے بہانے سے ہتھیا لے گا تو وہ بھی کھیتی باڑی میں جان نہ مارے گا بلکہ کچھ یوں ہی گزر کرتا رہے گا۔ اب یہاں ایک بڑا مسئلہ چھڑتا ہے وہ یہ کہ عمدہ حکومت کے کیا برکات ہیں اور عمدہ قوانین مزارعین کے کیا کیا فوائد ہیں۔ لیکن یہ بحث یہاں پر قبل از وقت ہوگی۔ اس پر غور کرنے کا طالب علم کو آئندہ موقع ملے گا۔ سردست اس قدر جاننا کافی ہے کہ ان چیزوں یعنی حکومت اور قوانین کا بھی مزدوروں کے کام کی خوبی اور عمدگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے +

معاشیات میں مزدوروں کے سلیقے کو کارکردگی سے تعبیر کرتے ہیں اس لفظ سے مراد یہ ہے کہ محنت کی کسی مقدار سے جس قدر دولت پیدا ہو وہ اس کے مصارف سے حتی الوسع زیادہ ہو اور ہر ایک آجر کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جس قدر مزدوروں کو کام میں لگائے اُن میں اعلیٰ سے اعلیٰ کارکردگی موجود ہو یعنی مصارف کے مقابل پیداوار بہت زیادہ رہے۔ آجر کو اعلیٰ اجرت اور نیز انعام وغیرہ مزدوروں کے واسطے پیش کرنے چاہئیں تاکہ وہ جس قدر عمدہ کام کرسکیں کریں۔ سامان جو کام میں درکار ہو اس کو ضائع

باب دوم فصل (۱۰) نہ کریں۔ آلات و اوزار جن سے کام لیا جاوے ان کو خراب نہ کر ڈالیں۔ غرضکہ تندہی اور احتیاط سے کام کریں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ مزدور کس حالت میں کام کرتے ہیں شلاً اگر کمروں میں کافی روشنی یا ہوا کا گذر نہو تو وہاں عمدہ کام نہیں ہوسکتا۔ مزدوروں کی صحت کی خاطر کارخانے کی صفائی وغیرہ کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ اور کبھی کبھی تو عالی حوصلہ آجر مزدوروں کی اولاد کو تعلیم دیتے اور کام سکھاتے ہیں تاکہ آئندہ وہ کارخانے کے عمدہ کاریگر بنیں۔ گویا مزدوروں کی نگہداشت اور رکھ رکھاؤ آجر کا ایک اہم فرض ہے۔

معاشیات کے اکثر کتب نصاب میں تقسیم عمل کے متعلق لمبی چوڑی بحث پیش کی جاتی ہے۔ تسلسل مضامین تو مقتضی ہے کہ مختصراً وہ بحث اس موقع پر درج ہو لیکن اس کو اچھی طرح پر سمجھنے کے واسطے اول لفظ **اصل** کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔ پس اس وقت ہم اس بحث کو ملتوی کرکے محنت کی اعلیٰ قسموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو دماغی کام کہلاتی ہیں۔

فصل گیارہ

دماغی کام

آٹھویں فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ کام کرنے میں کچھ مدد پٹھوں سے لی جاتی ہے اور کچھ دماغ سے۔ جس محنت کا بیشتر مدار جسم پر ہے نہ کہ دماغ پر۔ اس کی مقدار اور عمدگی کے متعلق چند نہایت ضروری شرطیں گذشتہ دو فصلوں میں بیان ہو چکی ہیں۔ اب ہمکو دیکھنا ہے کہ یہ شرائط دماغی کام پر کس حد تک عائد ہوتی ہیں جو لوگ اب ہمارے پیش نظر ہیں وہ یا تو سرکاری ملازم ہیں یا علمی کام کرنے والے مثلاً ڈاکٹر اور وکلا یا تاجر اور کارخانے دار۔ یہ لوگ جو محنت کرتے ہیں اسکی عام خصوصیت یہ ہے کہ دماغ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور پٹھوں سے بہت کم ہندوستان میں عام طور لوگ ان سب طبقوں کو یک جنس نہ مانیں گے مثلاً سرکاری ملازم اب بھی تاجروں سے زیادہ معزز مانے جاتے ہیں لیکن معاشی نقطۂ نظر سے دونوں ہم پایہ ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی قسم کا کام سرانجام دیتے ہیں *

ترقی کا دماغی محنت کام سے تعلق

دیہات کے اکثر باشندے جسمانی محنت کے ذریعے سے روزی کماتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد آبادی کی مقدار پر منحصر ہے۔ لیکن

باب دوم
فصل (۱)

کرنے والوں کے متعلق یہ قول درست نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مجموعی آبادی کا ایک جزو قلیل ہوتے ہیں۔ اور ان کی تعداد بیشتر قوم کی ترقی پر منحصر ہوتی ہے پس ماندہ قوم میں جہاں علم اور کاروبار کا چرچا نہ ہو دماغی کام کرنے والے عنقا ہوں گے۔ لیکن جوں جوں علم، تجارت اور صنعت و حرفت پھیلتی ہے ان کی جماعت بھی بڑھنی شروع ہوتی ہے۔ گویا دماغی محنت کرنے والے تہذیب و تمدن کی ترقی سے پیدا ہوتے ہیں +

بلحاظ نقل و حرکت دماغی کام کرنے والے جسمانی کام کرنے والوں کے مقابلے میں زیادہ آزاد ہیں مثلاً تاجر یا ڈاکٹر یا وکیل جہاں چاہے دور دور مقام پر جا کر اپنا کاروبار شروع کرسکتا ہے۔ وہ اس معاملے میں دستکار کی طرح پورا آزاد ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ وسعت معلومات کی بدولت وہ بہ سہولت معلوم کرسکتا ہے کہ کہاں جانا سب سے زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ لیکن وکیل یا تاجر کو بھی قطعاً آزاد نہ سمجھنا چاہیئے۔ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی اپنے گھر کنبے میں رہنے کا شائق ہے۔ اور اگر وہ پردیس میں جا کر کام شروع کرے تو اُس کو اپنے چلتے ہوئے کام یا کاروباری ہر دل عزیزی سے دست بردار ہونا پڑے گا جو اس کو وطن میں حاصل تھی۔ کارخانہ دار کو جگہ بدلنے میں یہ بھی دقّت ہوگی کہ وہ کارخانے کی عمارات اور کلوں کو کہاں اور کیونکر لیجائے۔ پس معلوم ہوا کہ مزدوروں کے اُن طبقوں میں بھی جو دماغی کام کرتے ہیں نقل مقام مکمل نہیں۔ یعنی یہ لوگ بھی بلا تکلّف ہر جگہ نہیں جا سکتے اور رہا نقل و حرکت کا دوسرا پہلو یعنی پیشہ بدلنا یہ بھی اس وجہ سے مشکل ہے کہ ان پیشوں کے واسطے خاص خاص قسم کی تربیت درکار ہے۔ مثلاً وکیل کے واسطے یہ تو ممکن ہے

باب دوم
فصل (۱۱)

کہ وہ سرکاری ملازمت کرے یا تاجر بن جائے لیکن عرصے تک تعلیم پائے بغیر وہ ڈاکٹر یا انجینیر نہیں بن سکتا۔ ان پیشوں کے واسطے اسقدر مخصوص تعلیم درکار ہے کہ جب تک والدین لڑکوں کو شروع ہی سے ویسی تعلیم نہ دلائیں وہ ان پیشوں کو نہیں چلا سکتے خاص تعلیم حاصل کئے بغیر ہر کوئی ان میں شریک نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی لڑکا یا اُس کے والدین یہ قرار دیں کہ وہ وکیل یا ڈاکٹر بنے اب اگر وہ امتحان پاس کرکے سند حاصل کرلے تو اُس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے اپنا کام شروع کردے۔ جگہ منتخب کرنے میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہاں پیشے کے واسطے کس قدر گنجائش ہے۔ یعنی کسقدر ڈاکٹر یا وکیل موجود ہیں اور کتنوں کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ دوم یہ کہ وہاں ایسے بارسوخ لوگوں سے تعلقات بھی ہوں کہ جن کی مدد سے اپنے کار و بار کو فروغ ہو ان پیشوں میں اثر اور تعلقات کو بڑا دخل ہے۔ ان کی بدولت آدمی کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے ؛

ذات پات

دماغی کام کرنے والوں پر ذات پات کا اثر اس قدر گہرا نہیں ہے جتناکہ جسمانی کام کرنے والوں پر۔ یہ ضروری نہیں کہ وکیل کا لڑکا بھی وکیل ہو بلکہ وہ چاہے تو ڈاکٹر ۔ پروفیسر یا تاجر بن سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ دماغی کام کرنے والوں کی مناسب تعداد بآسانی بہم پہنچ جاتی ہے۔ تاہم عادات اور خاندانی روایات کا بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہندوستان میں پیدائش دولت محض اس وجہ سے بہت رُکی ہوئی ہے کہ لوگ چند پیشوں مثل وکالت اور ملازمت کے پیچھے پڑگئے ہیں اور یہ نہیں کہ کارخانے اور کاروبار جاری کریں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اب تک بیشتر دماغی کام چند اعلیٰ فرقوں کے حصے میں رہا ہے۔ کہنے کو

باب دوم فصل (۱۱)

تو پیشہ اختیار کرنے میں ہر کسی کو آزادی حاصل ہے لیکن دقت یہ ہے کہ اول تو ادنیٰ ذات والوں کو کافی تعلیم میسر نہیں ہوتی۔ دوم پرانے تعصبات ان کی ترقی میں سدراہ ہوتے ہیں۔ مثلاً نیچ ذات کا بچہ پڑھ لکھکر خواہ کتنا ہی قابل بن جائے۔ لیکن پھر بھی اونچی ذات والے اس کو اعزاز کی نظر سے نہ دیکھیں گے البتہ کہیں پردیس میں اس کو عروج ہو تو ہو۔ وطن میں اس کو ترقی کی بہت کم امید ہو سکتی ہے ؛

اب دماغی کام کرنے والوں کی خوبی یا کارکردگی پر غور کرو تو اس کے بھی وہی تین اسباب ہیں جو کہ جسمانی کام کرنے والوں کے متعلق بیان ہوچکے ہیں۔ مزدور کو جسمانی طاقت درکار ہے تو دماغی کام کرنے والوں کو قوت دماغ کی ضرورت ہے اور اب تک قطعی طور پر یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ یہ دونوں قسم کی قوتیں کسی قوم یا فرقے میں کیونکر بڑھائی جاسکتی ہیں دماغی کام کرنے والوں کو ہاتھوں کے بجائے ذہن کی تربیت سے مہارت حاصل ہوتی ہے اور یہی تربیت عام تعلیم کا اصل مقصد ہے۔ زبانوں، تاریخ، منطق، فلسفہ اور علم ریاضی وغیرہ کے مطالعے سے اول اول طالب علم کے ذہن کو مشق اور تربیت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے قوائے ذہنی پوری نشوونما پا لیتے ہیں۔ اور جب یہ بات پیدا ہوگئی تو پھر وہ جو پیشہ اختیار کرنا چاہے اُسی کے متعلق علوم و فنون خاص طور پر کچھ عرصے تک مطالعہ کرے بالفاظ دیگر اسکو کسی ٹریننگ کالج میں داخل ہونا پڑے گا جہاں وکلا یا ڈاکٹروں یا معلموں کو تعلیم دی جاتی ہو یا کسی کارخانے یا دفتر میں رہ کر کام سیکھنا ضروری ہوگا۔ بالعموم جو تربیت دماغی کام کے واسطے درکار ہے اس کے حاصل کرنے میں بمقابل جسمانی کام کی تربیت کے زیادہ دقت اور

باب دوم
فصل (۱۱)

محنت صرف ہوتی ہے۔ حالانکہ ہر دو قسم کی تربیت کی ماہیت ایک ہی ہے یعنی وہ کام کی مشق اور تکرار سے حاصل ہوتی ہے ٭

وہ صفاتِ اخلاقی بھی جن کا کارکردگی پر اثر پڑتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں۔ تندہی طاقت اور ایمانداری کی حاکم وکیل یا تاجر کو اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ مزدور یا دست کار کو۔ اور کام کا جو معاوضہ ملتا ہے اس کا بھی بہرصورت کام کرنے والے کی طبیعت اور کارکردگی پر یکساں اثر پڑتا ہے یعنی اجرت کی بیشی سے وہ خوش ہوتا ہے اور کمی سے پژمردہ اور "مزدور خوش دل کند کار بیش" کا مقولہ سب پر صادق آتا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ مزدور فی نفسہٖ کام کا کس قدر خیال اور اس کی اہمیت کا کس قدر لحاظ کرتا ہے اس میں مزدوروں کی حالت مختلف ہوتی ہے بعض تو کام کی زیادہ پرواہ کرتے ہیں اور بعض کم اور مزدوروں کی اس خاصیت کا پیدائش دولت پر بہت کچھ اثر پڑتا ہے ٭

عمدگی کی خواہش

ہر شخص کی یہی کیفیت ہے کہ اچھا کام کرنے سے اس کو تھوڑی بہت مسرت ضرور محسوس ہوتی ہے۔ یہ انسانی فطرت کا ایک خاصہ ہے معاشیات کو اسکے اسباب سے تو کچھ بحث نہیں۔ البتہ اس کے اثرات ضرور قابلِ لحاظ ہیں دستکار یا مزدور بھی اچھا کام کرکے خوش ہوتا ہے۔ خاکروب تک اپنے کام کی عمدگی پر ناز کرتا ہے۔ ادنیٰ درجے کے مزدور اس خوشی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے لیکن وہ محسوس ان کو بھی ہوتی ہے اور جب کام بگڑ جاتا ہے تو ان کو بھی قلق ہوتا ہے لیکن دماغی کام کرنے والوں کو اپنے کام کی عمدگی کا بڑا خیال رہتا ہے۔ اور کام کی خوبی پر اس کا اثر بھی بہت پڑتا ہے۔ نفاست کے کاموں مثلاً تصنیف و تالیف یا مصوری و نقاشی وغیرہ میں عمدگی اور خوبی

کی فکر بہت غالب رہتی ہے۔ بلکہ سچ پوچھیئے تو اکثر لوگ محض شوق کی خاطر یہ کام کرتے ہیں۔ اور جو کچھ مالی منفعت یا شہرت و عزت حاصل ہوتی ہے اسکا ان کو بہت کم خیال ہوتا ہے۔ بعض بعض ڈاکٹر ان غریبوں کا علاج معالجہ جو فیس دینے کی استطاعت نہیں رکھتے اسی غور و توجہ سے کرتے ہیں جیسے کہ امیروں اور دولتمندوں کا۔ اعلیٰ درجے کے معلموں کو پڑھانے کے معاوضے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ اور جو لوگ علمی تحقیقات میں مصروف ہیں وہ تو کام کے شوق میں مالی نقصان تک گوارہ کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے کام کرنے والوں میں تو عمدہ کام کرنیکی خوشی خوب نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ خوشی کاشتکار کو بھی محسوس ہوتی ہے جبکہ وہ کھیت میں سیدھا اور ہموار ہل چلاتا ہے یا کمھار کو جبکہ وہ چکنی مٹی لیکر چاک پر سڈول اور خوشنما صراحیاں اور پیالے بناتا ہے +

معاشی کو تو صرف اس واقعے سے سروکار ہے کہ لوگوں کو عمدہ کام کرنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس طبعی خاصے کا اثر پیدائش دولت پر بہت کچھ پڑتا ہے۔ عمدہ بنی ہوئی چیزیں خراب بنی ہوئی چیزوں سے زیادہ کارآمد اور قابل قدر ہوتی ہیں گویا وہ دولت کی بڑی مقدار ہیں پس اگر یونہیں جلدی میں خراب چیزیں تیار کر دی جائیں ان کا شمار دولت میں اس حدتک نہ ہوگا جتنا اُن عمدہ چیزوں کا جن سے احتیاجات بدرجۂ اعلیٰ پوری ہوتی ہیں گویا کسی کام سے دولت میں جسقدر اضافہ ہوتا ہے اس کی مقدار پر کام کی خوبی کا بھی اثر پڑتا ہے۔ مثلاً ایک سُنار ہے جس کو اپنے کمال پر بہت ناز ہے اور جو اچھی سی اچھی چیزیں گھڑتا ہے اور کبھی چلتا ہوا کام نہیں بناتا۔ اب فرض کرو کہ وہی سُنار کسی صراف کا قرضدار ہو جائے اور اسی کے یہاں اجرت پر کام کرے۔ صراف کو تو معمولی قسم کی چیزیں بنوانی منظور ہیں جو عوام خریدتے ہیں۔

سُنار کو صراف کی مرضی کے تابع ہو کر معمولی چیزیں تیار کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اب وہ باب دوم
عمدہ کام کرنے کی خوشی سے محروم رہتا ہے اور اس کی قوت پیدا آوری بھی ضائع فصل (۱۱)
ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ رفتہ رفتہ وہ معمولی کام کا
اس درجہ عادی ہو جاتا ہے کہ اگر آئندہ اس کو آزادی حاصل ہو بھی تو مہارت
نہ رہنے کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجے کا کام نہیں کر سکے گا اور غالباً اس کا
دل بھی مرجائے گا اور عمدہ کام کو نہ چاہے گا۔ اس صورت میں قوت پیدا آوری
بہت برباد ہوتی ہے۔ خواہ کوئی سُنار کسی صراف کے یہاں حسب مثال بالا
کام کرتا ہو یا ہوشیار معلم ایسے لوگوں کی ماتحتی میں کام کرے جن کو عمدہ تعلیم
کی قدر نہ ہو یا کوئی عالی خیال مصنف کسی اخبار کے واسطے ادنیٰ درجے
کے مضامین لکھے۔ ہندوستانی طالب علموں کے واسطے یہ نکتہ خاص طور
پر قابل توجہ ہے کیونکہ قدیم صنعت و حرفت میں خوبیاں محض اس وجہ سے
غائب ہوتی جاتی ہیں کہ ہوشیار کاریگروں اور دستکاروں سے ادنیٰ قسم کا
کام کرایا جاتا ہے +

اس فصل میں بخوبی واضح ہو گیا کہ بحیثیت عاملین پیدائش جسمانی محنت اور
دماغی محنت کی ایک سی حالت ہے۔ گو وہ محنت کی دو جداگانہ قسمیں ہیں۔
یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم تبادلہ ممکن ہے اور اس وقت ترقی
کا رجحان یہ ہے کہ جسمانی کام گھٹا کر دماغی کام بڑھایا جاوے۔ البتہ ہندوستان میں
ابھی تک یہ تبدیلی بہت کم عمل میں آئی ہے چنانچہ ہندوستانی طالب علم کو
تعجب ہوتا ہے کہ یورپ کے معاشیئین اپنی تصانیف میں جسمانی محنت کا
اس قدر کم ذکر کیوں کرتے ہیں مذکورہ بالا تبدیلی کی دو صورتیں ہیں۔ انجنوں
کا استعمال اور کلوں کا رواج +

باب دوم
فصل (۱۱)

حیوان یا انسان کی جسمانی طاقت کے بجائے بھاپ یا برقی قوت کے زور سے انجن چلتے ہیں اول اول انسان اپنی ہی طاقت سے کام کرتا تھا اس کے بعد حیوانوں سے کام لینے لگا۔ مثلاً ہل یا گاڑی کو بیلوں کی جوٹ کھینچتی ہے لیکن اگر چاہیں تو چند آدمی بھی مل کر کھینچ سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ بیل اور گھوڑوں کی بدولت بہت سے لوگوں کی محنت بچ جاتی ہے۔ اسی طرح جس قدر کام ایک محرک انجن کرتا ہے اس کو بیلوں کی بہت سی جوتیں مل کر انجام دے سکتی ہیں۔ مثلاً مال گاڑی جس میں ایک انجن لگا ہوتا ہے بارہ ہزار من یا اس سے بھی زیادہ مال لیجاتی ہے اب خیال کرو کہ اس قدر بوجھ کھینچنے کے واسطے کتنے سو بیل درکار ہونگے اور پھر ان کی چال کو ریل کی رفتار سے کیا نسبت یہ اس کی گرد بھی نہیں پا سکتے جب انجن کی طاقت کا یہ حال ہو تو ان کا سا کام ہزارہا آدمی بھی مل کر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ آجکل ہندوستان میں ریل کے انجن جسقدر کام کر رہے ہیں اتنا کام اگر ہندوستان کے کل باشندے بھی اپنی مجموعی جسمانی طاقت سے کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایسی گراں وزن اور اتنی بیشمار سواری اور مال گاڑیاں انسان اپنی طاقت سے اتنی دور دور شب و روز اس رفتار سے دوڑائے پھرے۔ ہندوستان میں ریلوں کے علاوہ ابتک دوسرے کاموں میں انجن کم استعمال ہوتے ہیں لیکن کچھ عرصے سے ان کا رواج ہر طرف پھیل رہا ہے اور اب ہندوستان میں کپاس اوٹنے اور روئی دابنے۔ کپڑا بننے آٹا پیسنے کاغذ بنانے اور سن بٹنے کے کارخانے جاری ہو رہے ہیں جن میں انجن اور کلوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور قسم کے کاموں میں بھی تیل

یا بھاپ سے چلنے والے انجن استعمال ہوتے لگے ہیں ان بیشمار انجنوں سے جسمانی طاقت کی جسقدر کفایت ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔

باب دوم فصل (۱۱)

انجن سے مراد وہ کل یا مشین ہے جو قوت محرکہ مہیا کرے یعنی جسکے زور سے باقی کلیں چلیں۔ محض کل یا مشین سے ایسی چیزیں مراد ہیں جن سے کام میں مدد ملے اور جو ساخت میں آلات یا اوزار سے زیادہ پیچیدہ ہوں۔ پہلے تو لوگ سب کام ہاتھ سے کرتے تھے۔ یا آلات و اوزار استعمال کرتے تھے۔ لیکن اب اکثر کاموں میں کلوں کا رواج بڑھ رہا ہے۔ مثلاً آجکل درزی ہاتھ کی سوئی کے بجائے سنگر مشین سے کپڑا سیتے ہیں اس سے پہلے بیان ہوچکا ہے کہ جسمانی محنت میں پٹھوں کو حرکت دینی پڑتی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ چیزوں کی ترکیب اور ترتیب بدل جائے۔ تجربے سے ثابت ہوا کہ ایسی کلیں بھی بن سکتی ہیں جو پٹھوں کی سی حرکت کریں کلیں بالکل انسان کی طرح حرکت کرتی ہیں۔ اور زیادہ سرعت سے کرتی ہیں۔ خصوصاً اگر ان میں انجن لگا ہو۔ دنیا کا بیشتر کام آجکل کلوں ہی سے چلتا ہے لیکن ابھی تک ان کا رواج مقابلتہً ہندوستان میں کم ہے +

ایک سیدھا سا کام لو۔ مثلاً کپاس کی اوٹائی یعنی بنولہ سے ریشہ جدا کرنا پہلے کپاس ہاتھ سے اوٹی جاتی تھی عورتیں اور بچے ایک ہاتھ سے تو چرخی میں کپاس ٹھونستے اور دوسرے ہاتھ سے چرخی چلاتے تھے۔ جب کپاس چرخی کے دونوں بیلنوں میں دبتی تھی تو روئی بنولے سے الگ ہوجاتی تھی۔ اب بھی کبھی کبھی لوگ ہاتھ سے کپاس اوٹتے ہیں۔ لیکن اکثر مقامات پر جہاں کپاس بکثرت پیدا ہوتی ہے کارخانے قائم ہوگئے ہیں

باب دوم
فصل (۱۱)

جہاں کپاس کل سے اوٹی جاتی ہے کاشتکار اپنی کپاس کارخانہ والے کے ہاتھ بیچ کر الگ ہو جاتا ہے۔ ہاتھ کی چرخی مشین کی چرخی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے البتہ یہ فرق ہے کہ کل کی چرخی کے بیلن بہت لانبے ہوتے ہیں اور ہاتھ کے بجائے وہ دخانی انجن کے زور سے چلتی ہے اسی طرح اب کتائی اور بُنائی کا کام بھی کل کے ذریعہ سے ہوتا ہے سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے بڑے بڑے کارخانے جاری ہیں۔ چرخہ تو مدت ہوئی بند ہوگیا البتہ نوربافت کا کرگھ ابھی تک قصبات میں چلتا رہتا ہے۔ تاہم ترقی یافتہ ممالک میں کپڑے کے صنعت پر کل نے جس قدر تسلط پایا ہے اس کی مثال کم نظر آتی ہے۔ انجن اور کلوں نے بعض ملکوں خصوصاً انگلستان میں اس درجہ رواج پایا ہے کہ زراعت کے سوا اورکہیں ہاتھ سے کام کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے انگلستان میں بیشتر مال و سامان کل کے ذریعہ سے تیار ہوتا ہے وہاں ایسے بے شمار کار خانے موجود ہیں جیسے کہ چند کلکتہ۔ بمئی یا کانپور میں قائم ہیں۔ مقامی حالات سے متاثر ہوکر انگریزی معاشیین تو یہ خیال کرلیتے ہیں کہ ہرکہیں کلوں کا اسی قدر رواج ہے۔ گویا کہ یہ عام حالت ہے۔ ہندوستان میں بھی کلوں کا رواج پھیل رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ کا کام قصبات بلکہ دیہات تک میں بہت کچھ ترک ہوجائے گا اور جو کام ہوگا کل کے ذریعہ سے ہوگا۔ گویا ہندوستان میں بھی محنت کی وہی حالت ہوتی جاتی ہے جو یورپ میں نظر آتی ہے۔ اگرچہ ابھی تک بہت فرق باقی ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے کہ اس تبدیلی کا یعنی کل کے رواج کا پیدائش دولت اور

باب دوم
فصل (۱)

مزدوروں کی بہبودی پر کیا اثر پڑے گا۔ بالعموم تو اس تبدیلی سے پیدائش دولت میں اضافہ ہوا ہے اور مزدوروں کی حالت بھی سدھر گئی ہے۔لیکن جبتک تبدیلی پورے طور پر جاگزیں نہ ہوجائے۔یعنی کلوںکا رواج خوب نہ پھیل جائے تب تک دورانِ تبدیلی میں مزدوروں کو بیشک سخت مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے جب مشین اول اول بہت سا کام کرتی ہے۔تو بہت لوگوں کی مزدوری چھوٹ جاتی ہے۔کچھ تو ان کی ضرورت نہیں رہتی اور کچھ انہیں کلوں پر کام کرنا نہیں آتا۔البتہ کچھ عرصے بعد جب کارخانے ترقی کرتے ہیں تب مزدور بھی کل چلانے اور اُن پر کام کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ یورپ کی معاشی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ کلوں کا رواج ہوتے وقت دورانِ تبدیلی میں مزدور بہت تباہ ہوئے۔گو بعد کو اس نقصان کی تلافی ہوگئی۔ان تواریخ کے مطالعہ سے ہم کو یہ دریافت کرنا چاہیے کہ اس قسم کے مصائب سے ہندوستان میں مزدور کیوں کر محفوظ رکھے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا ضرور ہے کہ یہ تبدیلی گو اغلب ہے تاہم لابد نہیں ہے۔کسی آئندہ فصل میں اس مسئلہ پر مزید بحث کریں گے ؀

فصل بارہ

اصل

اصل کا مفہوم

اب ہم تیسرے عامل پیدائش پر غور کرتے ہیں جس کو اصطلاحاً **اصل** کہتے ہیں۔ پہلے اصل کی جگہ لفظ **راس المال** مستعمل تھا۔ چنانچہ اب بھی تجارت میں۔ یہ لفظ رائج ہے۔لیکن درحقیقت راس المال اصل کا جزو اعظم ہوتا ہے کل اصل کا راس المال ہونا ضروری نہیں۔ اب کاروباری زبان اور تصانیف معاشیات میں لفظ اصل بکثرت رائج ہوگیا ہے۔ اس لفظ کا مفہوم سرسری طور پر پہلے بھی بیان ہوچکا ہے۔ پیداوار خام جس سے مصنوعات تیار ہوں آلات واوزار اور کلیں وغیرہ جو استعمال ہوں اور نیز زرنقد جو مزدوروں کو اجرت دینے اور دیگر ضروریات متعلقۂ کاروبار میں صرف ہو۔ یہ سب مدیں اصل میں داخل ہیں۔مصنفین میں اصل کے مفہوم کی بابتہ بھی اختلاف رائے پھیلا ہوا ہے۔کسی کے نزدیک اس کے معنی کچھ ہیں اور کسی کے نزدیک کچھ چنانچہ کتاب پڑھتے وقت یہ تحقیق کرلینا ضروری ہے کہ اس کے مصنف نے اصل سے کیا معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن اس قدر سب کو تسلیم ہے کہ اصل بھی دولت کا ایک جزو ہے۔ دوم یہ کہ اصل کے مفہوم سے زمین خارج ہے۔گویا زمین کے علاوہ جو دولت ہے اصل

باب دوم فصل (۱۴)

اسی کا ایک حصہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس قسم کی دولت تو اصل شمار ہوتی ہے اور کس قسم کی نہیں ہوتی ❊

دولتِ محض اور اصل کے فرق کا پتہ ایک تو مالک دولت کی نیست اور ارادے سے چلتا ہے کہ وہ اپنی دولت کیونکر کام میں لانا چاہتا ہے اگر وہ دولت سے مزید دولت پیدا کرنے کا کام لے تو ایسی دولت اصل کہلائیگی اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ دولت اصل نہیں شمار ہو سکتی بلکہ دولتِ محض ہے۔ البتہ اگر وہ آئندہ اپنی رائے بدلدے اور اس سے پیدائش دولت کا کام لینا شروع کرے تو وہ اس وقت بیشک داخلِ اصل ہوجائیگی پس سردست اصل کی یہ تعریف کافی ہوگی کہ اصل سے مراد زمین کے سوا وہ دولت ہے جو مزید دولت پیدا کرنے کے کام آئے۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس تعریف میں دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور یہی حال دوسری تعریفوں کا بھی ہے۔ لیکن بالفعل یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مفہوم کی وسعت پر گو اختلاف ہوتے رہیں لیکن اصل کا مفہوم جو یہاں پیش کیا گیا ہے وہ دنیا کے قریب قریب کل اصل پر صادق آتا ہے ❊

اصل کی مثالیں

اصل کا مفہوم ان چند مثالوں سے خوب واضح ہوگا جو پانچویں فصل میں بیان ہوچکی ہیں۔ ہمکو معلوم ہے کہ کسان بھی بہت سا اصل استعمال کرتا ہے۔ مثلاً کنواں، مویشی، آلاتِ کشاورزی، تخم، کھاد اور زرِ نقد یا غلہ جس سے مزدوروں کی اجرت دیتا ہے اور اپنا کنبہ پالتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جو غلہ کاشتکار کے گھر میں رکھا ہوا ہے وہ اصل ہے یا نہیں اس کا جواب کاشتکار کی نیت پر منحصر ہے اگر وہ غلہ کاشتکار کی پرورش یا مزدوروں کی اجرت یا مویشیوں کے دانے یا کھیت کے بونے میں صرف

باب دوم فصل ۱۲
ہو تو بیشک اصل ہے۔ لیکن اگر وہ خیرات دینے کے لئے رکھا ہے تو اصل نہیں ہوسکتا چونکہ کاشتکار بالعموم کچھ غلہ خیرات دیا کرتے ہیں۔ غالباً اس ذخیرہ کا ایک حصہ اصل نہ ہوگا۔

ایک اور مثال لو۔ مثلاً کسی زمیندار کے پاس ایک لاکھ روپیہ جمع ہے تو کیا یہ اصل ہے؟ اگر یہ روپیہ بطور اندوختہ محض بیکار رہے تو اصل نہیں کہلا سکتا۔ لیکن اگر وہ کسی کام میں لگا دیا جاوے۔ مثلاً کاشتکاروں کو مویشی اور تخم خریدنے کے واسطے قرض دیدیا جاوے تاکہ اس سے مزید دولت پیدا ہو تو وہ ضرور اصل شمار ہوگا۔ گویا سارا دارومدار نیت پر ہے اگر اس رقم سے زمیندار کا ارادہ کام لینے کا ہو تو وہ رقم دولتِ محض کے بجائے اصل بنجاتی ہے۔

اسی طرح سے ہر چیز کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیا وہ اصل ہے یا نہیں۔ صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ اس چیز کا مصرف کیا ہے۔ طلباء کو چاہئے کہ قصبات و دیہات میں جو جو چیزیں ان کی نظر پڑیں۔ ان کے متعلق غور و بحث کریں کہ آیا وہ اصل ہیں یا نہیں۔

ہندوستان میں جس قدر لوگ بھی دولت پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ تھوڑا بہت اصل ضرور استعمال کرتے ہیں گو اس کی مقدار کے بیشمار مدارج ہیں۔ پانچویں فصل میں گھسیارے کی جو مثال ہمنے بیان کی تو محض سہولت کی خاطر ہمنے یہ مان لیا کہ اول اول اس کے پاس کوئی آلہ یا اوزار نہ تھا۔ لیکن از حد پس ماندہ ملکوں کی جنگلی قوموں کے سوا کہیں بھی یہ ممکن نہیں کہ آدمی بالکل نہتا ہو اور اس کے پاس کام کرنے کا کوئی سامان ہی نہ ہو۔ سقہ کے پاس بھی

مشکل ہوتی ہے خاکروب تک جھاڑو استعمال کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ اصل عامل پیدائش ہے اور ایک ناگزیر عامل ہے۔ اس کے بغیر لوگ دولت پیدا کرہی نہیں سکتے اور بالخصوص ممالک یورپ میں تو جہاں صنعت و حرفت بدرجہ اعلیٰ ترقی کرچکی ہے۔ اصل گویا پیدائش دولت کی روح رواں ہے۔

باب دوم فصل ۱۲

معاشی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ترقی کا رجحان ہی یہ ہے کہ مزدوروں کی تعداد کے مقابل اصل زیادہ بڑھے یا یوں کہو کہ بہ نسبت سابق مزدوروں کو زیادہ زیادہ اصل سے کام لینا پڑے۔ مثلاً جو درزی پہلے چھدام کی سوئی سے اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا سیتا تھا۔ معمولی کپڑا سینے میں بھی اب وہ دو سو روپیہ کی سنگر مشین سے کام لیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو شخص دولت پیدا کرنی چاہے وہ اصل کہاں سے لائے یا تو وہ خود پس انداز کرے یا کسی اور سے مستعار لے۔ ان ہر دو طریق پر غور کرنیکی ضرورت ہے۔

پس اندازی اور قرض ستانی

پس انداز کرنے یا جوڑنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص جس قدر کمائے اس سے کم خرچ کرے اور جو باقی بچے اس کو آئندہ کے واسطے رکھتا جائے مذکورہ بالا گھسیارے نے پیسہ روز جوڑ جوڑ کر چار آنے جمع کئے اور پھر اُس سے کھرپا خریدا۔ بس یہی وہ طریق ہے جس سے ملک میں دولت بڑھتی ہے اور بالعموم دولت بڑھانے کی اور کوئی سبیل نہیں اگر لوگ جس قدر پیدا کریں اسی قدر صرف کرڈالیں تو پھر کس طرح پر اندوختہ فراہم ہوسکے۔ گویا جس قدر دولت اصل کا کام دے وہ گذشتہ زمانے میں کسی وقت پس انداز ہوئی ہوگی۔ اصل حاصل کرنے کا جو ہمنے دوسرا طریق بتایا ہے کہ کسی سے مستعار لے لیا جائے تو اُس سے اسکی مقدار میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ رہا تیسرا طریق یعنی کسی سے جبر کرکے

باب دوم یا دھوکہ دیکر اصل لے لینا۔ ہندوستان میں یہ طریقہ بھی مدتوں جاری رہ چکا ہے
فصل(۱۲) لیکن جب کبھی ذی اقتدار حکومت قائم ہوجاتی تھی تو پھر ایسا کرنے کی ہمت
نہیں پڑتی تھی۔ اب تو قانون تعزیرات ہند نے جبر اور دھوکہ دہی کو تعزیری
جرم قرار دیدیا ہے اور پولیس بھی ایسے لوگوں کی تاک میں لگی رہتی ہے
حصول اصل کی ایک صورت وراثت بھی ہے کہ دولت باپ یا کسی عزیز
سے ترکے میں پہنچے چنانچہ اکثر ایسا واقع ہوتا ہے لیکن یہ کیا ضرور ہے۔
کہ عین احتیاج کے وقت ورثہ ملے۔ پس جن لوگوں کو اصل کی ضرورت
ہو وہ کیونکر دولتمند اعزا کی موت پر منحصر رہ سکتے ہیں؟

یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی کسی کو اپنی خوشی سے اصل دیدے ہندوستان
میں اصل یوں بھی میسر آجاتا ہے لیکن اس کی مقدار بہت قلیل ہوتی
ہے لہذا حصول اصل کا یہ ذریعہ کچھ زیادہ کارآمد نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ
قریب قریب کل اصل یا تو بطور ورثہ ملتا ہے یا ایک چوتھے طریق پر یعنی
بطور قرض کے کہ جو اصل لیا جائے۔ لینے والا اس کی واپسی کا وعدہ کرے
اور اکثر قرض کے علاوہ کچھ مزید رقم قرض دینے والے کو بطور سود
یا منافع بھی دے۔

ذرائع دولت تاریخ ہندوستان کا اس زمانے تک پتا چلنا دشوار ہے جبکہ پس اندازی
کے طریق کی ابتدا ہوئی۔ یعنی جب تک کہ دولت کا کوئی اندوختہ ہی نہ تھا۔
وہ زمانہ اس عہد سے پہلے گذرا ہوگا جس کا ہندوؤں کی قدیم کتابوں
میں ذکر ہے۔ کیونکہ ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے میں
تو دولت کا اچھا خاصا اندوختہ موجود تھا۔ دنیا کی موجودہ پس ماندہ قوموں
کی حالت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اول پس اندازی کا

باب دوم فصل (۱۲)

طریق بہت آہستہ آہستہ بڑھا ہوگا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو یہ عادت پڑی ہوگی کہ جو کھانا زائد از ضرورت ہو اس کو اگلے وقت کے لئے اُٹھا رکھیں۔ انہوں نے بہت سیدھے سادے آلات واوزار بنائے ہونگے جو وحشی قوموں میں مستعمل پائے جاتے ہیں نیز مویشیوں کو سدھایا اور پالتو بنایا ہوگا۔ اغلب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول اول دولت انہی تین شکلوں میں پس انداز ہوئی ہوگی۔ یعنی خوراک۔ آلات اور مویشی۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی ابتدا کب ہوئی اور کس ترتیب سے ہوئی۔ بہر حال یہی تین چیزیں یعنی آئندہ کے واسطے خوراک کا ذخیرہ آلات و اوزار اور پالتو جانور اصل کے قدیم مفہوم میں داخل ہیں اور جب یہ مہیا ہوگئے تو دولت فراہم کرنے اور اندوختہ سے مزید دولت پیدا کرنے کی صورت نکل آئی پس اندازی کی رفتار تو معاشی تاریخ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ البتہ دولت کا یہ خاصہ ثابت ہے کہ وہ روز افزوں سرعت سے بڑھتی ہے۔ کبھی کبھی فراہمی دولت میں رکاوٹ بھی پیدا ہوتی ہوگی۔ بلکہ جنگ اور قحط جیسے مصائب سے کبھی کچھ اندوختہ ضائع اور برباد بھی ہوگیا ہوگا۔ لیکن فراہمی دولت میں جو سب سے بڑی سدراہ ہے وہ ایک ایسی حکومت کی عدم موجودگی ہے جو لوگوں کو اطمینان دلاسکے کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کے خود مالک رہیں گے کوئی دوسرا اس کو نہ چھین سکے گا۔

حکومت کی ضرورت

زبردست اور مستحکم حکومت کی اہمیت جتانی ضرور ہے وجہ یہ ہے کہ جب وہ قائم ہوجاتی ہے تو لوگ اس کا ہونا ایک قدرتی امر خیال کرکے اس کی خوبیوں پر تو نظر کم کرتے ہیں اور اس کے نقائص کی شکایت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ لوگ اسی وقت اپنی دولت لگاکر مزید دولت

باب دوم فصل (۱۲)

پیدا کریں گے جبکہ ان کو پختہ یقین ہو کہ جو کچھ دولت پیدا ہوگی وہی مالک بنکر اس کا لطف بھی اُٹھائیں گے۔ اگر ان کو یہ اطمینان نہ ہو تو وہ اپنی مملوکہ دولت سے کیوں کام لینے لگے۔ اور اپنی دولت بڑھانے کا انہیں کیا شوق ہوگا۔ پس جبکہ سرکار کی سختی اور پولیس کی چیرہ دستی کی شکایات سنی جائیں تو اُسوقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گو چوری اور دغابازی کا بالکل خاتمہ نہیں ہوا گو اب بھی رشوت چلتی ہو۔ تاہم لوگوں کی جماعت کثیر کو اطمینان ہے کہ وہ جو کچھ دولت کمائیں گے انہی کی ملک ہوگی اور جبتک یہ اطمینان حاصل نہ ہو ممکن نہیں کہ لوگ مزید دولت پیدا کرنے میں جان کھپائیں اور پسینہ بہائیں گویا امن و امان بغیر دولت فراہم ہونی محال ہے +

دولت اور اصل کا فرق۔

ابتک ہم ذخیرۂ دولت فراہم ہونے کا حال بیان کرتے رہے لیکن اس ذخیرہ اور ذخیرۂ اصل میں فرق ہے۔ اگر لوگ ذخیرہ جمع کریں لیکن اس سے مزید دولت پیدا کرنی مقصود نہو تو وہ ذخیرۂ دولت ہوگا۔ لیکن جب ارادہ بدل جائے اور مزید دولت پیدا کرنے کی نیت ہو تو وہی ذخیرہ اصل شمار ہوگا۔ دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی لوگوں کو دولت فراہم کرنے کا شوق ہے۔ لیکن ابھی یہاں اندوختہ کو بطور اصل کام میں لانے کا رواج کم ہے۔ چنانچہ اندوختہ کا جزو اعظم دولت ہے۔ حالانکہ اگر مالک اس سے مزید دولت پیدا کرنے کا فیصلہ کرلیں تو وہ اصل بن جائے۔ اس عدم توجہی کا خاص باعث یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے قیام سے پہلے یہاں صدیوں بد امنی رہ چکی ہے اور لوگوں کے دل سے اعتبار اور اطمینان غائب ہوگیا۔ لوگوں کو دولت کی ضرورت تو اس زمانے میں بھی تھی لیکن حاصل ہوئے بعد اسکی نگہداشت

دشوار تھی۔ پس لوگوں کو عادت پڑ گئی۔ کہ اپنی دولت ایسی شکل میں رکھیں کہ اس کو بآسانی چھپا کر ہر کہیں ساتھ لیجا سکیں۔ چنانچہ بیشتر دولت، سونے چاندی اور جواہرات کی شکل میں رہتی تھی۔ ان کا چھپانا اور لیجانا دونوں کام سہل تھے۔ ابتک یہ حالت ہے کہ جب دولت کی ضرورت نہیں ہوتی تو اسکو بطور دفینہ چھپا کر رکھتے ہیں لوگوں کی بے شمار دولت محض معطل اور بیکار پڑی ہوئی ہے۔ حالانکہ زراعت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے واسطے بہت سے اصل کی سخت ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک بہت غریب ہے حالانکہ اتنا افلاس نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جب پیدائش دولت کے ذرائع سے پورا پورا کام نہیں لیا جائے تو یہی حالت ہوگی جو اب ہے۔ معاشیات کے متعلم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسوقت ملک کو سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ جو دولت بیکار پڑی ہوئی ہے اس سے بطور اصل کام لیا جائے یعنی اس کو مزید دولت پیدا کرنے کے کام میں لگایا جائے تاکہ زراعت پھلے پھولے اور صنعت و حرفت کو بھی ترقی ہو ؛

فصل تیرہ

پیدائش کا انتظام۔ اپنی ضروریات خود بہم پہنچانیکا زمانہ

مدارج پیدائش

اب ہم کو یہ تحقیق کرنا ہے کہ عاملینِ پیدائش جو اوپر بیان ہو چکے ہیں کیونکر انتظام پاتے ہیں یعنی وہ کس اصول پر باہم مل جُل کر کام کرتے ہیں۔ کس طرح پر پیدائش دولت کے انتظام نے ترقی کی۔ یہ مسئلہ معاشی تاریخ کا ایک نہایت اہم جزو مانا جاتا ہے اس مسئلہ کے متعلق بعض ملکوں کی معاشی تاریخ میں تو بہت کچھ معلومات موجود ہے۔ لیکن ہندوستان کی معاشی تاریخ میں ابھی بہت سے واقعات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور تحقیق کرنے کی بہت ضرورت اور گنجائش باقی ہے۔ پیدائش کا انتظام بتدریج بڑھا اور پھیلا۔ تبدیلیاں اکثر آہستہ آہستہ نمودار ہوئیں۔ لیکن اس مسئلہ کی مفصل بحث بہت طویل ہوگی۔ اور اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ سرِدست ہم یہ کرسکتے ہیں کہ انتظام کی ترقی کے چند دَور قرار دیں۔ اور تبدیلیوں کے جو جو اسباب تھے ان کو تحقیق کر ڈالیں پیدائش کے انتظام میں ترقی کے تین دوَر حسب ذیل معین کرتے ہیں:-

(ا) خود پروروں کا عہد یعنی اپنی ضروریات خود بہم پہنچانا۔

(ب) دستکاروں کا عہد یعنی چھوٹے پیمانے پر بازار کے واسطے سامان

تیار کرنا۔

(ج) کارخانوں کا عہد یعنی بڑے پیمانے پہ بازار کے واسطے سامان بنانا۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ملک بھر میں ترقی کے یہ دور یکے بادیگرے اسی ترتیب سے ظہور پذیر ہوئے جیسے کہ مارچ کے بعد اپریل آتا ہے اور اپریل کے بعد مئی۔ جہانتک پتا چلتا ہے ترقی بہت تدریج کے ساتھ ہوئی۔ اور اس کی رفتار جگہ جگہ مختلف رہی ہے۔ حتیٰ کہ بعض وقت ایک ہی جگہ تینوں دور پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں اور یہ دیکھنے کا خوب موقع ملتا ہے کہ تبدیلیاں کیونکر عمل میں آتی ہیں۔ چنانچہ آجکل بھی یہ حالت ہے کہ ایک طرف تو ازحد قدیم طریق پہ عمل پیدائش جاری ہے اور اسی کے مقابل جدید ترین ایجادات سے کام لیا جارہا ہے دنیابھر میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں اس مسئلہ کے مطالعہ کے واسطے صرف ایک ہی دور نظر آئے یعنی ہر ملک میں کم وبیش تینوں دور موجود ہیں۔ تبدیلی کی رفتار نہ صرف ملک ملک میں مختلف رہی ہے بلکہ صنعت صنعت کے لحاظ سے بھی اُس میں فرق پڑجاتا ہے۔ زراعت نے بالخصوص بہت سُست رفتاری سے ترقی کی ہے۔ ہندوستان میں پیدائشِ دولت کا یہ شعبہ ابھی انتظام کے پہلے ہی دور میں چلا جاتا ہے اور عجب نہیں کہ عرصے تک اسکی یہی حالت رہے۔

ہمنے جو پہلے دور کو اپنی ضروریات خود بہم پہنچانے کے عہد سے نامزد کیا ہے تو آخر اس جملے کا کیا مفہوم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک گروہ کے لوگ اپنی کل ضروریات باہم مل کر خود مہیا کریں اور باہر والوں سے کچھ نہ لیں۔ بعض جنگلی قوموں کی غالباً ابتک یہی حالت

باب دوم
فصل (۱۳)

نظر آئے گی گو عملی حیثیت سے ایسی انتہائی حالت قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ہر گروہ اور ہر طبقے کے لوگ اپنی ضرورت کی تھوڑی بہت چیزیں دوسروں سے ضرور خریدتے ہیں تاہم واقعہ یہ ہے کہ قریب قریب کل ملک میں طریق زراعت کم و بیش اسی قدیم طریق پر جاری ہے اور بہت سے گانوں اب بھی اپنی اکثر ضروریات خود مہیا کرتے ہیں۔ باہر سے شاید ہی کوئی چیز منگاتے ہوں۔ اور چونکہ ہندوستان کا سب سے بڑا پیشہ زراعت ہی ہے۔ لہذا انتظام کے اس پہلے دور پر تفصیلی نظر ڈالنی ضروری معلوم ہوتی ہے ؛

اپنی ضروریات خود مہیا کرنے والے گانوں کی حالت

اگر ملک کے پس ماندہ حصوں کی حالت پر غور کرو اور جدید کاروبار کی ترقی سے جو حالتیں پیدا ہوگئی ہیں انکو نظر انداز کردو تو معلوم ہوگا کہ گانوں کے رہنے والے ابتک اپنی ضروریات خود مہیا کرتے ہیں۔ دیہاتیوں کے تین طبقے ہیں کاشتکار جن کے پاس زمین ہو۔ مزدور جو کاشتکار کے ہاں کام کریں۔ اور نوکر چاکر یا دستکار۔ کاشتکار کھیت بوتے ہیں اور فصل کی پیداوار کاشتکاروں، مزدوروں، ملازموں، اور دستکاروں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ اور اسی پر سب کی گذر ہے۔ اس کی تفصیل پر نظر ڈالو۔ لوگوں کو کھانے، کپڑے، مکان، آگ، روشنی، برتن اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے علاوہ براں کاشتکار کو تخم، مویشی اور آلات بھی درکار ہیں کھانے کے واسطے تو وہی غلہ، شکر اور روغن کافی ہے جو گانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ لباس کے واسطے گانوں کی روئی کاتکر وہیں کپڑا بنتے ہیں۔ رہنے کے واسطے مٹی کے کچے مکان بناتے ہیں اور جنگل کی لکڑی لیکر ان کو پاٹتے ہیں۔ یا ان پر گھاس پھوس کی چھپر یا گانوں کی بنی ہوئی کھپریل ڈالتے ہیں افتادہ زمین کے درخت اور مویشیوں کا گوبر ایندھن بن جاتا ہے۔ روشنی

باب دوم فصل (۱۳)

کے واسطے بعض تخموں مثلاً کڑ۔تل اور سرسوں سے تیل نکل آتا ہے۔ اور گانوں ہی میں کمہار مٹی کے برتن بنا دیتا ہے۔کنویں یا ندی نالے سے پانی مل جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گانوں بساتے وقت پانی کی فکر ضرور کر لی جاتی ہے۔ خواہ وہ کنووں سے ملے یا ندی نالے سے۔ اب رہیں کاشتکار کی خاص ضروریات۔ تخم تو خود کھیت کی پیداوار سے نکل آتا ہے گانوں کا بڑھئی آلات کشاورزی تیار کر دیتا ہے۔ رہے مویشی سو وہ زمینوں پر چر چرا کر پل جاتے ہیں۔ اگر کچھ لگان یا مالگذاری ادا کرنی ہوئی تو وہ بھی فصل کی پیداوار میں سے ادا ہو جاتی ہے۔

تجارت کی ابتدا

پس اگر گانوں کے باشندے ایک دوسرے کی مدد کریں اور کرتے ہی ہیں تو گانوں کی ضروریات خود وہیں مہیا ہو جائیں۔ باہر سے سامان منگانے کی ضرورت نہ پڑے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ شکر موجود ہے اور دوسرے کے پاس روئی۔ تو وہ دونوں اپنی چیزوں کا مبادلہ کر سکتے ہیں۔ یعنی روئی کو شکر سے بدل لیں اور انکو نہ تو باہر والوں کے ہاتھ اپنا مال فروخت کرنا ضرور ہے اور نہ ان سے خریدنا۔ گویا نہ تو زر کی ضرورت ہے اور نہ تجارت کی۔ گو آجکل یہ سمجھ میں آنا ذرا دشوار ہے کہ کسی ملک میں زر اور تجارت بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ تاہم غالباً پہلے پہل ان دونوں چیزوں کے بغیر دیہات میں زراعت جاری ہوئی یعنی گانوں کی مختلف قسم کی پیداوار کا وہیں کے باشندے آپس میں مبادلہ کر لیتے تھے۔ نہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور نہ باہر والوں سے کوئی کاروباری واسطہ تھا۔

لیکن دو ضرورتیں ایسی ہیں کہ جن کا ابھی تک ذکر نہیں ہوا۔ اور جنکے

باب دوم فصل (۱۳)

لحاظ سے مندرجۂ بالا بیان میں کچھ ترمیم ضروری معلوم ہوتی ہے ان میں سے ایک تو نمک ہے کہ جو ہر جگہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ گو کبھی کبھی مٹی دھوکر نمک نکالتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس طرح پر بعض گانوں کو نمک میسّر ہوگیا ہو تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمک اُن معدودے چند چیزوں میں سے ہے جن کی خاطر اول اول تجارت شروع ہوئی۔ تاجر گانوں گانوں نمک لیجاتے اور اس کو غلّے سے بدلتے تھے چنانچہ ملک کے بڑے حصے میں اب بھی یہ طریق جاری ہے۔ دوسری ضرورت آہنی آلات و اوزار کی ہے۔ زراعت میں تو ہے کے بہت سے آلات کام آتے ہیں۔ یورپ کے مقابل تو ہندوستان میں آلات کشاورزی کی تعداد کم ہے تاہم متعدد آلات رائج ہیں مثلاً ہل، پھاوڑا، کھرپا، درانتی اور ایسے ہی کچھ اور آلات ہیں جن میں لوہا لگا ہوتا ہے اور ان کا مدت سے استعمال جاری ہے ممکن ہے کہ کسی زمانے میں لوہا زراعت میں بالکل کام نہ آتا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جن چیزوں کی سب سے اول تجارت شروع ہوئی ان میں سے ایک چیز لوہا بھی ہے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانے میں پیدایش دولت کی کیا حالت تھی۔ اول تو کاشتکار کے پاس **زمین** تھی جس کو اس نے خواہ افتادہ پاکر گھیرلیا ہو۔ یا پیداوار کا ایک حصہ دینے کے وعدے پر جسکو لگان کہتے ہیں۔ راجہ یا زمیندار سے لے لی ہو۔ جب زمین ایک دفعہ مل گئی تو وہ اسی کاشتکار کے پاس رہتی تھی۔ چونکہ آبادی تھوڑی تھی۔ زمین کی افراط تھی جو جیسی زمین چاہتا تھا لے سکتا تھا۔ رہی **محنت** سو کاشتکار کا کنبہ اور گانوں کے مزدور سب کام سے لگے رہتے تھے۔ مزدوروں کے

باب دوم فصل (۱۳)

دل میں گانوں چھوڑکر جانے کا خیال بھی نہ آتا تھا۔ اپنے گانوں میں کاشتکاروں کا کام کاج کرتے۔ اور پیداوار میں سے حصہ بانٹ لیتے تھے اس پر ان کی گذر تھی۔ اب **اصل** کو لو۔ اس میں اول تو مویشی شامل تھے جن کی تعداد بڑھتی رہتی تھی اور جن کے چرنے کے واسطے بہت سی افتادہ زمین ہر جگہ موجود تھی۔ دوسرے آلات و اوزار جو گانوں میں بنتے تھے اور جن کی بنوائی میں غلہ دیا جاتا تھا۔ رہا تخم سو وہ بھی گھر کی پیداوار میں سے نکل آتا تھا ؎

تجارت کا فراہمی دولت پر اثر۔

ایسی حالت میں جبکہ تجارت بالکل بند ہو نہ گانوں کی زائد پیداوار برائے فروخت باہر بھیجی جائے اور نہ ضروریات دوسرے مقامات سے منگائی جائیں۔ ملک کی دولت کیونکر بڑھ سکتی ہے اور اگر بڑھے بھی تو کسقدر۔ بس یونہی برائے نام۔ اسی طرح عاملین پیدائش سے بھی پورا پورا کام نہیں لیا جا سکتا۔ اگر فصل اچھی ہوئی تو کچھ پیداوار جو خرچ سے بچے گی آئندہ کے واسطے پس انداز کر رکھیں گے۔ اور وہ خرابی فصل کے زمانے میں ذخیرے کے طور پر کام آئے گی لیکن جس قدر ضرورت ہو گی اس سے زیادہ غلہ پیدا کرنے کی کوئی خواہش نہ ہو گی۔ پس گانوں کی آبادی کے واسطے جس قدر پیداوار درکار ہو گی اُس کے لحاظ سے تھوڑی سی زمین کاشت ہوتی رہے گی باقی غیر مزروعہ پڑی رہے گی۔ اچھی بُری فصلیں مل ملاکر گانوں کی ضرورت کے واسطے کافی ہوں گی اگر آبادی گھٹی تو کھیت بھی کم ہو جاویں گے اور آبادی بڑھی تو چند اُفتادہ زمینوں پر نئی کاشت پھیل جاوے گی اور غالباً قدیم کھیتوں میں زیادہ محنت کی جائے گی تاکہ پیداوار بڑھ جائے۔ ایسی جماعت سے یہ توقع

باب دوم نہیں ہوسکتی کہ وہ کچھ دولت فراہم کرسکے گی اب فرض کرو کہ ایسے گانوں
فصل (۱۴) کے قریب ہی جوکہ اپنی ضروریات خود مہیا کرتا ہے ایک قصبہ آباد ہو۔
یہاں کے باشندے گانوں کے لوگوں سے بہت سی ضروریات خریدنا
چاہیں گے مثلاً غلہ۔ دال ترکاری۔ دودھ۔ گھی۔ روئی اور شکر اور ان کے
معاوضے میں دور دور سے چیزیں لاکر گانوں والوں کو دیں گے۔ مثلاً
تانبے پیتل کے برتن، لٹھا، ململ جیسے باریک کپڑے اور کچھ زیور وغیرہ اب
دیہاتیوں کی حالت بدلنے لگتی ہے۔ ایسی ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جنکا
کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ خود بخود ایسی چیزیں لینے کو ان کا دل چاہنے
لگتا ہے۔ اور اگر کاشتکار سادہ مزاج بھی ہوں تو ان کی بیویاں تو ضرور
نئی چیزوں کی فرمائش کریں گی۔ نئی چیزیں خریدنے کے شوق میں
اب وہ اپنے یہاں پیداوار بڑھانے کی کوشش کریں گے خود بھی
زیادہ محنت کریں گے اور اپنے مویشیوں اور مزدوروں سے بھی زیادہ
کام لینگے یا تو زیادہ زمین کاشت کریں گے یا انہیں پہلے کھیتوں کو
اچھی طرح جوتیں بوئیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ بہ نسبت سابق ایسی حالت
میں گانوں میں پیداوار بہت زیادہ ہوگی۔ دیہاتی لوگ ضرورت سے زائد
پیداوار قصباتیوں کے ہاتھ فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی نئی چیزیں
خریدیں گے جوکہ قصبے میں فروخت ہوتی ہیں۔

گویا یہ گانوں اپنی کل ضروریات خود مہیا نہیں کرتا۔ اب وہاں انتظام پیدائش کی
ترقی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جسکو ہم دستکاروں کے عہد سے تعبیر کرچکے ہیں اپنی
چھوٹی چھوٹی اشیاء کے واسطے سامان تیار ہونے لگتا ہے۔ اب کاشتکار نہ صرف اپنے واسطے
بلکہ قصبہ والوں کے واسطے غلہ، ترکاری بھی بوتے ہیں۔ اور معاوضہ میں کچھ اپنی ضروریات انسے وصول

ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس تبدیلی کا فراہمی دولت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ گانوں کی پیداوار بڑھ جاوے گی اور مزید پیداوار کا جو زرقیمت ہاتھ آئے گا وہ دیرپا چیزیں خریدنے میں صرف ہوگا۔ مثلاً تانبے کے برتن یا چاندی کا زیور۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ دولت کا اندوختہ بڑھ جائیگا دوسرے جب روپیہ ملے گا تو اُس کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوگا کیونکہ یہ زر اندوزی انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ روپیہ کا ذخیرہ بڑھانے کی خاطر بھی لوگ بہت بہت محنت اور کوشش کریں گے اور اس طرح فراہم شدہ دولت میں اور اضافہ ہوگا۔ اب تو گانوں والے بھی دولتمند بننے لگیں گے۔

بادی النظر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی صرف کاشتکاروں کی حالت میں منودار ہوگی۔ اور سب سے اول انہی کو فائدہ پہنچے گا۔ لیکن جب قصبے میں محنت کی طلب بڑھے گی تو قرب و جوار کے دیہات میں مزدور بھی چونکیں گے اور زیادہ اجرت کے لالچ سے وہ قصبے میں جاکر کام کرنے لگیں گے۔ جب کچھ مزدور گانوں کا کام یوں چھوڑدیں گے اور ساتھ ہی کھیتی باڑی کا کام بڑھ جائے گا تو پھر کاشتکار ان کی اجرت بڑھاکر ان سے زیادہ زیادہ کام لیں گے۔ اسطرح یہ کچھ عرصے میں گانوں کے مزدوروں کی کمائی بھی بڑھ جاوے گی اسی طرح دستکار اور ملازمت پیشہ لوگ بھی زیادہ کمائی اور تنخواہ کے شوق میں قصبے جا پہنچیں گے۔ لیکن گانوں میں بھی تو ان کی ضرورت ہے۔ ان کو روکنے کی خاطر گانوں میں بھی ان کی اجرت بڑھانی پڑے گی اور اس طرح یہ سلسلہ مزید دولت میں سب

باب دوم
فصل ۱۴۳

حصے بانٹ لیں گے۔ یہ تو عجب نہیں کہ کسی کو فائدہ زیادہ پہنچے اور کسی کو مقابلۃً کم۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف ایک خاص گروہ فائدہ اُٹھائے اور باقی بالکل محروم رہیں +

گذشتہ چند صدیوں سے اس قسم کی تبدیلی ہندوستان میں بتدریج پھیل رہی ہے محض سہولت کی خاطر ہمنے فرض کرلیا کہ تبدیلی یکایک نمودار ہوئی۔ ورنہ درحقیقت ایسا کم واقع ہوتا ہے۔ اگر کوئی دارالسّلطنت قائم ہو تب تو بہت جلد تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے ورنہ ملک کے بڑے حصے میں یہ تبدیلی بتدریج پھیلتی اور نمودار ہوتی ہے۔ تجارت نے بھی بہت آہستہ آہستہ پیر پھیلائے ہیں تاجر کبھی کوئی چیز خریدنے گانوں آئے اور کبھی کوئی چیز خریدنے اسی طرح گانوں میں بھی نئی چیزیں رفتہ رفتہ داخل ہوئیں۔ یہ تبدیلی ابتک جاری ہے ملک کے بعض حصے بہت ترقی کرگئے ہیں اور بعض مقابلۃً کم۔ لیکن اس تبدیلی کا عام اثر یہ ہے کہ زمین کی پیداوار بہت بڑھ گئی اور جو لوگ اس کے حصے دار ہیں وہ بھی زیادہ متمول بن گئے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سب طبقے یکساں بہت خوش حال ہیں۔ بعض زیادہ ہیں بعض کم اور بعض اُلٹے خستہ حال ہوگئے ہیں۔ لیکن حصوں کی یہ کمی بیشی تقسیم دولت کی بحث سے متعلق ہے نہ کہ پیدائش دولت سے یہ تبدیلی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہندوستان میں ایسے مقامات بہت کم ہیں جہاں زراعت ترقی کے دوسرے دور تک پہنچ گئی ہو اور جیسا کہ اوپر خیال ظاہر کیا جاچکا ہے ممکن ہے کہ پورے طور پر زراعت کو یہ دور کبھی نصیب نہ ہو۔ اگر کوئی گانوں اس دور میں داخل ہوجائے تو وہاں کے

باب دوم فصل (۱۳)

کاشتکار اپنی کل پیداوار فروخت کرکے کھانے پینے کا سامان تک دکان سے خریدنے لگیں گے۔ چنانچہ بعض مغربی ملکوں میں ایسا ہوتا بھی ہے۔ لیکن جو لوگ ہندوستان کے کاشتکاروں سے واقف ہیں ان کو یہاں اس درجہ ترقی کی امید نہیں ہو سکتی اور یوں دیہات میں کایاپلٹ ہو جائے تو دوسری بات ہے ترقی کے دوسرے دور کی مثالیں قصبات میں البتہ بکثرت نظر آتی ہیں ؛

فصل چودہ

پیدائش کا انتظام ۔ دستکاروں کا زمانہ

دور دوم میں پیدائش کی حالت

ہم نے جو ترقی پیدائش کے تین دور قرار دیئے ہیں ان میں سے دوسرے دور پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ ابتدائی دور سے تو وہ اس طرح پر مختلف ہے کہ اس میں لوگ اپنی احتیاجات براہِ راست ان چیزوں سے پوری کرنا نہیں چاہتے جو انہوں نے خود تیار کی ہیں۔ بلکہ انکی بنائی ہوئی چیزیں اکثر دوسروں کے کام کی ہوتی ہیں جو کچھ معاوضے پر دیدی جاتی ہیں۔ معاوضے میں یا تو اپنی ضرورت کی چیزیں ملجاتی ہیں مثلاً غلہ کپڑا یا زر جس کے ذریعہ سے ہر قسم کی ضروریات خریدی جاسکتی ہیں۔ ترقی کا یہ دور ہندوستان کے ہر قصبے میں کم و بیش جاری ہے اکثر دستکار اسیطرح اپنی مصنوعات فروخت کرکے ضروریات خریدتے ہیں۔ نورباف، رنگریز، موچی اور تانبے پیتل کے برتن بنانے والے یہ سب لوگ ایسی چیزیں بناتے ہیں کہ جو ان کی ضروریات میں بہت کم داخل ہیں پس وہ اپنی مصنوعات دوسروں کے ہاتھ فروخت کرکے ان کی قیمت سے کھانا کپڑا وغیرہ خریدتے ہیں اب دیکھنا چاہیئے کہ ہر عاملین پیدائش کی احتیاج کے لحاظ سے دستکاروں کی کیا حالت ہے۔ یعنی ان کو ہر ایک عامل کسقدر درکار ہے:

اوّل زمین کو لیجیئے۔ دست کاروں کو بہت تھوڑی زمین درکار ہوتی ہے۔

باب دوم فصل (۱۴)

اس سے بھی کم حقیقی کہ چھوٹے سے کاشتکار کے لئے ضروری ہے۔ لیکن جیسا کہ چھٹی فصل میں بیان ہو چکا ہے دستکاروں کے واسطے زمین کا موقع محل بہت بڑی چیز ہے دستکار کو ایسی جگہ رہنا چاہئے کہ خریداروں کو بلا وقت اس کا پتہ مل جائے محض قصبے میں رہنے سے کام نہیں چلتا بلکہ دکان ایسی سڑک پر بازار میں واقع ہونی ضرور ہے کہ جہاں اور بھی یہی کاروبار کرتے ہوں اور لوگوں کو بھی اس بات کا علم ہو۔ مثلاً ایک بازار ہے جہاں جوتے خرید و فروخت ہوتے ہیں۔ ایسے مقام پر جو دکان ملے گی اس کا بہت زیادہ کرایہ دینا موچی بخوشی گوارا کرے گا۔ لیکن غلے کی منڈی میں وہ اپنی دکان کم کرایہ پر بھی کھولنی پسند نہ کرے گا پس معلوم ہوا کہ دستکار کو بہت تھوڑی زمین درکار ہوتی ہے۔ لیکن حسب دلخواہ موقع کی اتنی سی زمین بھی بمشکل سے ہاتھ لگتی ہے اور اس کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ کرایہ کی نذر ہو جاتا ہے۔

دوسرا عامل محنت ہے۔ بیشتر کام تو دستکار اور اُس کا کنبہ مل جلکر انجام دیتا ہے۔ بشرط ضرورت ایک دو مزدور بھی لگا لئے جاتے ہیں بالعموم وہ تھوڑا سا سامان لیکر اس سے مصنوعات تیار کرتا ہے جو صرف چند وضع کی ہوتی ہیں اور مدت تک وہی مصنوعات بناتے بناتے اس کا ہاتھ بہت صاف ہو جاتا ہے اور عمدہ چیزیں تیار ہونے لگتی ہیں۔ لیکن مصنوعات تیار کرنے کے علاوہ دستکار کو اور بہت سا کام بھی کرنا پڑتا ہے یعنی اول تو مصنوعات کے واسطے موزوں پیداوار خام منتخب کرنا۔ اس کی قیمت چکانا کیا کیا چیزیں کتنی کتنی تیار ہونی چاہئیں یہ طے کرنا۔ اور پھر مصنوعات کی طرف خریداروں کو رجوع کرنا اور ان کے

باب دوم فصل (۱)

ہاتھ مال بیچنا۔ یہ سب کام دستکار کے ذمہ رہتا ہے۔ جس زمانے میں لوگ اپنی ضروریات خود مہیا کرتے ہیں تب بھی ان کو مصنوعات بنانے کے علاوہ بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن چونکہ اکثر چیزیں اپنی ہی ضروریات کے واسطے بناتے ہیں ان کا کاروبار اس قدر دشوار نہیں ہوتا جتنا کہ دستکاروں کا جن کو دوسروں کے واسطے مصنوعات تیار کرنی پڑتی ہیں۔ گویا دستکاروں کو یہ پتہ چلانا پڑتا ہے کہ لوگوں کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور اپنی ضروریات سمجھنے کے مقابلے میں یہ کام کہیں زیادہ دقّت طلب ہے۔ اگر اس نے لوگوں کی ضروریات کا غلط اندازہ کیا تو گویا اس کی کل محنت اور لاگت بیکار گئی اس کی مصنوعات کون خریدے گا۔ اور جب وہ فروخت نہ ہونگی تو وہ نئی مصنوعات کے واسطے پیداوار خام کہاں سے لائے گا۔ اپنی گذر کہاں سے کرے گا اور کاروبار کیونکر چلائے گا؟

کاروباری دقتیں

ترقی پیدائش کے ابتدائی دور میں تو خریداروں کی ضروریات کا پتہ چلانا دستکاروں کو ایسا دشوار نہیں۔ اس زمانے میں لوگوں کی ضروریات انگلیوں پہ گنی جاسکتی ہیں ان میں مدتوں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور جب تجارت مختصر ہو تو چیزوں کے انتخاب میں بھی کیا دقت ہوسکتی ہے۔ لیکن دولت کے صرف کے بیان میں آگے چل کر واضح ہوگا کہ معاشی ترقیات سے مراد یہ ہے کہ ضروریات کی تعداد بڑھے۔ ان کی اقسام بڑھیں اور ساتھ ہی ضروریات بہم پہنچانے کے ذرائع میں بھی اضافہ ہو۔ اس حالت میں خیال کرو کہ تبدیلیوں کا ساتھ دینا دستکار کے واسطے کس قدر مشکل ہے اور جہاں اس نے خطا کی کل قیمت اور لاگت اکارت گئی۔ پارچہ بافی اس کی بہت اچھی مثال ہے کل کی سی بات ہے کہ

باب دوم فصل (۱۴)

سوائے چند دولتمند لوگوں کے سب یہی جولاہوں کے ہاتھ کا بنا ہوا دیسی کپڑا پہنتے تھے۔ صرف چند قسم کا کپڑا ملتا تھا جو عمدہ بُنا ہوا نہایت پائدار مگر ذرا موٹا اور بھدا ہوتا تھا سب لوگ ایک ہی وضع کا لباس پہنتے تھے لیکن اب تو گانوں والے بھی طرح طرح کے کپڑے پہنتے ہیں چاہیں تو وہ پرانی وضع کا دیسی کپڑا خریدیں یا بمبئی اور کانپور کے کارخانوں کا نفیس کپڑا یا ولایتی کارخانوں کا سب سے بڑھیا کپڑا جوکہ افریقہ اور امریکہ کی روئی سے تیار ہوتا ہے اور گرہ میں دام ہوں تو اونی اور ریشمی کپڑے تک خرید لیں اب لوگوں کو تو طرح طرح کے کپڑوں کا شوق ہوگیا اور بیچارہ جولاہا وہی قدیم وضع کا کپڑا بنے جاتا ہے اور وہ بھی کیا کرے نہ اس کے پاس موزوں سامان ہے نہ ضروری آلات و اوزار ہیں۔ نہ کافی علم و واقفیت کہ فیشن کے کپڑے تیار کرے نتیجہ یہ ہے کہ اس کے کپڑے کی خریداری روز بروز گھٹ رہی ہے حتیٰ کہ بعض وقت تو دیسی کپڑا فروخت کرنا دشوار ہو جاتا ہے +

پس معلوم ہوا کہ جو دستکار دوسروں کے ہاں اجرت پر کام کرنے کے بجائے اپنے طور پر کام کرتا ہے وہ محنت تو ضرور زیادہ کرتا ہے اسلئے کہ اسکی آمدنی اس کی مہارت اور کوشش پر منحصر ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ وہ نت نئی تبدیلیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا نہ جدید بازاروں سے فائدہ اُٹھاسکتا ہے۔ چنانچہ معاشی ترقیات کے بعد اکثر جب دستکاروں نے بطور خود کام کرنے کی کوشش کی تو ان کو نفع کے بجائے نقصان اُٹھانا پڑا۔

اب اصل کی باری آئی۔ دستکار کی ضروریات میں بہت بڑا

باب دوم فصل (۱۴)

فرق ہے بعض کے آلات و اوزار بہت قیمتی ہوتے ہیں اور اگر بعض کے سادے ہیں تو ان کو پیداوار خام میں بہت روپیہ لگانا پڑتا ہے اور بعض کی مصنوعات اتنی مدت میں تیار ہوتی ہیں کہ عرصے تک ان کو اپنی گرہ سے کھانا پڑتا ہے۔ لیکن اصل کی ضرورت ہوتی سب کو ہے خواہ کسی حیثیت سے ہو۔ اگر وہ پس انداز کرکے خود اپنا اصل فراہم کرلیں یا بطور ورثہ اپنے بزرگوں سے پائیں تو پھر کیا کہنا۔ آزادی سے کام کریں اور فائدہ اُٹھائیں اگر بلحاظ حالات گردوپیش ان کی کاروباری قابلیت اچھی ہے تو وہ خرچ سے زیادہ کماسکیں گے اور بچا بچاکر کچھ جمع بھی کرلیں گے۔ لیکن اکثر دستکاروں کے پاس ضرورت کے موافق اصل نہیں ہوتا اور کچھ نہ کچھ ان کو دوسروں سے قرض لینا ہی پڑتا ہے۔ اور اس پر جو سود واجب الادا ہوتا ہے۔ اسکی مقدار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ بعد ادائگی ان کے پاس اتنا ہی بچ رہتا ہے کہ بسر اوقات کرسکیں پس اندازی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی گویا دستکاروں کی حالت بیشتر شرح سود پر منحصر ہے۔ اس نکتہ سے تقسیم دولت کے تحت میں آئندہ بحث کی جاوے گی۔ ہندوستان میں شرح سود اس قدر زیادہ ہے کہ دستکاروں کی کمائی کا بڑا حصہ قرض خواہوں کی جیب میں چلا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ غریب دستکاروں کو پس اندازی کا موقع بہت کم نصیب ہوتا ہے جو کچھ دولت پیدا کرتے ہیں اس میں سے کچھ اپنی اور کنبے کی پرورش میں صرف ہوجاتا ہے اور باقی پہ قرض خواہ قبضہ کرلیتے ہیں روز بروز طرح طرح کی ضروریات بڑھ رہی ہیں اور ان کی بہم رسانی میں دستکاروں کو جو دقت پیش آتی ہے اس کا ایک خاص باعث شرح سود کی زیادتی بھی ہے۔ جیسا کہ ہم گذشتہ

باب دوم فصل (۱۴)

فصل میں بیان کر چکے ہیں ہندوستانی کاشتکار بھی ترقی پیدائش کے ابتدائی دور سے کچھ آگے ضرور بڑھ گیا ہے۔کیونکہ اب وہ نہ صرف اپنی ضرورت کے لائق فصل بوتا ہے بلکہ کچھ پیداوار دوسروں کے ہاتھ بھی فروخت کر ڈالتا ہے۔ تاہم ابھی وہ اس دوسرے دور تک نہیں پہنچا جو دستکاروں کو حاصل ہے اور اس میں شک ہے کہ اس کو پورے طور پر یہ دور کبھی نصیب ہو۔لیکن جس حد تک وہ اپنی ضرورت کے علاوہ فروخت کے واسطے فصل تیار کرتا ہے اس کو بھی دستکار کی طرح کاروبار کی دقتیں پیش آتی ہیں کہ کیا فصل بوئی جائے۔ اور کہاں فروخت ہو۔ اگر کاشتکار اپنی پیداوار صرف قریب کے قصبوں میں بیچیں تب تو زیادہ دقت نہیں۔لیکن جب وسعت تجارت کی بدولت یہ نوبت آجائے کہ دور دور جاکر مال فروخت ہو اور دنیا کے دور دراز مقامات کی پیداوار سے مقابلہ آپڑے تو بیشک مال کی نکاسی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔مثلاً ہندوستانی کاشتکار کو نہیں معلوم کہ انگلستان یا جرمنی میں کس قسم کے گیہوں یا روغندار تخم کی سب سے زیادہ مانگ ہے اور گو ان کا مال پڑا نہیں رہتا۔اور کچھ نہ کچھ دام وصول ہو ہی جاتے ہیں۔تاہم اگر مطلوبہ اقسام کے بجائے جن کی قیمت بہت اعلیٰ ہے بوجہ بیخبری وہ دوسری اقسام بوئیں جس کی مانگ کم ہے تو انکو مقابلتہً بہت مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یا کاشتکار کوئی چیز اس امید پر بوئے کہ اس کی طلب زیادہ ہے۔لیکن تیار ہوتے ہوتے اس کی مانگ گھٹ جائے خواہ اس وجہ سے کہ اسکی ضرورت ہی نہ رہے یا کوئی دوسری چیز اس کے بجائے استعمال ہونے لگے تب بیچارے کاشتکاروں کو حتی الوسع جلد کاشت میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔وہ زمین سے

باب دوم فصل (۱۴)

اور اور طرح کے کام لیں گے اور مروجہ فصل کی بابتہ جو کچھ تجربہ حاصل ہوا وہ سب بیکار جائے گا۔ شمالی ہندوستان میں ایسے دو واقعات حال میں پیش آچکے ہیں۔ کبھی نیل کثرت سے بویا جاتا ہے۔ لیکن جب سے ولایتی رنگ چلے اس کی کاشت ہی بند ہوگئی۔ اسی طرح جب سے چین والوں نے افیون کھانی چھوڑی ہندوستان میں پوست کی کاشت بہت گھٹ گئی۔ جنگ کی وجہ سے جو ولایتی رنگ آنے بند ہوئے تو اب پھر نیل کے کام میں جان پڑ رہی ہے +

ایک تو کاشتکار کو یہ دقت درپیش ہے کہ وہ دور دراز کے گاہکوں کی ضروریات سے بیخبر ہے اس پر طرہ یہ کہ دیگر ممالک نے اس کے ملک یعنی ہندوستان کی ضروریات کا پتہ لگا لیا ہے اور اس کی آنکھوں بچتے ہندوستانی بازاروں پر چھاپا مارتے ہیں اور کاشتکار سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ مثلاً شکر ہے کہ ہندوستان میں کروڑہا من باہر سے آکر فروخت ہوتی ہے اور دیسی میٹھے کو بہت سے ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کاشتکاروں کو گڑ، شکر فروخت کرنے میں دقت ہوتی ہے اور بمقابل سابق اب وہ یہ چیزیں کم تیار کرتے ہیں +

جب شرح سود زیادہ ہو اور کاشتکار کے پلّے کافی اصل نہ ہو تو اس کو بھی ایسا ہی نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ دستکار کو۔ اور جب سے مال باہر جانے لگا ہے۔ کاشتکار کو زیادہ زیادہ اصل کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً جَو کے مقابل گیہوں کی کاشت میں زیادہ لاگت لگتی ہے اور ایکھ میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اس میں شک نہیں کہ پیداوار بھی اسی حساب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ لیکن اگر شرح سود بہت اعلیٰ ہو تو فصل کی سب

باب دوم فصل ۱۴،

زائد قیمت سود کی نذر ہوجائے گی اور کاشتکار بالکل محروم رہے گا۔ چنانچہ توسیع تجارت کے طفیل سے گو ملک میں دولت بہت بڑھی لیکن اس کا بڑا حصہ انہی لوگوں نے سنگوالیا جو اصلدار ہیں اور دوسروں کو قرض دیتے ہیں +

پس واضح ہوا کہ جس حد تک کاشتکار فروخت کی غرض سے فصل تیار کرتا ہے۔ اس کو بھی انہی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے جو کہ دستکار کو پیش آتی ہیں۔ کاروبار چلانا روز بروز دشوار ہوتا جاتا ہے اور اصل بہت گراں ہے یعنی شرح سود بہت چڑھی ہوئی ہے اور جوں جوں کاشتکار دوسرے دَور میں قدم بڑھاتا ہے یہ دقتیں اور بھی بڑھ رہی ہیں +

فصل پندرہ

پیدائش کا انتظام۔ کارخانوں کا زمانہ

اب ہم انتظام پیدائش کے تیسرے دور میں داخل ہوتے ہی دیکھتے ہیں کہ مزدوروں کی بڑی بڑی جماعتیں آجر کی نگرانی میں کام کرتی ہیں یورپ میں تو یہ طریق اس قدر مروج ہوگیا ہے کہ بطور خود کام کرنے والے دستکار کسی شمار قطار میں نہیں اور ہندوستان کی بعض صنعت و حرفت میں بھی یہ رواج پھیل گیا ہے مثلاً کان کنی یا پارچہ بافی ہے کہ ہزارہا مزدور کارخانوں میں اجرت پر کام کرتے ہیں۔ زراعت میں یہ طریق نہ چل سکا اور آئندہ بیان سے اس کے اسباب بھی معلوم ہوں گے۔ تاہم چاء کی کاشت اسی طریق پر ہوتی ہے ؎

کارخانے کی مثال

ایک سادہ مثال لو۔ مثلاً کوئی شخص دس نوربافوں سے اپنے مکان میں اجرت پر کپڑا بنوائے۔ اور اجرت خواہ وقت کے حساب سے دے یا بنائی کے حساب سے۔ آجر خود سوت اور دیگر ضروری سامان خریدتا ہے۔ جیسا کپڑا چاہتا ہے بنواتا ہے اور اس کی فروخت کی سبیل نکالتا ہے۔ اور جو کچھ قیمت وصول ہوتی ہے وہ اپنی جیب میں ڈالتا ہے۔ اس انتظام کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کاروبار چلانا اور جسمانی محنت دو الگ الگ چیزیں

باب دوم فصل (۱۵)

ہوگئیں نورباف کو اب غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو صرف آجر کی پسند کا کپڑا بنتا اور اپنی اجرت پاتا ہے۔ کار و بار کا چلانا آجر کے ذمہ ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ نورباف کو اصل کی ضرورت نہیں رہی۔ سب سامان آجر مہیا کرتا ہے گذر کے واسطے نورباف کو اجرت مل جاتی ہے۔ سامان خریدنے اور اجرت دینے کے لئے آجر کو اصل کی فکر کرنی پڑتی ہے ؛

کاروبار اور محنت کی علٰحدگی ؛

گذشتہ فصل میں دستکار کے متعلق جو دقتیں بیان کی گئی تھیں اب وہ تو رفع ہوگئی مثلاً نورباف کے واسطے کپڑا بننا تو آسان ہے لیکن کار و بار چلانا اصل مہیا کرنا کار سے وارد۔ اگر طریق پیدائش میں کوئی اور تغیر نہ ہو تو یہ کام آجر کے حق میں بھی مفید ہے کہ وہ کار و بار چلائے اور اصل مہیا کرے کیونکہ وہ حالات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ سامان ارزاں خریدے گا اور مال عمدہ قیمت پر نکالے گا۔ اور بیکار مال بھی تیار نہ کرائے گا کیونکہ وہ گاہکوں کا مذاق اچھی طرح پر جانتا ہے۔ لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ اس طریق پر نورباف کپڑا اس قدر نہیں بنیں گے جتنا کہ بطور خود بنتے اس قدر محنت کی امنگ دل میں باقی نہ رہے گی۔ اب تو وہ اتنا ہی کام کریں گے کہ جرمانہ یا برطرفی کی نوبت نہ آئے۔ حالانکہ پہلے فاقے کے خوف سے جان مارتے تھے۔ لیکن یہ سوال پیدا بھی نہ ہوگا کیونکہ ساتھ ہی ساتھ طریق پیدائش میں بھی ضرور تغیر و تبدل ہوگا ؛

تقسیم عمل

جو تبدیلی سب سے اول نمودار ہوگی وہ معاشی زبان میں **تقسیم عمل** کہلاتی ہے۔ نورباف ہمیشہ کپڑا ہی نہ بنتے بلکہ ان کو وقتاً فوقتاً پان بھی کرنی پڑتی ہے ہر قصبے میں نورباف یہ کام خود کرتے ہیں۔ اکثر سڑک کے کنارے کچھ کچھ فاصلے پر بانس کے اڈے کھڑے کرکے تانے تنتے ہیں

باب دوم
فصل (۱۵)

اور کونچ کر کر کے سوت کو مانڈی پلاتے ہیں۔ نوربافوں کا بہت سا وقت پان کرنے میں لگتا ہے۔ لیکن اگر بہت سے لوگ کام کرتے ہوں تو بہتر یہ ہوگا کہ کچھ پان کریں اور کچھ کپڑا بنیں۔ اسی کا نام تقسیم عمل ہے۔ اسی طرح پان کرنے کا کام بھی تقسیم ہوسکتا ہے۔ کچھ مانڈی تیار کریں اور کچھ سوت پر چڑھائیں ہر شخص ایک ایک وضع کا کپڑا بُنے کہ جس میں اس کو سب سے زیادہ مہارت ہو۔ کاریگر لوگ باریک اور نفیس کپڑا تیار کریں۔ ایک یا دو آدمی سوت کا ذخیرہ مہیّا رکھیں جو کپڑا تیار ہو اس کو ناپیں اور اس کو گاہکوں تک پہنچائیں۔ کرگھے بنانے اور ان کی درست کرنے کے واسطے ایک بڑھئی بھی رہنا چاہیئے۔ اس طور پر سو کے سو نوربافت کپڑا نہ بنیں گے بلکہ کارخانہ میں کام کے درجے ہوں گے۔ اور ہر درجے کے واسطے اجر موزوں مزدور رکھے گا تاکہ کم سے کم مصارف پر زیادہ سے زیادہ مال تیار ہو سکے؛

تقسیم عمل سے پیدائش میں جو گوناگوں فوائد حاصل ہوتے ہیں معاشیات کی بڑی بڑی اصانیف میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ چند خاص فوائد یہ ہیں (۱) مدت تک ایک ہی سا کام کرتے کرتے مہارت میں ترقی ہوتی ہے اور (۲) ہر مزدور سے اس کے مناسب حال بہترین کام لینے کا موقع ملتا ہے۔ دسویں فصل میں تحصیل مہارت کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا اس میں کچھ اضافہ کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے جسقدر خاص قسم کی حرکات متواتر کی جاویں گی۔ اسی قدر ان کے کرنے میں سہولت اور کمال حاصل ہوگا رہا دوسرا فائدہ سو بعض کام زیادہ پیداآور ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی زیادہ دشوار بھی۔ جو نوربافت عمدہ خوش وضع کپڑا بُن سکتا ہے وہ موٹے جھوٹے کپڑے بننے والے سے زیادہ پیدا کرے گا۔ لیکن اگر اول الذکر نوربافت بطور خود

کام کرے تو اس کو کبھی کبھی مجبوراً گھٹیا کپڑا بھی بننا پڑے گا۔ کیونکہ بعض وقت بڑھیا کپڑے کا بازار مندا پڑجاتا ہے۔ لیکن کارخانے میں اس کو بازار کی حالت سے کچھ سروکار نہیں۔ مال کی نکاسی تو آجر کے ذمہ ہے وہ تو بیفکری سے عمدہ کپڑا بنتا رہے گا جس کی اُس کو خوب مہارت ہے؛

کارخانوں میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ چونکہ ان میں مزدوروں کی بڑی بڑی جماعتیں ملکر کام کرتی ہیں وہاں پر تقسیم عمل کی گنجائش خوب ہوتی ہے اور کام مقدار میں نسبتاً زیادہ اور نیز عمدہ ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ کاریگروں کو ایک ہی کام کرتے کرتے خوب مشق و مہارت ہو جاتی ہے دوسری خوبی یہ ہے کہ بوجہ کثرت کار مشین بھی چل سکتی ہے۔ دیکھنے کو تو کارخانے میں بڑی گڑ بڑ ہوتی ہے۔ دھواں بھاپ۔ گڑگڑاہٹ اور شور ہزارہا کل پُرزے بڑی تیزی سے حرکت کررہے ہیں۔ غور سے دیکھو تو ہرایک کل ایسا ہی کام کر رہی ہے جیسے کہ مزدور کرتے ہیں اور ان سے کہیں جلد اور زیادہ۔ مثلاً کسی کارخانے میں کپڑا بننے کی کل غور سے دیکھو تانے میں نال کس تیزی کے ساتھ اِدھر اُدھر لپکتی ہے اور بانے کا تاگا جو نال ڈالتی ہے وہ نال کی واپسی سے قبل کیونکر ٹھک ٹھک کر اپنی جگہ آجاتا ہے دستی کرگھے میں بھی یونہی کپڑا بنا جاتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کل کی بنائی بہت تیز ہے۔ گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہوتا ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ کل آدمی کی طاقت سے نہیں بلکہ انجن کی طاقت سے چلتی ہے اور انجن بھاپ کے زور سے چلتا ہے درا صل سُتے کے کرگھ میں کوئی بڑا فرق نہیں۔ خواہ وہ دستی ہو یا کلدار البتہ چلانے والی طاقت میں زمین آسمان کا فرق ہے کہاں آدمی کا ہاتھ اور کہاں انجن۔ کارخانوں کی قریب قریب

باب دوم فصل (۱۸) تمام کلوں کا یہی حال ہے۔ جو باقاعدہ حرکت انسان کرسکتا ہے۔ کل بھی کرسکتی ہے۔ مثلاً چیزوں کو آگے پیچھے ہٹانا یا اوپر نیچے لیجانا۔ یا ان کو گردش دینا۔ سُننے میں یہ بات کس قدر عجیب معلوم ہوگی کہ یورپ میں کلوں سے رقمیں جوڑنے کا کام لیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں چونکہ کم تنخواہ کے محاسب مل جاتے ہیں اس لئے کلوں کا رواج نہیں ہوا۔ کلوں نے یورپ میں اس درجہ ترقی کی ہے کہ بہت سے کام جو آدمی کرتا ہے وہ بھی کرسکتی ہیں اور اگر مقابلتہً خرچ کم پڑے تو بلا تکلف ان سے کام لیا جاتا ہے +

انجنوں کا استعمال کپڑے کے کارخانے کی جو مثال پہلے اوپر بیان کی ہے اُس میں سو نورباف اُجرت پر ہاتھ سے کپڑا بنتے ہیں۔ لیکن جب کارخانہ دار کو پتہ لگے گا کہ انجن سے چلنے والی کلوں کے ذریعہ سے کپڑا تیار کرنے میں زیادہ فائدہ ہے تو وہ کارخانے میں ضرور کلیں جاری کردیگا اور کپڑے کی دستی بنائی ترک ہو جاوے گی۔ حالانکہ اب بھی اتنے ہی مزدور یعنی سو نورباف کارخانے میں کام کریں گے لیکن کپڑا زیادہ تیار ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اب دستی کرگھوں کے بجائے کلوں سے کپڑا بنا جائیگا جوکہ بہت تیز چلتی ہیں۔ مزدوروں کا کام کیا رہ گیا۔ کل چلانا اور روکنا اور دوسری قسم کی دیکھ بھال۔ نتیجہ یہ ہے کہ نوربافوں کی مہارت اور انکی کاریگری دھری رہ گئی۔ عمدہ کل بھی ویسا ہی بلکہ اس سے بہتر کام کرسکتی ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ تھکتی نہیں۔ جبتک خراب نہ ہو برابر چلتی رہتی ہے اب ماہر نورباف کی جگہ دوسری قسم کی مہارت والوں کی ضرورت ہوگی یعنی کل سازوں کی جو کل چلانا اور درست کرنا

باب دوم فصل (۱۵)

جانتے ہوں۔ پھر اب ہوشیار اور کاریگر نوربافوں کی حاجت ہی کیا رہی۔ کم اجرت پر عورتیں اور لڑکے بھی کلوں کے ذریعہ سے کام کرسکتے ہیں۔ صرف تربیت یافتہ **کل سازوں** کی نگرانی کافی ہے +

صرف یہی ایک تبدیلی نہوگی کہ انجن سے چلنے والی کلوں کے کرگھے کپڑا نبیں گے بلکہ پان کرنے اور اسی طرح کے دوسرے کاموں میں بھی کل استعمال ہوگی اور کارخانہ دار چاہے تو سوت کاتنے کی کلیں بھی جاری کرے اب تو کارخانہ بہت بڑھ جائے گا۔ قرب و جوار میں نورباف جس قدر کپڑا ہاتھ سے بنتے ہیں اس سے کہیں زیادہ یہاں تیار ہونے لگے گا صرفہ بھی مقابلتاً کم پڑے گا اور لوگ کارخانے کا بُنا ہوا ارزان کپڑا خریدنا شروع کردیں گے یوں تو کارخانے میں بہت سے لوگ روزی سے لگ جاویں گے اور پرورش پائیں گے لیکن بیچارے ماہر نورباف کہیں کے نہ رہیں گے۔ اب ان کا مال کون خریدے گا +

کارخانوں کی خصوصیات

تمثیلاً ہم نے کارخانے کو بتدریج بڑھتے ہوئے دکھایا ہے اور اول اول کارخانے یوں ہی رفتہ رفتہ بڑھا بھی کرتے تھے۔ لیکن اب تو لوگ کارخانوں کے قاعدوں قرینوں سے خوب واقف ہو گئے ہیں۔ مکمل کارخانے کا ایک ساتھ ہی اہتمام کرلیتے ہیں اور بعض صنعت و حرفت کے کارخانوں کا اہتمام کرنا تو ایک جداگانہ فن مانا جاتا ہے۔ اور ماہر لوگ کمیشن لیکر کارخانوں کا ابتدائی اہتمام کرتے ہیں لیکن خواہ بحالت مکمل جاری ہوں یا ابتدائی حالت سے بتدریج ترقی کریں چند باتیں سب کارخانوں میں یکساں نظر آتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں +

باب دوم
فصل (۱۵)

(۱) پیداوار خام خریدنا۔ تیار شدہ مال فروخت کرنا اور کار و بار کی عام نگرانی، یہ سب کام مصنوعات کی تیاری سے جداگانہ شمار ہوتے اور انجام پاتے ہیں۔ آجر کار و بار چلاتا ہے اور کاریگر اجرت پر مال تیار کرتے ہیں ؛

(۲) اصل مہیا کرنا آجر کا کام ہے۔ کاریگروں کو اس سے کچھ سروکار نہیں اور نہ ان کو زمین سے مطلب۔ وہ تو صرف محنت کرتے ہیں گویا یہ عامل پیدائش تو ان کے سپرد ہے اور باقی دونوں آجر کے ذمہ ؛

(۳) کارخانے کا اس طرح سے انتظام کرتے ہیں کہ تقسیم عمل اور کل کے جاری ہونے سے مصارف پیدائش کم سے کم رہیں اور حسن انتظام کی بدولت پیداوار کی مقدار اس سے کہیں بڑھ جائے جو کہ مزدوروں کے بطور خود جدا جدا کام کرنے سے حاصل ہوتی ؛

(۴) کام کرنے والے مزدوروں کے حساب سے تو کارخانوں میں پیداوار کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بہت سے لوگ جو ایک ہی قسم کا کام جانتے ہیں ان کارخانوں کی بدولت ذریعۂ معاش سے بھی محروم ہو جاتے ہیں ؛

زیادہ اصل کی ضرورت

یہ تو بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اگر کارخانوں کے ذریعہ سے بڑے بڑے پیمانہ پر مال تیار کرایا جائے تو بہت زیادہ اصل درکار ہوگا اور اگر لوگ بطور خود چھوٹے چھوٹے پیمانہ پر ہاتھ سے مال تیار کریں تو بہت کم اصل سے کام نکل جائے گا۔ عمارات۔ انجن۔ کلیں یہ سب بہت سا اصل ہضم کر جاتی ہیں۔ پھر مال تیار اور فروخت ہونے سے قبل پیداوار خام خریدنی پڑتی ہے۔ مزدوروں کو اجرت دی جاتی ہے جو روپیہ

اس مد میں صرف ہوتا ہے وہ **اصل و اثر** کہلاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ
جب تک ملک اس قدر ترقی نہ کرلے کہ افراد کے اندوختہ فراہم
کرکے لوگ بڑے بڑے کاروبار جاری کریں کارخانے نہیں چل سکتے
چنانچہ اس ترقی کے حالات اب ہم اگلی فصل میں بیان کرتے ہیں۔

باب دوم فصل ۱۵،۱

فصل سولہ

اصل کا انتظام

اصل کے انتظام کی ضرورت

یوں تو انتظام اصل کا مسئلہ ہر ملک میں متعلمین معاشیات کے واسطے قابل دلچسپی ہے لیکن خاص کر ہندوستان میں یہ مسئلہ آجکل بہت اہم بنا ہوا ہے اس سے قبل واضح ہوچکا ہے کہ صنعت و حرفت کی ترقی کا دار مدار اصل کے انتظام پر ہے اور یہی حال زراعت کا بھی ہے ہندوستانی کاشتکار کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت یہ ہے کہ اس کو مناسب شرح سود پر اصل قرض ملے۔تاکہ اس کو اپنے کھیت اور محنت سے بہترین نتائج حاصل ہوں یعنی مصارف تو کم رہیں۔اور پیداوار زیادہ ہو۔پس اس قول میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ملک بھر کی دولت بڑھانے کے واسطے اصل کا عمدہ انتظام شرط اول ہے؛

یہ تو بیان ہوچکا ہے کہ دولت کا کچھ نہ کچھ ذخیرہ فراہم ہونا قدرتی امر ہے۔یعنی جب کبھی موقع ملتا ہے لوگ تھوڑا بہت پس انداز کرلیتے ہیں اور موقع سے مراد یہ ہے کہ کل پیداوار صرف کئے بغیر فوری احتیاجات پوری ہوجائیں۔لیکن اس میں ذرا شک ہے کہ فراہم شدہ دولت کا بطور اصل کام میں لانا بھی اس طرح قدرتی بات ہے۔قدیم زمانے میں اکثر قومیں ذخیرہ دولت سے مزید پیداوار حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں

کرتی تھیں۔ اور ذخیرہ کی غرض بیشتر یہی ہوتی تھی کہ آئندہ بوقت ضرورت کام آئے۔ داشتہ آید بکار۔ واقعہ ہے کہ ہندوستان میں دولت کے موجودہ ذخیرے کا بہت تھوڑا حصہ بطور اصل استعمال کرنے کی نیت سے پس انداز کیا گیا ہے ذخیرے کے بڑے حصّے کی صرف یہی غرض ہے کہ اس سے قحط میں یا کسی اور مصیبت کے وقت کام نکلے۔ جب تک لوگوں کے دلوں میں چوری اور ڈکیتی کا خوف جاگزیں ہے۔ وہ مشکل سے اندوختوں کا کوئی بڑا حصہ پیدائش دولت میں لگائیں گے۔ بلکہ غالباً وہ اس کو سونا چاندی بناکر رکھیں گے تاکہ بلا دقت چھپا سکیں اور جہاں چاہیں ساتھ لیجا سکیں جب کوئی زبردست حکومت قائم ہوجاتی ہے تو اس رواج کا اصلی سبب تو غائب ہوجاتا ہے لیکن عادت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ اور ابتک عام طور پر لوگ اس بات کے عادی ہیں کہ اپنا اندوختہ چھپا کر رکھیں اسی وجہ سے اس کو دفینہ کہتے ہیں۔ اس طرح پر ملک میں دولت کا بہت سا ذخیرہ موجود ہے جو اصل نہیں۔ کیونکہ اس سے مزید دولت پیدا کرنا مقصود نہیں۔ بعض دفینے تو مسلّم ہیں مثلاً نوابوں اور راجاؤں کے خزانے۔ لیکن دولت کا ایک بڑا ذخیرہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے چھوٹی چھوٹی رقمیں زمین میں دفن کر رکھی ہیں۔ تاکہ اڑے وقت کام آئیں ٭

بعض ممالک کی حالت اس سے مختلف ہے۔ لوگ اپنا اندوختہ شاذ و نادر دفینہ بناکر رکھتے ہیں۔ بلکہ بہت کچھ دولت خاص اس شوق میں پس انداز کرتے ہیں کہ اس سے پیدائش دولت کا کام لیں اور کچھ آمدنی حاصل کریں۔ اگر بہت زیادہ دولت پیدا کرنی مقصود ہے تو اس کے واسطے ضرور ہے کہ اندوختوں کو پیدائش کے کام میں لگایا جائے۔ اب دیکھنا

باب دوم فصل (۱۶) یہ ہے کہ اصل سے جو پیدائش دولت کا کام لیا جاتا ہے اس کا انتظام کیونکر انجام پاتا ہے۔ کاشتکار یا دستکار کو اپنے کار و بار کے واسطے بیشک کچھ اصل کی ضرورت ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ اپنی ضروریات سے زائد اندوختہ اس کے پاس موجود ہو۔ خصوصاً زمینداروں اور اعلیٰ ملازمت پیشہ لوگوں کی یہی حالت ہوتی ہے بلکہ کچھ نہ کچھ تو مزدوروں کی گرہ میں بھی ہوتا ہے جو بطور اصل کام آسکتا ہے۔ اگر مالک اپنے اصل سے خود کوئی کام نہ لے سکے تو دوسروں کو سود پر قرض دے سکتا ہے۔ چنانچہ روپیہ کے لین دین کا ہندوستان میں اچھا خاصہ رواج ہے۔ خصوصاً مہاجنوں کا تو پیشہ ہی یہ ٹھیرا مگر لطف یہ ہے کہ جس کو روپیہ کی ضرورت ہے وہ تو یہ نہیں جانتا کہ کس سے روپیہ مل سکتا ہے اور جو روپیہ قرض دینا چاہے اس کو پتہ نہیں کہ کون روپیہ کا حاجتمند ہے بڑے بڑے لین دین کا تو ذکر نہیں لیکن چھوٹے چھوٹے قرضوں میں ضرور یہ دقت پیش آتی ہے۔ اصل کے انتظام میں پہلا کام تو کسی کو ثالث بنانا ہے۔ جو لوگوں سے اُن کا پس انداز کیا ہوا روپیہ لیکر قرض خواہوں کو دے۔ بنک کو ایسا ہی ثالث سمجھنا چاہئے بنک طرح طرح کا کام سرانجام دیتے ہیں جن کی تفصیل آگے چل کر طالبِ علم کو پڑھنی ہوگی۔ لیکن ان کا اصلی کام یہی ہے کہ لوگوں سے ان کا زائد از ضرورت اندوختہ لینا اور حاجتمندوں کو قرض دینا۔ اصل جمع کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ بنک بطور امانت روپیہ لینے اور اس کے استعمال کے معاوضہ میں سود دینے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اور جب مالک چاہے کچھ عرصے پہلے اطلاع دیکر اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے جن لوگوں کو بنک کا اعتبار ہوتا ہے یعنی جن کو یقین ہوتا ہے کہ بنک

نیک نیت ہے اور وعدہ پورا کرسکتا ہے وہ اپنا روپیہ بنک کے سپرد کردیتے ہیں۔ جن لوگوں کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی بنک سے معاملہ کرتے ہیں۔ اور اگر بنک کو اطمینان ہوا کہ قرض گیر سود اور اصل اوقات معینہ پر ادا کردے گا تو وہ اس کو قرض دیدیتا ہے۔ لیکن بنک والے کیا یہ سب کام بلا معاوضہ کرتے ہیں۔ نہیں۔ وہ بھی منفعت کے خواہاں رہتے ہیں اور منفعت کی سبیل یہ ہے کہ زر امانت پر جمع کنندوں کو کم سے کم سود دیاجائے اور قرض گیروں سے زر قرض پر زیادہ سے زیادہ سود وصول ہو اور بنک جو سود قرض گیروں سے خود لیتا ہے اور جو سود جمع کنندوں کو دیتا ہے ان میں جس قدر فرق ہو وہی بنک کا منافع ہے اس میں سے کچھ تو ملازمین کی تنخواہ اور دیگر اخراجات میں صرف ہوجاتا ہے اور جو باقی بچے وہ مالکانِ بنک کا حق ہے +

اب تو ہندوستان کے بہت سے شہروں میں بنک چل رہے ہیں لوگ ان سے بخوبی واقف ہوچکے ہیں اول اول تو یوروپین لوگوں نے جن کے ملکوں میں بنک بخوبی رائج ہیں۔ ہندوستان میں بنک قائم کئے لیکن ان کی کامیابی دیکھکر ہندوستانیوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور اب وہ بھی بنک جاری کررہے ہیں۔ سردست ہمکو دیکھنا یہ ہے کہ بنکوں سے پیدائش دولت میں کس قدر مدد ملتی ہے۔ بنک پیدائش دولت میں بہت کار آمد اور معاون ثابت ہورہے ہیں۔ آجر جتنا اصل چاہیں بنک سے قرض لے لیتے ہیں۔ اسی میں سے پیداوار خام خریدتے ہیں۔ مزدوروں کی اجرت دیتے ہیں۔ اور دوسرے خرچ چلاتے ہیں اور جب مال تیار ہوکر فروخت ہوتا ہے تو اس کی قیمت میں سے بنک کو قرض مع سود ادا کردیتے ہیں سچ پوچھئے

باب دوم
فصل (۱۶۴)

پس معلوم ہوا کہ پیدائش دولت کے واسطے جسقدر اصل کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سب کا انتظام محض بنکوں سے نہیں ہوسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ کارخانے جاری کرنے کے واسطے بڑی بڑی رقمیں مہیا کرنا بھی بہت اہم کام ہے۔ اور بنک بھی یہی کام سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض دینا بھی کچھ کم ضروری نہیں۔ اور بنک ایسے لین دین سے معذور نہیں۔ کارخانوں کے واسطے کثیر رقم مہیا کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ **"مشترک سرمایہ دار کمپنی" یا "محدود کمپنی"** قائم کی جائے اول الذکر کمپنی سے ایسا کار و بار مراد ہے جس میں بہت سے لوگوں کا روپیہ لگا ہو اور جس میں وہ سب شریک مانے جائیں آخرالذکر کمپنی کا لفظ محدود تشریح طلب ہے۔ عام قانون تو یہ ہے کہ اگر چند لوگ کسی کاروبار میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً اس کاروبار کے کل قرضہ کا ذمہ دار مانا جاوے گا اور قرضہ کا بار کفالت نہ صرف اسکے حصے تک محدود ہے بلکہ وہ اس کی دوسری ملک پر بھی پڑتا ہے۔ جبکہ نفع کے لالچ میں گرہ کا بھی سب نکل جاوے تو بھلا مشترک کار و بار چلانے کی کس کو ہمت پڑسکتی ہے۔ پس اسی خدشے کو رفع کرنے کے واسطے محدود کمپنی کا طریق نکالا۔ جو کمپنی چند شرائط کی پابندی کرے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے نام کے ساتھ لفظ محدود لکھے تو اس کمپنی کے حصے داروں کی ذمہ داری ان کے حصوں تک محدود ہوجاتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص سو روپیہ کا حصہ دار ہو یعنی یا تو اس نے سو روپئے دیدئے ہوں یا تو اس سے کم دیکر باقی دینے کا وعدہ کرلیا ہو تو کسی حالت میں اس سے سو روپئے سے زیادہ وصول نہیں کئے جاسکتے اگر

باب دوم فصل (۲)

خدانخواستہ کاروبار بگڑے تو زیادہ سے زیادہ اس کے سَو روپے ضائع ہونگے باقی ملک و مال بالکل محفوظ رہے گا پس جو شخص محدود کمپنی میں حصہ دار بنتا ہے اُس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی ذمہ داری حصے کی مقدار تک محدود ہے۔اس سے زیادہ کا خطرہ نہیں +

بعض لوگ ضرور اس قدر دولتمند ہیں کہ چاہیں تو تنہا اپنے ذاتی سرمایہ سے کارخانے جاری کردیں چنانچہ ہندوستان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے روئی اوٹنے کے کارخانے اسی طرح پر جاری ہورہے ہیں۔لیکن جو بڑے بڑے کارخانے ہیں مثلاً کپڑا بننے والے یا لوہے کا سامان تیار کرنے والے ان کے واسطے لکھوکھا بلکہ کروڑہا روپے کی ضرورت ہوتی ہے اور جبتک بہت سے لوگ شریک نہ ہوں وہ کافی تعداد میں جاری نہیں ہوسکتے جب کچھ لوگ کارخانہ جاری کرنے کا تہیہ کرتے ہیں تو وہ اپنی ایک محدود کمپنی بناتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کے حصے خریدیں۔یعنی دس پچاس سَو روپیے یا کوئی معین رقم داخل کریں تاکہ اس طرح پر ضرورت کے لائق اصل مہیا ہوجاوے۔اگر کافی حصے فروخت ہوجائیں تو جو رقم وصول ہوتی ہے وہ کارخانہ قائم کرنے میں صرف کیجاتی ہے اور اگر روز مرہ کے خرچ کے واسطے کچھ رقم کی ضرورت باقی رہی تو وہ بنک سے قرض لے لی۔بعد وضع مصارف جو کچھ منافع بچتا ہے وہ کمپنی کے شرکا میں حصوں کے حساب سے تقسیم ہوجاتا ہے۔اب اگر کوئی زمیندار وکیل ڈاکٹر سرکاری ملازم یا جس کسی کے پاس اندوختہ ہو چاہے تو کسی کمپنی کے حصے خرید لے اور سال بسال یا ششماہی یہ جیسا بھی قاعدہ ہو اپنے حصوں کے حساب سے منافع وصول کرلے۔صاف ظاہر ہے کہ منافع کا دارمدار کارخانے

باب دوم فصل ۱۶، ۱۷
کی کامیابی پر ہے لوہے کپڑے اور سن کے کارخانوں یا کوئلے کی کانوں میں لوگ اب بلا تامل حصے خرید کر شریک ہوتے ہیں اب اگر حصہ دار اپنا روپیہ واپس لینا چاہے تو وہ کمپنی سے تو مطالبہ کر نہیں سکتا۔ البتہ اسکا حصہ فروخت ہوسکتا ہے اور جو لوگ کارخانوں کے حصے دار بننا چاہیں وہ بھی نئے نئے کارخانوں میں روپیہ لگانے کے بجائے قدیم اور معتبر کارخانوں کے حصے خریدنا زیادہ پسند کرتے ہیں کارخانوں کے حصوں کی خرید و فروخت نے اب اس قدر رواج پایا ہے کہ کلکتہ اور بمبئی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں میں دلال پھرتے ہیں جن کا پیشہ ہی یہ ہے کہ کارخانوں کے حصوں کی خرید و فروخت میں اسی طرح مدد دیں جس طرح کہ دلال گیہوں سن یا کوئلہ کے بیوپار میں مدد دیتے ہیں مثلاً کسی شخص کے پاس روپیہ تو موجود ہے لیکن وہ بطور خود کوئی کار و بار کرنا نہیں چاہتا اب اس کے سامنے وہ سبیلیں موجود ہیں۔ یا تو روپیہ بنک میں جمع کردے اور سود لیتا رہے یا کسی دلال کی معرفت کسی کارخانے کے حصے خریدے اور ان کا منافع وصول کرتا رہے۔

کمپنیوں کی بہت سی قسمیں ہیں حصے بھی قسم قسم کے ہوتے ہیں۔ اور عملی حیثیت سے ان کی نوعیت اور ان کا طریق انتظام بہت قابل توجہ ہے اس مضمون کو آئندہ تفصیل سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ یہاں پر ہمکو صرف یہ دکھانا ہے کہ اس قسم کی کمپنیاں پیدائش دولت میں کیا مدد دیتی ہیں۔ ان کے ذریعے سے بہت سی چھوٹی چھوٹی رقمیں بمقدار کثیر جمع ہوکر کارخانہ داروں کو بڑے بڑے سرمائے سے کار و بار چلانے کا موقع دیتی ہیں اور چھوٹی پونجی والوں کو بھی آمدنی حاصل ہوجاتی ہے۔

باب دوم
فصل (۲) ۱
سیونگ بنک وغیرہ

گو کارخانوں کے حصے چھوٹی چھوٹی رقمیں ہوں تاہم وہ اس قدر چھوٹی نہیں ہوتیں کہ غریب لوگ بھی اپنا قلیل اندوختہ ان میں لگاسکیں۔ غریبوں کی سہولت کے واسطے اکثر ممالک میں خاص انتظام ہے مثلاً **سیونگ بنک عوام الناس کے بنک** اور **انجمن اندوختہ** قائم کی گئی ہیں جہاں بہت قلیل رقمیں حتیٰ کہ ایک ایک آنہ تک جمع ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ایسے بنک بھی جاری ہوئے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کار و بار والوں کو تھوڑی رقمیں قرض دیتے ہیں ابھی تک ہندوستان میں اس قسم کے انتظامات کی کمی ہے بشمار چھوٹے اندوختے بطور دفینہ بیکار پڑے رہتے ہیں اور ادنیٰ کار و بار والوں کو بہت زیادہ سود پر ساہوکار سے قرض لینا پڑتا ہے۔ لیکن قوی امید ہے کہ یہ وقت انجمنہائے قرضۂ امداد باہمی سے بہت کچھ رفع ہوجائے گی۔ اور گذشتہ دس برس میں ایسی انجمنیں بہ تعداد معقول جاری ہوچکی ہیں۔ آگے چل کر طالب علم کو اس مسئلہ پر زیادہ غور کرنا ہوگا۔ سردست یہ بتانا مقصود ہے کہ ہندوستان میں ابتک پیدائش کے واسطے اصل مہیا کرنے کا انتظام بہت ناکمل اور ادھورا ہے مرفہ الحال لوگوں کی سہولت کے واسطے تو کچھ انتظام ہو بھی گیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اندوختہ کو پیدائش کے کام میں لگادیں۔ لیکن غریب کاشتکاروں کو اور دستکاروں کو نہ تو اندوختہ سے بطور اصل کام لینے کا موقع میسر ہے اور نہ کوئی اصل قرض لینے کا سہل ذریعہ حاصل ہے۔ ڈاک خانے کے سیونگ بنک چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع تو کرلیتے ہیں لیکن قرض وہ بھی نہیں دیتے +

فصل سترہ

عاملین پیدائش کی تخصیصی حالت

تخصیص زمین۔

ترقی پیدائش کے تین دور جو دنیا میں نمودار ہو چکے ہیں ہم نے اوپر بالترتیب بیان کئے اپنی ضروریات خود مہیا کرنے کا عہد چھوٹے چھوٹے دستکاروں کا عہد اور سب سے آخر کارخانوں کا عہد۔ اسی بحث کے سلسلے میں ایک ایسا عام اصول واضح کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو ایک دور سے دوسرے دور تک تبدیلی کا باعث ہوا کیا ہے اس اصول کو اصطلاحاً تخصیص کہہ سکتے ہیں۔ یہاں پر تخصیص سے مراد یہ ہے کہ بعض احتیاجات پوری کرنے میں بعض عاملین پیدائش سے اس قدر زیادہ کام لیا جاتا ہے کہ دوسری احتیاجات پوری کرنے واسطے وہ کمتر دستیاب ہوتے ہیں اب ہم ذیل میں اس اصول کی مزید تشریح کرتے ہیں*

ترقی پیدائش کے پہلے دور میں جبکہ ہر ایک گاؤں اپنی ضروریات خود مہیا کرتا ہے جو زمین کاشت ہوتی ہے وہ خاص طور پر کوئی ایک احتیاج پوری نہیں کرتی بلکہ گاؤں کی اکثر احتیاجات اسی سے پوری ہوتی ہیں مثلاً کھانے کپڑے مکان اور روشنی وغیرہ کی احتیاجات۔ البتہ جب دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور کاشتکار فروخت کے واسطے فصل تیار کرتا ہے تب بتدریج تخصیص بھی پھیلتی ہے۔ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ ملک

کے مختلف حصوں میں مختلف فصلوں کے واسطے آب و ہوا اور زمین خاص طور پر موافق اور موزوں ہوتی ہے پس ہر ایک گانوں میں جو فصل خوب اُگتی ہے بیشتر وہی بوئی جاتی ہے۔ اور جو فصلیں عمدہ نہیں ہوتیں ان کی کاشت بھی ترک کردی جاتی ہے۔ مثلاً یہ بخوبی تحقیق ہے کہ پہلے زمانے میں شمالی ہندوستان میں ایکھ اور کپاس دونوں کی کاشت ہوتی تھی۔ ایکھ سے شکر بنتی تھی۔ اور کپاس سے کپڑے تیار ہوتے تھے لیکن اب حالت بالکل دگرگوں ہے۔ کسی ایک مقام میں ایکھ اور کپاس شاذ و نادر معقول مقدار میں کاشت ہوتی نظر آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں فصلوں کو ایک طرح کی آب و ہوا موافق نہیں۔ ایکھ کو بمقابل کپاس کے زیادہ مرطوب آب و ہوا کی ضرورت ہے چنانچہ ایکھ تو بیشتر کوہ ہمالیہ کی مرطوب تیلیٹی میں بوئی جاتی ہے۔ اور کپاس جنوب اور مغرب کے خشک حصوں میں کاشت ہوتی ہے۔ گویا بہت سے گانوں اپنے واسطے خود شکر نہیں بناتے کیونکہ تجربے سے ثابت ہوا کہ ایکھ بونے سے شکر خریدنی زیادہ فائدہ مند ہے۔ اسی طرح بہت سے دیہات میں کپاس نہیں بوتے۔ کیونکہ ایکھ اور دوسری فصلوں کے قیمت سے کپڑا خریدنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی پیدائش کے نقطۂ نظر سے تو زمین کی ایسی تخصیص بیشک مفید ہے کہ جس زمین پر جو فصل سب سے اچھی تیار ہوتی ہو وہی کاشت کی جائے اگر دقت ہے تو وہی جو اوپر بیان ہوئی کہ کاشتکار کو دور رہنے والے خریداروں کی ضروریات کا پتہ چلانا پڑتا ہے اور اگر ضروریات میں کوئی بڑی تبدیلی واقع ہوجائے تو اس کے سارے کاروبار کے اُلٹ پلٹ ہونے کا اندیشہ ہے اس قسم کی تخصیص

کسی ایک ملک تک محدود نہیں بلکہ تمام دنیا پر پھیل گئی ہے مثلاً یورپ، امریکہ، اسٹریلیا اور افریقہ میں لوگ جو چار پیتے ہیں وہ ایشیا کے بعض حصوں سے آتی ہے۔ یعنی چین سیلون اور حصہ بنگال اور آسام سے بنگال کے چند اضلاع میں جو سن اُگتا ہے اس کے بنے ہوئے بوروں میں بھر بھر کے غلہ اور روغندار تخم دور دور بھیجتے ہیں +

تخصیص زمین کی دوسری شال تخصیص صنائع ہے یعنی کسی صنعت و حرفت کا خاص طور پر کسی جگہ پھیلنا ترقی پیدائش کے دوسرے دور میں جب کہ بازار کے واسطے چیزیں چھوٹے پیمانے پر تیار کی جاتی تھیں تب ہی سے تخصیص صنائع کی بنا پڑی۔ خاص خاص قصبے اور ایک ہی قصبے میں خاص خاص بازار خاص چیزوں کے واسطے مشہور ہو چکے تھے کہیں کا چرمی سامان عمدہ ہوتا تھا اور کہیں کے پیتل کے برتن مشہور تھے۔ جو چیز جس جگہ عمدہ تیار ہوتی ہے وہیں سے لوگ منگاتے ہیں اور دستکار بھی وہیں جاکر کام کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو سامان بیچنے میں سہولت ہوتی ہے اور پیداوار خام بھی مصنوعات کے واسطے بافراط دستیاب ہوتی ہے۔ شمالی ہندوستان میں مرادآباد کے بھرت کے برتن اور لکھنؤ کا نقرئی سامان مشہور ہے جو نہ صرف ہندوستان کے ہر حصے میں بلکہ دوسرے ممالک تک جاتا ہے۔ کسی جگہ کارخانہ جاری کرنے کے وجوہات خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں نتیجہ وہی ایک ہے۔ ہر صنعت و حرفت ایک یا چند قصبوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے بالفاظ دیگر شہر و قصبے بعض بعض صنعتوں کے واسطے خاص طور پر موزوں نکل آتے ہیں۔ مثلاً سن کے اکثر کارخانے کلکتہ کے قریب و جوار میں واقع ہیں۔ بمبئی۔ احمدآباد اور کانپور کپڑے کے کارخانوں کے

باب دوم فصل (۱)

خاص مرکز ہیں کارخانوں کی شکل میں جو تخصیص صنائع نمودار ہوتی ہے تو اس کا پیدائش پر بہت اہم اثر پڑتا ہے۔ جس کی تفصیل معاشیات کی بڑی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔ سردست تو ہم کو صرف تخصیص صنائع کے رواج سے بحث ہے۔ یعنی صرف یہ واقعہ پیش نظر ہے کہ بعض مقامات بعض چیزوں کی تیاری کے واسطے مخصوص ہوجاتے ہیں +

تخصیص محنت

اب تخصیص محنت کو لیجئے۔ گانوں تک میں اس کا رواج پھیلا ہوا ہے مثلاً بڑھئی الگ ہے کمہار الگ اور دھوبی الگ۔ لیکن گانوں میں اکثر مزدور کھیتی باڑی کے متفرق کاموں سے لگے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ دستکار اور نوکر چاکر بھی گاہے گاہے زراعت کے غیر تخصیص طلب کاموں میں شریک ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بڑھئی اور دھوبی اپنے پیشے کے علاوہ کچھ کاشت بھی کرتے ہیں بعض ایسے گانوں بھی ہونگے جہاں تخصیص طلب کام کے کرنیوالے مثلاً لوہار بڑھئی اور دھوبی نہ ہوں کسان اور اس کے کنبے والے سب کام کریں خود آلات بنادیں۔ کپڑے دھودیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جن گاووں نے کچھ بھی ترقی کی ہے وہاں تخصیص محنت کا رواج شروع ہوگیا ہے۔ جب ہم ترقی پیدائش کے دوسرے دور میں داخل ہوتے ہیں تو یہ تخصیص اور بھی نمایاں ہوجاتی ہے دستکار براہ راست اپنی محنت سے بہت کم احتیاجات پوری کرتا ہے۔ بلکہ دوسرے لوگوں کی چند خاص ضروریات بہم پہنچا کر اپنی روزی کماتا ہے۔ مثلاً ٹھٹیرا جو تانبے پیتل کے برتن بناتا ہے اپنی احتیاج صرف اس قدر پوری کرسکتا ہے کہ کچھ خانہ ساز برتن استعمال کرلے لیکن روٹی۔ کپڑا اور دیگر ضروریات حاصل کرنے کے واسطے اس کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اسکے بنائے ہوئے

باب دوم
فصل (۱۰)

برتن خرید کر اپنے کام میں لائیں تاکہ اس کو قیمت ملے جس سے وہ اپنی ضروریات خریدے۔ ترقی پیدائش کے تیسرے دور میں جبکہ بڑے بڑے کارخانے چلتے ہوں تخصیص محنت کا طریق بہت زیادہ پھیل جاتا ہے۔ چنانچہ اوپر اس واقعہ کی تشریح بھی ہوچکی ہے۔ کار و بار چلانے کا اہتمام تو ایک مختصر طبقے کے سپرد ہوجاتا ہے اور مزدوروں کی بڑی بڑی جماعتیں سامان تیار کرتی ہیں اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو کہ اپنی احتیاج خود ہی پوری کرسکیں۔ کارخانے میں جو شخص کل کا کرگھہ چلاتا ہے وہ بھی کپڑا بننے سے اسی قدر ناواقف ہے جس قدر کہ انجن چلانے والا۔ کپڑا بننے تک سوت پر جو جو عمل ہوتے ہیں انہی کا ایک جزو کرگہ چلانے والا بھی انجام دیتا ہے۔ اور جبتک دوسرے مزدور جو باقی عمل سرانجام دیتے ہیں شریک کار نہ ہوں تنہا اس کا کام سراسر لاحاصل ہے +

تخصیص اور تقسیم اصل

اسی طرح اصل میں بھی تخصیص پذیری کا خاصہ موجود ہے معاشیین اصل کی دو قسم قرار دیتے ہیں۔ اصل قائم اور دائر۔ اصل دائر تو ایک مرتبہ استعمال ہونے میں صرف ہوجاتا ہے۔ اصل دائر کے متعلق مل صاحب کا قول ہے کہ وہ جس کام کے واسطے عمل پیدائش میں استعمال ہوتا ہے اس کو ایک ہی مرتبہ کے استعمال میں پورا کردیتا ہے اس کے برعکس اصل قائم زیادہ دیر پا ہوتا ہے۔ یا بقول مل صاحب زیادہ دیر پا شکل میں موجود رہتا ہے۔ اور اس کا ماحصل زیادہ دنوں تک بتدریج ملتا رہتا ہے۔ مثلاً پیداوار خام جس سے مصنوعات تیار ہوں۔ لکڑی کوئلہ جو انجن میں جھونکا جاتا ہے اور روپیہ جو مزدوروں کو اجرت میں

باب دوم فصل (۷)

دیا جائے۔ یہ سب اصل وائر ہیں لیکن عمارات انجن اور کلیں اصل قائم ہیں۔ طریق پیدائش میں جو تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سب کا رجحان یہ ہے کہ اصل قائم کی مقدار بڑھے اور اس کا بیشتر حصہ اعلیٰ درجے کی تخصیص یافتہ حالت میں استعمال ہو کاشتکار کے پاس اصل قائم بہت تھوڑا ہوتا ہے اور اس کا بڑا حصہ مویشی ہیں جو طرح طرح کے کام کرتے ہیں۔ معدودے چند آلات سے کاشتکار کا سب کام نکل جاتا ہے۔ اصل قائم تو دستکار کے پاس بھی کم ہی رہتا ہے۔ لیکن وہ بمقابل کاشتکار کے اصل کے تخصیص یافتہ ضرور زیادہ ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اُس کے اصل سے چند خاص قسم کے کام لئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ٹھٹیرے کے اوزار تانبے پیتل کے برتن بنانے کے سوا اور کس کام کے ہیں۔ کارخانوں میں البتہ اصل قائم کی بہت زیادہ مقدار کام آتی ہے۔ اس کے بعض جزو مثلاً عمارات اور انجن تو خیر کسی قدر کم تخصیص یافتہ ہوتے ہیں۔ یعنی اصلی کام کے علاوہ کسی حد تک ان سے دوسرے کام لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اکثر کلین بیشک بدرجۂ اعلیٰ تخصیص یافتہ ہوتی ہیں۔ اور ان کے اصلی کام کے سوا ان سے کوئی دوسرا کام لے ہی نہیں سکتے۔ تخصیص کی یہ نوبت ہے کہ جب سے کارخانوں کا رواج بڑھا ہے۔ بہت سے کارخانے ایسے ہیں جو صرف انجن اور کلیں ہی بناتے ہیں جو دوسرے کارخانوں میں چلتی ہیں۔ مثلاً بعض ممالک میں کچھ کارخانے صرف کپڑا بننے کی کل بناتے ہیں۔ بعض سوت کاتنے کی، بعض کپڑا سینے کی، بعض آٹا پیسنے یا تیل نکالنے کی اور خود ایسے کارخانوں میں جو کلیں کام کرتی ہیں ان میں تخصیص کا اثر بدرجۂ کمال موجود ہوتا ہے ؛

باب دوم
فصل (۱۸)

حاصل کلام یہ کہ تینوں عاملین پیدائش میں تخصیص کا خاصہ موجود ہے اسی اصول کو اس طرح پر بھی بیان کرسکتے ہیں کہ جو گروہ خود ہی اپنی ضروریات بہم پہنچاتے ہیں ان میں سے ہر ایک کی جمعیت بڑھ رہی ہے۔ اول اول تو کسی ایک گانوں یا آس پاس کے رہنے والے خود مِل جُل کر تقریباً اپنی کل ضروریات مہیا کرلیتے تھے۔ لیکن جب اسی آبادی کا رقبہ بڑھنا شروع ہوتا ہے تو گانوں والے قصباتیوں کی ضروریات بہم پہنچاتے ہیں اور قصبے والے دیہاتیوں کے واسطے مصنوعات بناتے ہیں یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے تمام دنیا پر محیط ہوجاتا ہے گویا کہ کل مہذب قومیں ایک گروہ بنگئی ہیں اور آپس میں مل کر ضروریات مہیا کرتی ہیں شاید ہی کوئی ایسا ترقی یافتہ ملک ہو جس کی کل ضروریات وہیں کی پیداوار سے حاصل ہوسکیں ورنہ کچھ نہ کچھ چیزیں ضرور دوسرے ملکوں سے لینی پڑتی ہیں۔ ہندوستان کے گانوں تک میں غیر ممالک کی چیزیں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً ناروے، سویڈن یا جاپان کی دیاسلائی روس، برما یا امریکہ کا مٹی کا تیل امریکہ کی روئی یا اسٹریلیا کی اون کا ولائتی بنا ہوا کپڑا۔ جرمنی آسٹریا اور بلجیم کے لیمپ اور چینی اور ایسی ہی دوسری چیزیں اور قصبوں میں تو قریب قریب دنیا کے ہر حصے سے کچھ نہ کچھ چیز آکر فروخت ہوتی ہے تب کہیں لوگوں کی ضروریات بہم پہنچتی ہیں۔ جب ہندوستان میں یہ حالت ہے تو پھر دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا تو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ انگریز لوگ تو ہندوستانیوں سے کہیں زیادہ دوسرے ملکوں کی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا سامان خوراک بھی باہر سے آتا ہے اور ہندوستان کی بعض چیزیں مثلاً چاء

باب دوم فصل ۷،،

اورسن جس کو جوٹ کہتے ہیں۔ قریب قریب ہر مہذب ملک میں جاتی ہیں +

اگر کوئی دریافت کرے کہ ہندوستان میں یہ تبدیلی یعنی تخصیص کیونکر پھیلی تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو اور بھی متعدد اسباب ہیں لیکن سب سے بڑا سبب ذرائع آمد و رفت کی ترقی و توسیع ہے جو ہندوستان کے اندر اندر اور نیز ہندوستان اور دیگر ممالک کے مابین ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے ذرائع آمد و رفت کبھی دریا اور سڑکیں تھیں اور اب ریل بھی جاری ہوگئی اسی طرح ہندوستان سے باہر جانے کا ذریعہ کسی زمانے میں تو بادبانی جہاز تھے۔ لیکن اب دخانی جہاز بکثرت چلتے ہیں۔ بار برداری کا پیشہ فی نفسہ پیدآور ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح اوپر ہوچکی ہے اور جب سے کہ سامان لانے لیجانے کا کام بڑھا اس کے طفیل سے پیدائش دولت میں اور بھی ترقی ہوگئی۔ چنانچہ ہندوستان کی معاشی تاریخ کا سب سے اہم اور دلچسپ حصہ وہ ہے جس میں ذرائع آمد و رفت کی ترقی و توسیع کا حال مذکور ہے +

اسباب تخصیص

مروجہ ذات بندی اور تخصیص محنت میں جو قریبی تعلق ہے ہندوستانی طالب علم اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اہل ہنود کی قدیم کتابوں میں تو صرف اونچی ذاتوں کا ذکر ہے۔ اول برہمن جو مذہبی پیشوا اور مدبر سلطنت ہوتے تھے۔ دوم راجپوت جن میں راجہ مہاراجہ اور سپاہی لوگ شامل تھے۔ سوم ویش جن کا پیشہ کار و بار اور تجارت تھا۔ ان کے علاوہ باقی لوگ شودر کہلاتے تھے یعنی ذات سے خارج شدہ مخلوط النسل لوگ۔ لیکن ان اعلیٰ فرقوں کی طرح اب نیچ ذات میں بھی

باب دوم
فصل (۷)

باقاعدہ فرقے موجود ہیں ان کی شادی بیاہ کی رسم و رواج مقرر ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا پیشہ بھی جدا ہے۔ ایک یہ بھی قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں پیشوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی ہے۔ فرقوں میں سے فرقے نکلنے لگتے ہیں۔ چنانچہ مردم شماری کے نقشوں سے ایسی تقسیم و تفریق کا صاف پتہ چلتا ہے۔ پیشہ پیشہ کے واسطے جداگانہ فرقے کیونکر قائم ہوئے۔ تاریخ میں اس کا پورا پتہ نہیں ملتا۔ اور جب تک کوئی تحریری سرگذشت نہ ملے بہت سے نکات پر پردہ پڑا رہے گا لیکن غالباً اس فرقہ بندی کا ایک بڑا باعث خاندانی پیشہ کا خیال ہوگا۔ کیونکہ خاندانی باتوں کا لحاظ کرنا ہندوستانیوں کی فطرت میں داخل ہے بہت سے ملکوں میں تخصیص محنت عمل میں آئی۔ مگر ذات اور فرقے پیدا نہیں ہوئے۔ کیا وجہ کہ جو پیشہ باپ کا ہو بیٹا بھی اسی کو اختیار کرے۔ لیکن ہندوستان میں باپ کا پیشہ چلانا لڑکے کے واسطے ایک قدرتی بات خیال کی جاتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ جہاں محنت میں کوئی جدید تخصیص پیدا ہوئی ساتھ ہی ایک نیا فرقہ نمودار ہو گیا جن لوگوں نے سب سے پہلے کوئی تخصیص یافتہ کام شروع کیا بس وہ انہی کے خاندان تک محدود ہو گیا اور ہر جدید فرقہ اپنے پہلے جان پہچان والے فرقوں سے میل ملاپ رکھنے کے قواعد مقرر کر لیتا ہے اور یہ ایک بدیہی امر ہے کہ ہندوستان میں ذات پات اور پیشوں میں ایک قریبی تعلق مانا جاتا ہے +

فصل اٹھارہ

اختتام بحث پیدائش

پیدائش دولت کی بحث ختم کرنے سے قبل چند احتیاط طلب باتیں بیان کردینی ضروری ہیں۔ جن جن ملکوں کے حالات دریافت ہوچکے ہیں۔ معاشی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ اُن سب میں ترقی پیدائش نے وہی ایک راہ اختیار کی ہے پس ہندوستان کیونکر مستثنیٰ ہوسکتا ہے یہاں بھی یہی واقع ہو گا کہ کارخانوں میں پیدائش بر پیمانۂ کبیر کا طریق پھیل رہا ہے یہی بڑھتے بڑھتے پیدائش بر پیمانۂ صغیر کے موجودہ طریق کا پورا جانشین بن جاوے۔ گو یہ نتیجہ قرین قیاس ہے لیکن بالکل یقینی نہیں۔ معاشی تاریخ کا ابھی تک پورے طور پر مطالعہ نہیں ہوسکا اور جب تک تحقیق نہ ہو جاوے کہ ایشیا کے دوسرے ممالک میں معاشی معاملات نے کیا رخ اختیار کیا کوئی قطعی فیصلہ کرنا ٹھیک نہ ہوگا سب قومیں ہر لحاظ سے تو یکساں ہو نہیں سکتیں۔ ممکن ہے کہ کارخانوں کا طریق ہندوستان والوں کو پسند نہ آوے اور یہاں کے واسطے وہ ناموزوں ثابت ہو۔ اور پیدائش کا کوئی دوسرا طریق نکالا جاوے جو ہندوستان کے زیادہ

مناسبِ حال ہو پس معاشیات کے مبتدی یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہندوستان میں بھی ترقی پیدائش کا وہی ایک طریق ہے کہ بڑے بڑے کارخانے جاری ہوں دستکار بطور خود سامان بنانا چھوڑ دیں اور آجروں کے ہاں جاکر اجرت پر کام کریں اس میں شک نہیں کہ بحالت موجودہ یہی طریق پھیلتا نظر آتا ہے۔ لیکن یہ فرض کرلینے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسکے سوا ترقی پیدائش کا اور کوئی طریقہ ہی نہیں +

طالب علموں کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضرور نہیں کہ کارخانوں کا عام رواج پانا عمدہ بات ہو پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ معاشیات کو کسی بات کی مدح سرائی اور عیب گیری سے کوئی مطلب نہیں۔ اس کو تو صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ کیا واقع ہو رہا ہے اور کیا واقع ہونا اغلب ہے لیکن معاشیات کے طالب علم کو قدرتاً یہ دریافت کرنے کا شوق ہو گا کہ جو تبدیلی ہوتی نظر آتی ہے وہ اچھی ہے یا بُری اور بحیثیت مدبر سلطنت یا معلم یا تاجر ہونے کے بعض وقت اس کو یہ فیصلہ کرنا یا مشورہ دینا پڑے گا کہ معاشی معاملات میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے ابھی تو طلبار کو بہت کچھ پڑھنا ہے۔ وہ یہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں کہ آیا عام طور پر کارخانے جاری کرنا ہندوستان کے حق میں مفید ہو گا یا کیا۔ جبتک وہ طالب علم ہیں ان کا فرض ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ اسی اصول کی بنا پر ہم ذیل میں چند غور طلب باتیں پیش کرتے ہیں گو ان کو پوری طرح سمجھنے کے واسطے معاشیات کے زیادہ وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے +

باب دوم فصل (۱۸)۔

پہلی غور طلب بات تو یہ ہے کہ ہندوستان ایک بہت مفلس ملک ہے لوگوں کی ناگزیر احتیاجات پوری ہونے کے واسطے بھی دولت میں بہت کچھ اضافہ ہونیکی ضرورت ہے۔ اور کچھ نہیں تو بہت سے لوگوں کو بہتر غذا، بہتر لباس بہتر مکانات، بہتر صحت اور بہتر تعلیم کی سخت ضرورت ہے۔ اور جس طریق سے بھی پیدائش دولت میں اضافہ ہو وہی ملک کے واسطے مفید ہے کیونکہ لوگوں کو کم از کم ناگزیر ضروریات تو میسر ہو جاویں گی۔ اس لحاظ سے تو بیشک کارخانے جاری ہونے مفید ہیں کیونکہ ان کی ہوتے ہوئے پیدائش دولت میں بہت جلد اور بہت کچھ اضافہ ہوسکے گا۔ لیکن اگر کسی دوسرے طریق سے یہ غرض پوری ہو جائے تو وہ بھی اتنا ہی مفید شمار ہونا چاہیے +

دوسری بات غور طلب یہ ہے کہ اگر طریق پیدائش بدلنے سے دولت میں اضافہ بھی ہوجاوے تو یہ ضرور نہیں کہ مزید دولت انہی لوگوں کے پلے پڑے جو اس کے سخت محتاج ہیں ممکن ہے کہ دولتمند فرقے مثلاً زمیندار، تاجر اور کارخانہ دار اس کو سنگوالیں اور غریب مزدوری پیشہ لوگ منہ تکتے رہجاویں یہ بات طالب علموں کی سمجھ میں بخوبی اس وقت آئے گی جبکہ وہ مسئلہ تقسیم دولت سے واقف ہو جائیں گے۔ تاہم یہ تو صاف ظاہر ہے کہ اگر مزید دولت کسی مختصر جماعت نے غصب کرلی تو عوام کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا وہ اسی طرح خستہ حال رہیں گے جیسے کہ ہمیشہ سے تھے۔ یہ بات یوں اور بھی خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ جن ملکوں میں کارخانے جاری ہو چکے ہیں تقسیم دولت کے لحاظ سے وہاں کی حالت قابل

باب دوم اطمینان نہیں بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ کارخانے جاری ہونے
فصل (۱۸) سے تقسیمِ دولت کی حالت اس قدر نا قابلِ اطمینان بلکہ اندیشہ ناک
ہوگئی ہے کہ محض اس حالت کو سُدھارنے کی غرض سے طریق
پیدائش بدلنا پڑے تو عجب نہیں۔ پیداوار کو زیادہ مساوی طور پر
تقسیم کئے بغیر چارہ نہیں کیونکہ محض اضافہ دولت سے کچھ نہ ہوگا
دولت ابتک کیا کچھ کم بڑھی ہے لیکن افلاس ویسے کا ویسا ہی
باقی ہے اگر کچھ گھٹا بھی تو اضافہ دولت کے مقابل کسی شمار میں
نہیں۔ اُنیسویں صدی کی انگریزی معاشی تصانیف اس لحاظ سے
بہت سبق آموز ہیں۔ اوائل صدی کے مصنف تو کارخانوں میں
کوئی عیب نہیں نکالتے تھے نئے نئے کارخانے چلے تھے دولت
میں جو اضافہ ہوا اس کا کہنا ہی کیا تھا۔ اُس وقت کے معاشین
کو یہ بھی امید تھی کہ دولت کی تقسیم بھی بلحاظ مساوات قابل
اطمینان ہوگی۔ لیکن بعد کے مصنفین کو مایوس ہونا پڑا اور جب
امداد باہمی یا اشتراک کے منصوبے پیش ہوئے تو گویا
تقسیمِ دولت کے متعلق تشویش اور بے اطمینانی ظاہر ہونے لگی
معاشیات کے کچھ مطالعہ کے بعد جب طالبعلم ان منصوبوں سے واقف
ہوگا تو ان کا حُسن قبح ظاہر ہو جائیگا۔ سردست اس قدر یاد رکھنا
کافی ہے کہ کارخانوں کا رواج اور تقسیم دولت پر اسکا جو اثر پڑرہا ہے وہ
ہندوستان کے واسطے ناگزیر نہیں بہت کچھ مطالعہ اور غور و فکر کے بعد اس معاملہ کے
متعلق کوئی صحیح رائے قائم ہوسکے گی کہ آیا کارخانے جاری کرنا ہندوستان کے
حق میں کیسا ہوگا۔ اگر دولت بڑھی بھی تو تقسیم دولت پر اسکا کیا اثر پڑے گا؟

باب سوم

صرفِ دولت

فصل انیس ۱۹

احتیاجات

اب ہم معاشیات کے دوسرے خاص شعبہ یعنی صرفِ دولت سے بحث کرتے ہیں۔ یاد ہوگا کہ دولت سے کارآمد چیزیں مراد ہیں یعنی جن چیزوں کی لوگوں کو احتیاج ہو یا جو لوگوں کی ضروریات شمار ہوتی ہوں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ دولت احتیاجات پوری کرنے میں صرف ہوتی ہے اور نیز یہ کہ بعض احتیاجات ایسی ہیں جو دولت سے بھی پوری نہیں ہوتیں۔ معاشیات کے متعلم کو تو بس ان احتیاجات سے سابقہ پڑتا ہے جن کے پورا کرنے میں دولت صرف ہوتی ہو۔ فطرت انسانی کی وہ احتیاجات جو دولت سے پوری نہ ہوں اسکے نزدیک خارج از بحث ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی معاشی نتائج کو عملی زندگی کے حالات پر منطبق کرتے وقت ان احتیاجات کا بھی لحاظ کرنا ضروری ہے جو معاشی مباحث میں نظرانداز کردی جاتی ہیں

معاشیات اور احتیاجات

باب سوم فصل (۱۹)

اس علم میں انسان کی مکمل زندگی سے تو بحث ہوتی نہیں صرف اسکے ایک جزو یا پہلو کا بیان ہوتا ہے۔ حالانکہ انسان اپنے معاملات زندگی میں سب پہلو پیش نظر رکھتا ہے۔ معاشیات سے کل معاملات زندگی کا علم تو حاصل ہو نہیں سکتا۔ البتہ زندگی کا ایک رخ خوب واضح ہوجاتا ہے۔ اور باقی کے متعلق اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا ؛

لیکن زندگی کے جس پہلو سے معاشیات بحث کرتا ہے وہ خوب وسیع اور اچھا خاصہ اہم ہے۔ بھلا غور تو کرو کہ انسان کی کس قدر گوناگوں احتیاجات دولت سے پوری ہوتی ہیں اول تو کھانا، کپڑا، مکان، حرارت اور روشنی ہے عوام کی بیشتر احتیاجات انہیں چیزوں سے پوری ہوتی ہیں اور انہیں کے حصول میں ان کی کمائی کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا ہے ان کے بعد وہ لا تعداد چیزیں ہیں جو بحیثیت راحت رساں اور سہولت افزا ہونے کے لوگوں کو درکار ہوتی ہیں اور جن سے بازار کے بازار بھرے پڑے ہیں علیٰ ہذا طرح طرح کی سواریاں تفریح کے سامان تعلیم اور علاج معالجے کے ذرائع وغیرہ بلکہ یوں کہئے کہ بالعموم انسان جن جن احتیاجات کے پورا کرنے میں اپنی آمدنی خرچ کرتا ہے معاشیات کو ان سب سے تعلق ہے بالفاظ دیگر معاشی کو ان تمام احتیاجات سے سروکار ہے جو زر خرچ کرنے سے پوری ہوسکتی ہوں ؛

احتیاجات کی تعریف اس سے زیادہ کیا بیان کرسکتے ہیں کہ وہ فطرت انسانی کا ایک جزو ہیں جو انسان ہمارے پیش نظر ہے اسکو چند احتیاجات محسوس ہوتی ہیں اور انکو پورا کرنے کے واسطے

باب سوم
فصل (۱۹)

وہ جدوجہد کرتا ہے۔ بادی النظر میں احتیاجات اس قدر کثرت سے مختلف معلوم ہوتی ہیں کہ گویا سب کے متعلق کوئی عام بات کہنی محال ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ صرف معدودے چند خصوصیات ان میں مشترک ہیں اسی وجہ سے معاشیات کے اس حصے کی بحث بمقابل پیدائش دولت بہت مختصر ہے۔ تاہم جو چند باتیں قابل بیان ہیں بہت اہم ہیں اور ان کا ٹھیک سمجھنا نہایت ضروری ہے ؂

احتیاجات کی شدت

پہلی بات جو توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ سب احتیاجات یکساں شدید محسوس نہیں ہوتیں کچھ تو بلحاظ افراد کے اور کچھ بلحاظ حالات حاضرہ کے۔ احتیاجات کی شدت کے مدارج ہوتے ہیں بہت کم لوگ ایسے خوش قسمت ہیں جو اپنی کل احتیاجات پوری کرسکیں۔ عوام کو ہمیشہ یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کون کون احتیاجات پوری ہونی چاہئیں اور کون کون ترک کردی جائیں بالفاظ دیگر کون چیزیں خرید لی جاویں اور کن کے بغیر گذر کی جاوے۔ جن چیزوں کی احتیاج سب سے زیادہ شدید محسوس ہو وہ تو خرید لی جاتی ہیں اور باقی کو صبر کرلینا پڑتا ہے ممکن ہے کہ دوسرے لوگ کسی کے انتخاب کو غیر عاقلانہ قرار دیں یا دوسرے وقت وہی شخص انتخاب بدل دے لیکن عین انتخاب کرتے وقت اس کو وہی احتیاجات سب سے شدید محسوس ہوتی ہیں جن کو وہ پورا کرتا ہے۔ اور جن احتیاجات کو وہ ترک کرنا گوارا کرتا ہے ان کی شدت کم از کم انتخاب کے وقت ضرور کم محسوس ہوتی ہے گویا جب کوئی اپنی آمدنی کے مصارف کی مدیں قرار دیتا ہے تو وہ اپنی احتیاجات کو اس شدت کے لحاظ سے

باب سوم فصل (۱۹)

پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے جو مختلف احتیاجات کی بابتہ اس کو اسوقت محسوس ہوتی ہے شدت احتیاج چیزوں کی کوئی صفت نہیں ہے جو بیان ہوسکے بلکہ وہ ایک کیفیت احساسی ہے یعنی فطرتِ انسانی کا ایک جزو ہے اور معاشی بھی اسی حیثیت سے اس پر نظر ڈالتا ہے۔

احتیاجات کا بہ تمام و کمال پورا ہونا۔

دوسری بات قابلِ بیان یہ ہے کہ ہر ایک احتیاج بہ تمام و کمال پوری ہوسکتی ہے۔ خرچ کرنے کے واسطے روپیہ کافی ہونا شرط ہے یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے اور طالب علم بھی تجربہ کرکے چاہیں تو تصدیق کرلیں کہ سب سے شدید احتیاج تو کھانے پینے کی ہے جو شخص بھوک پیاس سے نڈھال ہورہا ہو وہ اپنی گرہ کا سب کچھ دیکر بھی تو کھانا پانی خرید لے گا۔ لیکن جب وہ اس کو مل گیا تو کچھ عرصے کے واسطے اس کی احتیاج غائب ہو جائے گی جبتک اس کو بھوک پیاس نہ لگے اس کو کھانے پینے کی احتیاج نہ ہوگی یا اگر کسی طالبِ علم کو ایک جوڑہ جوتہ یا کتاب یا گیند بلّے کی ضرورت ہو تو وہ یہ سب احتیاجات پوری کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی گرہ میں قیمت ادا کرنے کے واسطے کافی دام ہوں۔

احتیاجات کی تعداد اور اقسام میں اضافہ

اب اگر ہر ایک احتیاج بہ تمام و کمال پوری ہوسکتی ہے تو غالباً یہ خیال پیدا ہو گا کہ انسان کو یہ حالت بآسانی میسر آسکتی ہے کہ اسکی تمام احتیاجات پوری ہوچکی ہوں اور کسی چیز کی ضرورت باقی نہ رہے لیکن ایسی حالت بہت شاذ و نادر پیدا ہوتی ہے انسان کی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ احتیاجات کی تعداد اور اقسام برابر بڑھتی رہتی ہیں۔ عجب قصہ ہے موجودہ احتیاجات پوری ہوگئیں

باب سوم فصل (۱۹)

کہ نئی نئی احتیاجات نے سر اٹھایا۔ احتیاجات کی گویا یہ تیسری خصوصیت ہے مذکورہ بالا خصوصیات کی طرح یہ بھی انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ اور معاشی اس کو صرف بحیثیت ایک امر واقعی کے تسلیم کر لیتا ہے اس کی تشریح اور توجیہہ سے اس کو کچھ واسطہ نہیں۔ بھوک میں تو معمولی سے معمولی کھانا بھی ازحد مرغوب معلوم ہوتا ہے۔ جو جوار کی روٹی دال دلیا جو کچھ بھی ہاتھ لگے بھوکا سب چٹ کر جاتا ہے بقول شخصیکہ بھوک میں کواڑ بھی پاپڑ ہیں۔ لیکن جہاں آدمی کا پیٹ بھرا کھانے کی طرف سے اس کو اطمینان ہوا اور لگا طرح طرح کے نفیس اور لذیذ کھانوں کی فکر کرنے۔ جو کے بجائے گیہوں کا آٹا ہو، گھی ہو ترکاری ہو۔ چانول اور مچھلی ہو چٹپٹے مسالے۔ اچار اور چٹنیاں ہوں۔ اب برتنوں پر توجہ ہوئی۔ مٹی کے برتن خارج۔ تانبے اور چینی کے برتنوں میں کھانا کھایا جاتا ہے۔ یہی حال لباس کا ہے۔ غریب آدمی کو تو گاڑھے گزی کا کرتہ اور دھوتی بس ہے لیکن جب تن ڈھک گیا تو اس کو بھی نرم باریک کپڑے کا شوق چرّاتا ہے مزید براں کرتہ دھوتی کے علاوہ پگڑی اور جوتہ کو بھی دل چاہنے لگا۔ جب یہ بھی میسر آگئے تو اب کچھ کچھ فیشن کا بھوت سر پر سوار ہوتا ہے۔ جاڑوں میں اونی کپڑے ہوں تو گرمی میں ریشم کے ہوں کھیل کے کپڑے جدا ہوں سواری کے جدا۔ کچھ کپڑے روز مرہ پہننے کے ہوں اور کچھ تقریبات کے واسطے عمدہ قسم کے تیار رہیں نیا نیا وکیل تو بیچارہ کرایہ کے تانگے یا ٹریم کار میں جانا کچھ باعث عار نہیں سمجھتا۔ لیکن جب

اس کو چار پیسے ملنے لگے تو اول ایک بگھی کی فکر کرتا ہے۔ جب حالت اور سدھری تو گاڑی اور جوڑی خریدلی اور کہیں وکالت نے عروج پکڑا تو پھر وکیل صاحب موٹر بغیر قدم نہیں اُٹھاتے۔ فطرتِ انسانی کا یہ ایک عام رجحان ہے کہ جوں جوں ضروریات حاصل ہوتی ہیں انسان ہل من مزید کا نعرہ لگاتا ہے کچھ مثالیں جتنے بیان کیں طالبعلم ہر طرف یہی تماشہ دیکھے گا کہ کوئی بہ تمام و کمال غنی نہیں موجودہ ضروریات حاصل ہوتے ہی جدید ضروریات یورش کرتی ہیں اور آمدنی چاہے جس قدر بڑھ جائے اسے صرف کرنے میں کوئی دقّت پیش نہیں آتی ÷

گو یہ خاصہ تو عام ہے کہ نئی نئی احتیاجات پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن اسکے عملدرآمد کی رفتار میں حالات زندگی کے اختلاف کے مطابق بہت کچھ فرق نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے باشندوں کی موجودہ حالت پر غور کرتے وقت یہ فرق خاص طور پر نمایاں معلوم ہوتا ہے جو گانوں کہ ریل سے دور دور واقع ہیں وہاں نئی نئی احتیاجات بہت دیر دیر بعد پیدا ہوتی ہیں اور وہاں کے باشندے ضرور اسقدر قانع ہوجاتے ہیں کہ ان کے نزدیک کوئی احتیاج پوری کرنی باقی نہیں رہتی غالباً ترقی پیدائش کے ابتدائی دور میں بھی جبکہ ہر گانوں اپنی ضروریات خود مہیّا کرتا تھا۔ لوگوں کا کم و بیش یہی حال تھا۔ قصبوں کے مقابل تو اب بھی گانوں میں یہ حالت زیادہ نظر آتی ہے لیکن ترقی کے ساتھ گانوں کا رنگ بھی بدل چلا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُس وقت احتیاج بہت صاف صاف محسوس ہوتی ہے جبکہ اس کو پورا کرنے کا ذریعہ بھی دریافت ہوجائے۔ جوں جوں

باب سوم فصل (۱۹)

معلومات بڑھتی ہے۔ احتیاجات پوری کرنے کے نئے نئے ذرائع کا پتہ چلتا ہے اور پھر ان سے کام لینے کو دل چاہتا ہے۔ ایک مثال لو۔ جب تک موٹر ایجاد نہ ہوئی تھی امرا اور معززین گاڑی گھوڑوں سے خوش تھے اچھے سے اچھے گھوڑے اور گاڑیاں رکھتے تھے اور یہ نئی سواری یعنی موٹر ان کے خواب و خیال سے بھی باہر تھی۔ مگر جوں ہی موٹریں ہندوستان میں آئیں، ہر کوئی ان کا شیدا ہو گیا۔ گویا کوئی ایسی احتیاج پیدا ہوگئی کہ موٹر کے سوا گھوڑا گاڑی سے وہ پوری ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ اب ہندوستان میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں کچھ موٹر نہ ہوں۔ اور حیدرآباد، کلکتہ، بمبئی جیسے بڑے شہروں میں تو وہ اس قدر عام ہیں کہ گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہیں۔ بالخصوص حیدرآباد میں جس قدر کثیر اور قیمتی موٹر چلتی ہیں ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں اس کی مثال ملنی دشوار ہے +

موٹروں کی مثال سے واضح ہوگیا ہوگا کہ علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ کیونکر نئی نئی احتیاجات پیدا ہوتی ہیں۔ اور علم ہے کہ برابر بڑھ رہا ہے۔ نہ صرف تعلیم کے ذریعہ سے بلکہ بہت کچھ توسیع تجارت اور سیر و سفر کے ذریعہ سے بھی۔ خصوصاً جب سے ریل اور دخانی جہاز چلے ہیں علم کا سیلاب بہہ نکلا ہے۔ احتیاجات کی تو بس یہ حالت ہے کہ جوں جوں علم بڑھتا ہے ان کے اضافے کی بھی رفتار تیز ہوتی ہے پس یہ امید نہیں بندھتی کہ اگر ملک میں ترقی ہوئی تو بمقابل حال زیادہ لوگ دل بھر کر احتیاجات پوری کر سکیں گے۔ بلکہ

باب سوم فصل (۱۹)

اس کے برعکس اندیشہ ہے کہ گو زیادہ احتیاجات پوری ہوجاویں تاہم نئی احتیاجات اس سرعت سے بڑھیں گی کہ نہ پوری ہونے والی احتیاجات کی تعداد آجکل کے مقابل اور بھی بڑھ جاوے گی +

پس احتیاجات کے متعلق اس قدر تحقیق ہوا کہ ان کی شدت بمدارج مختلف محسوس ہوتی ہے۔ ہر ایک احتیاج بجائے خود پوری ہوسکتی ہے۔ لیکن موجودہ احتیاجیں پوری ہوتے ہی جدید احتیاجات نمودار ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ دیہات میں ایسے بہت کم لوگ ملینگے کہ جن کی احتیاجیں بہ تمام و کمال پوری ہوگئی ہوں اور جو کچھ ہیں ان کی تعداد بڑہنی تو درکنار الٹی گھٹ رہی ہے۔ احتیاجات کے متعلق جو باتیں بیان ہوئیں ان میں چند مستثنیات بھی داخل ہیں جن کو ہم اگلی فصل میں بیان کریں گے +

فصل بیس۲۰

احتیاجات اور چند مستثنیات

احتیاجات کی عام کیفیت میں کچھ مستثنیات بھی نظر آتی ہیں۔ جو اس فصل میں بیان کرنی مقصود ہیں معاشیات کی ابتدائی بحث میں انکا بیان کچھ زیادہ ضروری تو نہیں ہے۔ چنانچہ یہ ممکن ہے کہ ان کا مطالعہ کافی معاشی معلومات حاصل ہونے تک ملتوی رہے۔ لیکن پھر بھی یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کچھ مختصر ذکر یہاں بھی کردیا جائے ایک تو ان سے احتیاجات کی کیفیت پر مزید روشنی پڑے گی۔ دوسرے ممکن ہے کہ وہ مستثنیات خود بخود طالب علم کے ذہن میں آئیں اور طالب علم ان کو گذشتہ فصل کے بیان کی تردید سمجھکر حیران ہو جائے ؞

احتیاجات جو پوری نہ ہوسکیں

اول تو یہ جتانا ضروری ہے کہ خاص خاص حالتوں میں بعض احتیاجات ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا وہ کبھی بہ تمام و کمال پوری نہیں ہوسکتیں اور ان کے واسطے لوگ سدا ہل من مزید کا وظیفہ ورد کرتے ہیں مثلاً نمائش اور آرائش کا شوق کہ پورا ہوتا ہی نظر نہیں آتا بعض لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ اپنی امارت اور شان دکھائیں اس غرض کے لیے وہ عالی شان محلات بنواتے ہیں بیش بہا سازوسامان

سے اُن کی آرائش کرتے ہیں۔ عمدہ سے عمدہ گھوڑے گاڑیاں رکھتے ہیں۔ نہایت بیش قیمت لباس اور زیور پہنتے ہیں۔ غرضکہ ہر طرح پر تزک اور احتشام سے رہتے ہیں۔ آرائشی چیزوں پر لکھوکھا روپیہ خرچ کرتے ہیں مگر کبھی اس کی خریداری سے نہیں تھکتے۔ جہاں کوئی نئی چیز نظر پڑی فوراً خرید لی۔ یہ حالت دیکھنے میں تو مستثنیٰ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آرائش و نمائش کی خواہش در حقیقت کوئی واحد احتیاج نہیں۔ جیسے کہ بھوک۔ پیاس یا تن پوشی بلکہ وہ بہت سی سادہ احتیاجات کا مجموعہ یا مرکب ہے۔ اور جوں جوں یہ احتیاجیں پوری ہوتی جاتی ہیں جدید احتیاجات پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ کبھی تو دل چاہتا ہے عمدہ سی گاڑی خریدئے۔ جب خرید لی تو موٹر کا شوق ہوا۔ جب موٹر بھی مل گئی تو اب اس کے اقسام پر نظر دوڑنے لگی غرض کہ کسی ایک چیز سے دل نہیں بھرتا پس جو احتیاجات کہ مفرد ہونیکے بجائے مرکب ہوں وہ بظاہر تو اس قاعدے سے مستثنیٰ معلوم ہوتی ہیں کہ احتیاجات بہ تمام و کمال پوری ہوسکتی ہیں۔ مگر درحقیقت وہ اس قاعدے کی مثال ہیں کہ موجودہ احتیاجات پوری ہوتے ہوتے جدید احتیاجات پیدا ہوجاتی ہیں۔

دوسری چیز جو مستثنیٰ نظر آتی ہے وہ غلبہ اور اقتدار کی خواہش ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے بڑھ کر کوئی فکر نہیں ہوتی کہ دوسرے لوگ ان کے مطیع اور ماتحت ہوکر رہیں اس مقصد کے واسطے وہ سب کچھ کرنے کو تیار رہتے ہیں اور ان کو جتنا ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے اُس سے زیادہ وہ حصول غلبہ کی کوشش کرتے ہیں۔

باب سوم فصل (۲۰)

ذرا ہندوستان کی تاریخ پہ نظر ڈالو۔ اسی حکومت و اقتدار کی خاطر لوگوں نے کس قدر فتنے فساد اور خونریزیاں کی ہیں۔ بادشاہوں کے اعلیٰ عہدہ داروں کو جہاں موقع ملا فوراً انہوں نے اپنی سلطنت قائم کر لی۔ ایسی طوایف الملوکی تو اب ممکن نہیں مگر ہاں معاشرتی اور سیاسی زندگی کے شعبوں میں اب بھی یہ خواہش خوب رنگ دکھاتی ہے۔ یہ حالت بیشک ایک حقیقی استثنا ہے۔ یعنی غلبہ اور حکومت کی خواہش ایک ایسی احتیاج ہے جو تمام و کمال کبھی پوری نہیں ہوتی لیکن یہ احتیاج خال خال لوگوں ہی کو محسوس بھی ہوتی ہے اور معاشی کو بیشتر عام لوگوں کی احتیاجات سے سابقہ پڑتا ہے +

ایک اسی قسم کی استثنا زر پرستی کی خواہش ہے کہ جہاں تک ہو سکے اور جس طرح ہو سکے دولت جوڑیئے۔ بالخصوص سونا چاندی اور جواہرات یہ لوگ خرچ کرنے کی نیت سے دولت نہیں جوڑتے نہ ان کو حکومت کی خواہش نہ اعزاز کی تمنا نہ عیش و عشرت کا شوق انکو تو بس یہ خیال عزیز ہے کہ وہ بہت بڑی دولت کے مالک ہیں یا کبھی دل چاہا تو ذرا زرد جواہر کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا۔ شمار کیا اور پھر احتیاط سے رکھ دیا لیکن حالت یہ ہوتی ہے کہ جتنی دولت بڑھتی اُس سے دُگنا دولت پرستی کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ خاص خاص بخیلوں کی یہ نوبت پہنچتی ہے کہ بعض تو سراسر دیوانے معلوم ہوتے ہیں اور بعض اس سے کچھ ہی کم۔ لیکن وہ سب مستثنا شمار ہونے کے قابل ہیں عام لوگوں کی یہ حالت بھلا کیوں ہونے لگی ایسا ہوتا تو دنیا کا کار و بار کیونکر چلتا۔ اور چونکہ معاشی کو تو عوام سے سروکار

ہوتا ہے۔ایسے زر پرست بخیلوں کو وہ نظر انداز کرسکتا ہے +

باب سوم فصل (د،ہ) احتیاجات میں اضافہ نہ ہونا۔

اب اُن لوگوں کے حال پر ذرا غور کرو جن کی احتیاجات میں بلحاظ اقسام و تعداد بہت کم اضافہ ہوتا ہے۔مذہبی فقیر اور جوگیوں کی بالعموم یہی حالت ہوتی ہے۔ طلبا نے ایسے قصے ضرور پڑھے ہونگے کہ فلاں دولت مند نے دنیا ترک کرکے جوگ یا فقیری اختیار کرلی تاکہ اطمینان سے خدا کی عبادت کرے۔ یہ لوگ تنعم چھوڑ چھوڑکر خیرات پر گذارا کرنے لگتے ہیں۔ہندوستان میں ایسی مثالیں نایاب نہیں گرچہ اس درجہ ایثار کرنا عوام کے حوصلہ سے بالاتر ہے۔ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ معدودے چند احتیاجات جو صرف مذہبی کاموں سے پوری ہوسکتی ہیں ان کو اس درجہ شدید محسوس ہونے لگتی ہیں کہ ان کے مقابل دوسری احتیاجوں کی کوئی حقیقت نہیں رہتی انکی جوکچھ احتیاجات ہیں وہ دولت سے بہت کم پوری ہوسکتی ہیں اور اسی وجہ سے معاشی کو بھی ان احتیاجات سے کچھ تعلق نہیں۔اور اگر ہے بھی تو صرف اس قدر کہ جب ان کے وجود کا اس کو علم ہو تو اتنا جتادے کہ جب کسی قوم یا فرقے میں مذہبی اثر سے لوگ فقیری اور جوگ اختیار کرتے ہیں تو وہاں دولت کی پیدائش اور صرف دونوں میں تخفیف ہوجاتی ہے اس کے سوا معاشی کو ایسے لوگوں کی احتیاجات سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ وہ دولت سے پوری نہیں ہوتیں۔گو آجکل جوگ سادھنے کا رواج ہندوؤں میں بہت پھیلا ہوا ہے۔تاہم یہ رواج ہندوؤں تک محدود نہیں۔کسی زمانے میں بودھ لوگ بھی بکثرت ایسا کرتے تھے

اور عیسائیوں میں بھی یہ بات پسندیدہ مانی جاتی تھی۔ سب کو معلوم ہے کہ بہت سے ہندو سادھو اور فقیر ایسی زندگی مذہب کی خاطر اختیار نہیں کرتے بلکہ لاچار ہوکر بسر اوقات کی یہ تدبیر نکالتے ہیں بالفاظ دیگر وہ تارک الدنیا نہیں بلکہ متروک الدنیا ہوتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں بھی ایسے لوگ گذر چکے اور موجود ہیں۔ مثلاً سولھویں صدی میں یورپ کی خانقاہیں معاشی حیثیت سے بہت توجہ طلب ہوگئی تھیں راہب لوگ خوب دولت پیدا کرتے اور عوام کی طرح دنیا کا لطف اڑاتے تھے گویا صرف دکھادے کے تارک الدنیا بنے ہوئے تھے اور درحقیقت دنیا کے بڑے دلدادہ تھے۔

چند صورتیں اور بھی ایسی ہیں کہ جن میں بعض احتیاجات جو معاشیات کے دائرے سے خارج ہیں اس شدت سے محسوس ہوتی ہیں کہ معاشی احتیاجات کو ان کے مقابل پس پا ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کو یہی شوق ہوتا ہے کہ شعر لکھیں، مصوری کریں یا سنگتراش بنیں۔ اس غرض سے نہیں کہ روپیہ ہاتھ آئے یا شہرت ہو۔ بلکہ محض اس شوق کی خاطر جو فطرتاً ان کے دل میں موجزن ہے معاشی اس قسم کی احتیاجات کا اُن احتیاجات سے مقابلہ نہیں کرسکتا جن سے اس کو بحث ہوتی ہے تاہم ان کا وجود اس کے نزدیک ایک توجہ طلب واقعہ ہے۔

معاشی کو اس بات کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بھی احتیاجات ہیں جن کی بحث اس کے علم یعنی معاشیات کی حدود سے باہر ہے اس کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو فطرت انسانی

باب سوم فصل (۲۰)

کا بہترین جزو شمار ہوتی ہیں۔ اور جن لوگوں کو ان کا احساس ہوتا ہے ان کے افعال عوام کے افعال سے بالکل مختلف ہوا کرتے ہیں لیکن معاشی کے مدِنظر تو آخرالذکر قسم کے افعال رہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ گو وہ احتیاجیں کتنی ہی شدید محسوس ہوں لیکن اس حد تک کبھی محسوس نہیں ہوتیں کہ عوام کے طرزِ عمل پر ان کا کوئی قابل لحاظ اثر پڑسکے۔ اور معاشی کا خاص مضمون عوام کا طرزِ عمل اور کاروبار ہے۔ معاشی کو اُن اعلیٰ احتیاجات سے فی نفسہٖ تو کوئی بحث نہیں البتہ وہ یہ ضرور تسلیم کرتا ہے کہ ان کے اثر میں آکر کچھ لوگ بمقابل عوام مختلف طور پر عمل کرتے ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ گو بحیثیت مجموعی کسی قوم یا فرقہ کے عمل کے متعلق نتائج اخذ ہوسکتے ہیں۔ لیکن ان کا فرداً فرداً ہر ایک شخص پر صادق آنا ضروری نہیں۔ بعض کا عمل اُن نتائج کے خلاف بھی ہو تو عجب نہیں۔ المختصر معاشی معمولی لوگوں کے حال سے بحث کرتا ہے لیکن اس کو یہ بھی خیال کرنا پڑتا ہے کہ کچھ لوگ غیر معمولی بھی ہوتے ہیں۔

معاشی احتیاجات کی تعریف غیر معین۔

اوپر کے بیان سے طالب علم کو یہ خیال ہوا ہو گا کہ معاشیات میں جن احتیاجات سے بحث کی جاتی ہے ان کی حدود کچھ غیر معین سی ہیں اور یہ بالکل سچ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشیات میں انسانی زندگی کے صرف ایک شعبے سے بحث ہوتی ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ زندگی کے کل شعبے ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیئے جائیں۔ معاشی کے پیش نظر کیا ہے۔ معمولی لوگوں کی معمولی احتیاجات اور ان کو پورا کرنے کے مروجہ طریقے اس شعبہ زندگی کے متعلق

چند نتائج اخذ ہوسکتے ہیں جو عوام پر بڑی حد تک صادق آئیں گے۔ لیکن خود لفظ معمولی سے کوئی حد معین نہیں ہوتی۔ اس میں بھی درجوں کا فرق ہے۔ معمولی زندگی کہاں ختم ہوتی ہے اور کہاں سے غیر معمولی شروع ہوتی ہے۔ اس باب میں مختلف لوگوں کی مختلف رائے ہونگی۔ پس واضح ہوا کہ گو معاشیات کے مباحث کی حدود اچھی خاصی نمایاں ہیں تاہم ان کو ٹھیک ٹھیک قائم کرنا دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے جیسا کہ کئی مرتبہ بیان ہوچکا ہے کہ معاشی نتائج سے عمل کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ نتائج کی بنا پر رائے قائم کرنے سے پیشتر فطرت انسانی کے ان خواص کا بھی لحاظ کر لینا ضروری ہے جن کو معاشی نے نظر انداز کر دیا ہے ؛

معاشی نتائج میں کچھ تنگی یوں بھی پیدا ہوتی ہے کہ مختلف قومیں ترقی کے مختلف مدارج پر نظر آتی ہیں۔ جو طرز عمل کسی قوم میں بالکل معمولی خیال کیا جاتا ہے دوسری قوم میں وہی غیر معمولی شمار ہوتا ہے۔ جب ایک درجے کے لوگ دوسرے درجے والوں کی لکھی ہوئی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں تو ان کو اس فرق مدارج کی بدولت عملی دقت پیش آتی ہے۔ مثلاً انگلستان میں یہ بات قیاس سے باہر ہے کہ رشوت لیکر کوئی جج خلاف انصاف فیصلہ لکھدے اب اگر معاشی چاہے تو انگلستان کی حالت کی بنا، پر لکھدے کہ جج کی ایمانداری کا معیار زر نہیں بن سکتا۔ ہندوستان ترقی کرتے کرتے اس درجے پہ آرہا ہے لیکن ابتک کبھی کبھی جج رشوت لیکر فیصلہ خراب کردیتے

باب سوم فصل (۲) میں گویا یہاں ایسے بھی جج موجود ہیں۔ جن کی ایمانداری زر کے ذریعے سے ناپی جاسکتی ہے۔ یعنی یہ کہ رشوت کی کس مقدار تک وہ ایماندار رہتے ہیں اور کب ایمانداری فروخت کر ڈالتے ہیں۔ ترقی ہوتے ہوتے ایمانداری کی خاصیت اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ چاہے کتنی ہی بڑی رشوت دیجئے اس کے معاوضے میں جج ایمانداری ہاتھ سے دینا ہرگز گوارا نہ کرے گا۔ آج سے ایک صدی پہلے جبکہ ہندوستان میں رشوت کا بازار گرم تھا۔ کوئی معاشی اگر چاہتا تو جج کی ایمانداری کی بحث معاشیات میں داخل کرلیتا۔ کیونکہ اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ لیکن اب ایمانداری پر رشوت کا جادو نہیں چلتا اور نہ معاشیات میں اس خاصہ سے بحث کی جاتی ہے یہ بھی اخلاقی ترقی کی ایک بڑی علامت ہے ؛

طلباء کو اول تو اپنے علم یعنی معاشیات کے حدود ٹھیک ٹھیک قائم کرنے میں دقت محسوس ہوگی۔ دوسرے یہ قرار دینا بھی مشکل ہے کہ معاشی نتائج کس حد تک معاملات زندگی پر صادق آتے ہیں۔ چند خاص خاص مستثنیات اور دقتیں بیان ہوچکیں اب ہم معمولی لوگوں کی روز مرہ کی احتیاجات کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں +

فصل اکیس ۲۱

ضروریات و تعیشات

سب جانتے ہیں کہ خرچ کرتے وقت لوگ جب کچھ احتیاجات اول پوری کرلیتے ہیں تب کہیں دوسری احتیاجوں کا خیال دل میں لاتے ہیں۔ جو چیزیں کہ اول الذکر احتیاجوں سے متعلق ہوں وہ تو **ضروریات** شمار ہوتی ہیں اور جن کا آخرالذکر سے تعلق ہو وہ **تعیشات** کہلاتی ہیں۔ یوں سرسری بیان سے ضروریات اور تعیشات کا فرق خوب واضح نہ ہو تو اس کی تشریح بھی حاضر ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں چیز کی ضرورت ہے تو اس ضرورت کا باعث کوئی نہ کوئی غرض یا مطلب ہوتا ہے۔ اسی بناپر ضروریات کی دوقسمیں قرار پائی ہیں ایک تو "**ضروریات حیات**" اور دوسری "**ضروریات کارکردگی**"۔

ضروریات حیات
ضروریات کارکردگی

ضروریات حیات سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جن کے بغیر لوگ زندہ نہ رہ سکیں سرد ممالک میں کھانے پینے کے علاوہ گرم لباس اور مکان بھی ضروریات حیات میں داخل ہے۔ ہندوستان کے میدانوں میں موسم اس قدر معتدل رہتا ہے کہ مکان اور لباس کی بہت

باب سوم فصل (۱۴)

زیادہ ضرورت نہیں پڑتی۔ حتیٰ کہ جاڑے میں صرف ایک ہلکے کمبل سے کام نکل جاتا ہے۔ پس یہاں پر ضروریات حیات میں خور و نوش کے سوا اور کوئی چیز بہت کم داخل ہے۔ لیکن ضروریات کارکردگی میں بہت سی چیزیں شامل ہیں جن کو استعمال کر کے مزدور اپنا کام بطریق احسن انجام دے سکے۔ اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے بچوں کو کم از کم اتنا پڑھا لکھا دے کہ وہ بھی اس کا کام کرنے لگیں۔ ہندوستان میں ضروریات کارکردگی میں یہ چیزیں خاص طور پر داخل ہیں۔ اول وافر کھانا یعنی نہ صرف اس قدر کہ اُس سے آدمی کی جان بچی رہے بلکہ جس سے وہ توانا تندرست رہے۔ دوسرے کافی لباس سامان اور مکان تیسرے علاج معالجے اور تعلیم کا بندوبست کہ بچے بھی پڑھ لکھ کر اپنے والدین کی طرح بلکہ اُن سے بہتر گذران کر سکیں +

ضروریات کی ان دونوں قسم میں بہت بڑا فرق ہے ہندوستان میں اب لوگ فاقے سے بہت کم مرتے ہیں۔ حتیٰ کہ قحط میں بھی ایسی نوبت زیادہ نہیں آتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضروریاتِ حیات تو لوگوں کو بالعموم حاصل ہیں لیکن ساتھ ہی ملک اس قدر مفلس ہے کہ بہت تھوڑے لوگ ضروریات کارکردگی کا لطف جانتے ہیں مثلاً بہت سے لوگوں کو تو علاج معالجہ اور تعلیم نصیب نہیں ہوتی۔ صحت پرور مکانات بالخصوص قصبوں میں بہت کم نظر پڑتے ہیں۔ دستکاروں مزدوروں اور چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کی بڑی جماعت کو جاڑے میں کافی لباس میسر نہیں ہوتا۔ اور

باب سوم فصل (۲۱)

ملک کے اکثر حصوں میں مزدور کو اتنی خوراک نہیں ملتی کہ وہ دن بھر محنت کرسکے۔ بوجہ کمزوری و ناطاقتی جلد تھک جاتا ہے +

رسمی ضروریات

ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ جو لوگ ضروریات کارکردگی سے محروم نظر آتے ہیں وہ اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ غیر ضروری چیزوں میں صرف کردیتے ہیں۔ کچھ ہندوستان ہی پر منحصر نہیں دیگر ممالک میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ضروریات کارکردگی چھوڑکر اور اور چیزیں خریدتے ہیں۔ یہ چیزیں رسمی ضروریات کہلاتی ہیں۔ ان کا استعمال کارکردگی کے واسطے ضروری نہیں البتہ رسم و رواج اور عام خیال کے مطابق یہ چیزیں نہایت ضروری مانی جاتی ہیں مثلاً کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مدتوں کی کمائی شادی غمی کی تقریبوں میں خرچ کرنے سے کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ رسم و رواج ایسی تقریبات کی مقتضی ہیں اور بھائی بندوں کا بھی اصرار ہوتا ہے لوگ اپنا اندوختہ ان کاموں میں اُڑا دیتے ہیں اور خود ضروریات کارگردگی سے محروم رہ جاتے ہیں اتنا روپیہ کہاں کہ دونوں کام ساتھ چل سکیں۔ ہندوستانی طالب علموں کو اپنے جان پہچان کے لوگوں میں ایسے خاندان بھی معلوم ہونگے کہ جن کے ہاں ضروریات کارکردگی کی تو پرواہ کی نہیں جاتی۔ نہ تعلیم ہے نہ صحت لیکن کپڑے ہمیشہ فیشن کے مطابق پہنے جاتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا کوتہ اندیشی ہوسکتی ہے۔ اس وبال نے بہت سے گھرانے ویران کردیئے۔ اور ابھی تک اس کا زور نہیں ٹوٹا۔ پس معلوم ہوا کہ عام طور پر لوگ رسمی ضروریات پر

باب سوم فصل (۲)

تو بہت کچھ روپیہ لٹاتے ہیں اور ایسے خرچوں کو پس پشت ڈالدیتے ہیں کہ جن سے ان کی کارکردگی ترقی کرے یا بچوں کو تعلیم حاصل ہو۔ معاشی کو اس واقعے پر نظر رکھنی ضرور ہے فرض کرو کہ کوئی فیاض آجر یہ ارادہ کرے کہ اپنے مزدوروں کو ضروریات کارکردگی دلاکر فائدہ پہنچائے اور اس نیت سے وہ مصارف کا حساب لگائے تاکہ ان کو کافی اجرت دے مثلاً تن پرور غذا کی کافی مقدار، آرام دہ لباس، ضروری سامان، کرایۂ مکان، بچوں کی تعلیم کے مصارف، علاج معالجے کا خرچ وغیرہ ان سب مدوں کا حساب کرکے وہ مزدور کو اتنی اجرت دے کہ اس کی اور اس کے خاندان کی اچھی طرح پر گزر ہوسکے۔ اب اگر آجر نے رسمی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا تو اس کو عنقریب معلوم ہوگا کہ مزدور اس کے حساب کے مطابق خرچ نہیں کرتے ایسے بعض تو کھانا خراب کھاویں گے، بہت سے بُرے بُرے مکانوں میں رہیں گے۔ بہت سوں کے پاس گھربار کا سامان کم ہوگا اور ان کے بچے بھی عمدہ تعلیم سے محروم رہیں گے۔ اور آجر جب ان سے دریافت کرے گا کہ ضروریات کارکردگی کے واسطے جو کافی اجرت دی گئی تھی وہ سب کہاں گئی تو معلوم ہوگا کہ اس کا بیشتر حصہ رسمی ضروریات کی نذر ہوا۔ شادی غمی کی تقریبات کے واسطے کچھ قرض لینا پڑا۔ اور اجرت کا بڑا حصہ اس کی ادائی میں جانے لگا۔ حالانکہ زیادہ اجرت دینے سے آجر کا منشا یہ تھا کہ اس کے مزدور صحت و عافیت سے رہیں عمدہ کام کریں۔

باب سوم فصل (۲)

نہ یہ کہ رسم و رواج میں روپیہ لگا کر مفلس کے مفلس بنے رہیں +
پس اگر معاشی کو واقعات سے بحث ہے تو اس کو رسمی ضروریات کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ جس شخص کو ملک کی معاشی حالت سدھارنا مقصود ہے اس کو چاہئے کہ اول واقعات پر نظر ڈالے اور پھر ایسی تدابیر بتائے کہ لوگ اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ یعنی رسمی ضروریات ترک کرکے اپنی آمدنی زیادہ کار آمد طور پر صرف کریں لوگوں کو رسوم بدلنے کی ترغیب دینی چاہئے۔ غالباً طالب علم واقف ہوں گے کہ آجکل ہندوستان کے مختلف فرقوں میں سربرآوردہ لوگ اصلاح رسم و رواج کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کو کم وبیش کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کام نہایت ضروری اور مفید ہے، لیکن اتنا ہی دقت طلب اور دشوار بھی ہے۔ اصلاح کی تحریک بہت آہستہ آہستہ پھیلتی ہے وجہ یہ ہے کہ اول تو لوگ بالخصوص ہندوستانی، اپنے فرقے کی رسم و رواج کے خلاف ذاتی رائے ظاہر کرنے کی جرأت کم کرتے ہیں۔ دوسرے ایسے دھن کے پکے لوگ کم ملتے ہیں جو عملاً اصلاح کر دکھاویں اور قدیم رسم ورواج بدل دیں +

رسم ورواج اور ان کی تبدیلی۔

عادات رسم د رواج اور فیشن وغیرہ ان چیزوں کا طالب علم کو معاشی مباحث میں جو لحاظ کرنا پڑتا ہے تو محض اس وجہ سے نہیں کہ ان کا رسمی ضروریات سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ چیزیں دیگر معاشی معاملات پر بھی گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ دولت کے ہر قسم کے صرف پر ان کا کم وبیش اثر پڑتا ہے۔ پس ان کے مفہوم کا مختصر بیان

باب سوم فصل (۲) یہ مجمل معلوم ہوتا ہے اس بحث میں بھی ہم کو فطرت انسانی کے خواص بطور واقعات تسلیم کرنے کافی ہیں۔ معاشیات کو ان کی توجیہ سے سروکار نہیں مثلاً یہ واقعہ ہے جس پر غالباً طالب علم کا تجربہ بھی شاہد ہوگا کہ جو شخص مدت سے کوئی کام کسی طریق پر کرتا چلا آیا ہے وہ آئندہ بھی اسی طریق پر کرتا رہے گا۔ اور اس کام کے واسطے کوئی جدید طریق ایجاد کرنے کا اس کو بہت کم خیال ہوگا اور جتنی زیادہ مدت تک وہ کسی طریق پر عامل رہیگا اسی قدر کم اس کے دل میں تبدیلی کا خیال پیدا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص اول اول کام شروع کرتا ہے تو وہ جس طریق پر دوسروں کو کام کرتے دیکھتا ہے وہی طریق خود بھی اختیار کرلیتا ہے۔ اگر کوئی شخص تن تنہا رہے تو وہ اپنی عادات و معمول خود اپنے دل سے قرار دے گا مثلاً کھانا پکانے، لباس پہننے، رہنے سہنے کا طریق یا خواب اور بیداری کے اوقات مقرر کرے۔ لیکن بالعموم لوگ تنہا نہیں رہتے۔ اور اپنے ارد گرد لوگوں کو جو کچھ کرتے دیکھتے ہیں خود بھی ویسا ہی کرنے لگتے ہیں گویا رسم و عادات میں دوسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سی عادتیں تو بچپن ہی میں پڑ جاتی ہیں جو کچھ ہم اپنے والدین اور اعزا کو کرتے دیکھتے ہیں ہم بھی انکی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ جب بڑے ہوتے ہیں تو جن لوگوں سے میل جول ہوتا ہے اور سابقہ پڑتا ہے ان کی عادات اور رواج سیکھنے لگتے ہیں۔ جب کوئی طالب علم نیا نیا کالج میں داخل

باب سوم فصل (۲۱)

ہوتا ہے تو وہ پرانے طلبا کے نقش قدم پر چلنا شروع کرتا ہے۔ جب کسی دفتر میں کوئی نیا محرر ملازم ہوتا ہے تو وہ بھی دوسرے محرروں کی باتیں سیکھ لیتا ہے۔ اور سب پیشوں کا یہی حال ہے۔ حاصل کلام یہ کہ انسان اپنی زندگی میں بیشتر یا تو اپنے پرانے سیکھے ہوئے کام دہراتا رہتا ہے یا اپنے ارد گرد کے لوگوں کی نقل اور تقلید کرتا ہے۔

تبدیلی کی رفتار

لیکن اگر سب لوگ نقل اور تقلید کے پھندے میں پھنسے رہتے تو کسی قوم کی عادات اور طرزِ معاشرت میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہو سکتی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جوں جوں حالات بدلتے ہیں عادات اور رسم و رواج بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں مثلاً کبھی کسی کو کوئی کام کرنے کا سہل اور نیا طریقہ معلوم ہوا دیکھا دیکھی اس کے ہمسایوں نے بھی وہی طریق شروع کردیا۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے میں اسکا رواج اس قدر پھیلا کہ قدیم طریقے کو لوگ بھول بھال گئے۔ اگر ہم دو ایک مہینے کے وقفہ کے بعد کسی قوم کی عادات و رواج کا مقابلہ کریں تو ان میں کچھ تبدیلی اور فرق محسوس نہ ہوگا۔ لیکن اگر موجودہ طرزِ معاشرت کا آج سے دس بیس برس قبل کی حالت سے مقابلہ کریں تو البتہ پتہ چلے گا کہ اس طویل دوران میں عادات و رواج کیا سے کیا ہوگئے حاصل کلام یہ کہ عادات اور رسم و رواج بہت آہستہ آہستہ بدلتے ہیں۔ اور قوموں میں یہ بھی ایک بڑا فرق ہے کہ بعض میں تو رسم و عادات جلد جلد تبدیل ہوجاتے ہیں اور بعض میں بہت دیر دیر سے۔ بعض قومیں اپنی عادات بدلنے پر

ہمیشہ تیار رہتی ہیں جہاں انہوں نے کوئی بات سُنی فوراً اس کا تجربہ کیا۔ اور اگر جدید طریق بہتر ثابت ہوا تو اُس کو قدیم طریق کے بجائے اختیار کرلیا۔ ایسی ترقی پذیر قوموں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں غالباً امریکہ کے لوگ عادات و رواج بدلنے میں سب سے زیادہ مستعد ہیں۔ اور بعض صورتوں میں تو وہ یقیناً اس لحاظ سے انگریزوں پر سبقت لے جاتے ہیں۔ انگریز بمقابل ہندوستانیوں کے رسم و رواج میں زیادہ آزاد ہیں اور خود ہندوستانیوں میں بنگالی اور کایستھ قوم رسم و رواج کی اس درجہ پابند نہیں جتنے کہ راجپوت یا زراعت پیشہ طبقے ؛

رسم و رواج میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کی رفتار کا دار و مدار بیشتر اس پر ہے کہ لوگوں کو نئی نئی چیزیں دیکھنے اور اور نئی نئی باتیں سننے کے موقعے ملیں اَن پڑھ کاشتکاروں کے گانوں میں بھلا رسم و رواج کیا تبدیل ہوں گے۔ اس کا موقع تو شہر اور قصبوں میں خوب ہے کہ جہاں پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں۔ کتابیں اور اخبار شائع ہوتے ہیں۔ دکانوں میں نت نئی چیزیں نظر آتی ہیں اور باہر کے ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ذرائع آمد و رفت کی ترقی کا نہ صرف پیدائش دولت پر اثر پڑتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بلکہ ہندوستان میں اسکی بدولت رسم و رواج میں بسرعت تبدیل ہو رہے ہیں دیہاتیوں کا بھی رنگ بدلا نظر آتا ہے گو اس درجہ نہیں جتنا کہ قصباتیوں کا۔ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی کی رفتار ابھی اور

باب سوم فصل (۲۱)

تیز ہوگی۔ لیکن ابتک بحیثیت مجموعی ہندوستان میں مغربی ممالک کے مقابل تبدیلی کی رفتار سست ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ دولت کے صرف پر ہندوستان میں رسم و رواج کا بہت زیادہ اثر باقی ہے۔ رسمی ضروریات پر جس قدر خرچ کیا جاتا ہے۔اس سے رسم و رواج کے اثر کا کچھ پتہ چلتا ہے اور علاوہ ازیں دیگر قسم کے مصارف میں بھی رسم و رواج کو بہت دخل ہے۔ ضروریات حیات شاید اس اثر سے بری ہوں تو ہوں۔ مثلاً جہاں تعلیم کا انتظام موجود ہے وہاں بھی کچھ مدت بعد دیہاتی لوگ اپنے بچے مدرسے بھیجنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ دواخانے قائم ہیں مگر لوگ برسوں تک وہاں جاکر علاج نہیں کراتے لوگوں کے پاس روپیہ موجود ہے کہ صحت افزا مکان اور آرام دہ سامان خریدیں مگر ان کو ذرا پرواہ نہیں اُنہیں پُرانی قطع کے تنگ مکانات میں خوش ہیں اور وہی قدیم وضع کا سامان ان کے نزدیک کافی ہے؛

ضروریات و تعیشات

اس فصل کے شروع میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ **ضروریات** کے علاوہ جو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں وہ **تعیشات** کہلاتی ہیں اب تعیشات کی بھی دو قسمیں قرار دی جاتی ہیں جن کو ہم **سامان راحت** اور **سامان عیش** سے تعبیر کرسکتے ہیں در حقیقت تو ان ہر دو قسم میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن عرفاً سامان عیش پر یک گونہ اعتراض عائد ہوتا ہے۔ جس سے کہ سامان راحت بری ہے یعنی جب ہم سُنتے ہیں کہ فلاں شخص سامان عیش پر روپیہ صرف کر رہا ہے تو خیال ہوتا ہے کہ صرف بیجا ہے۔ لیکن سامان راحت

باب سوم فصل (۲)

کے واسطے جو کچھ صرف ہو وہ کم و بیش بجا ہوسکتا ہے روز مرہ کی گفتگو میں ان الفاظ کا مفہوم بیشتر اس شخص کی آمدنی اور مالی حالت پر منحصر ہے۔ جس کے مصارف کا ذکر ہو مثلاً گرمی کے موسم میں ریشم کے ہلکے کپڑے وکیل، ڈاکٹر یا تاجر کے واسطے تو سامانِ راحت سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن غریب کاشتکار یا مزدور کے حق میں تو وہ اول درجے کا سامانِ عیش شمار ہوں گے۔ سن رسیدہ زمیندار کے لئے تو گاڑی۔ سامان راحت ہے، لیکن کم حیثیت نوجوانوں کے واسطے وہ سامان عیش سمجھی جائے گی۔ معاشی مباحث میں تو اس تفریق کی کوئی اہمیت نہیں تاہم اس کو اس غرض سے واضح کر دیا کہ جب یہ الفاظ آئندہ استعمال ہوں تو کوئی مغالطہ پیدا نہ ہو۔ سامان عیش اور سامانِ راحت ہر دو قسم سے مراد وہ چیزیں ہیں جو استعمال کنندہ کی حیات یا کارکردگی کے واسطے تو مطلوب ہوں نہیں، تاہم ان سے کچھ ایسی احتیاجات پوری ہوں جو لوگوں کو محسوس ہوتی ہیں ؛

فصل بائیس ۲۲

افراد کی مانگ یا طلب

یہ تو سادے طور پر بیان ہو چکا ہے کہ معاشیات میں کس قسم کی احتیاجات سے بحث ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ لوگ ان احتیاجوں کو پورا کیونکر کرتے ہیں۔ معمولی آدمی تو اس معاملے میں صرف اس قدر بتانا کافی سمجھیں گے کہ ان کی آمدنی کن کن مدوں میں صرف ہوتی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ آمدنی کیونکر حاصل ہوئی۔ لیکن بالآخر اس مسئلہ کا پیدائش دولت سے بھی اتنا ہی تعلق نظر آتا ہے جتنا کہ صرف دولت سے۔ کیونکہ لوگ جو کچھ پیدا کرتے ہیں اُس آمدنی کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ صرف کریں لیکن سردست ہم پیدائش والا پہلو نظر انداز کرکے یہ فرض کرلیتے ہیں کہ لوگوں کو آمدنی حاصل ہے۔ خواہ وہ بشکل غلہ و دیگر سامان ہو تاکہ احتیاجات براہ راست پوری ہوسکیں، یا بشکل زر تاکہ ضروریات خریدی جاسکیں۔ لوگوں کو بالعموم جو آمدنی حاصل ہے اس سے کل نہیں تو کچھ احتیاجات ضرور پوری ہوجاتی ہیں۔ اور خرچ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس سے زیادہ سے زیادہ

باب سوم
فصل (۱۲۲)

افادہ اور تسکین حاصل ہوسکے +

یہاں پہ ہم دو لفظ داخل کرتے ہیں جو بالعموم معاشیات میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو مال یا سامان ہے، جس سے مراد یہی مادی چیزیں ہیں جو احتیاجات پوری کرتی ہیں۔ ان کا اور کوئی جدا مفہوم نہیں۔ ان کے استعمال کی غرض یہ ہے کہ لفظ چیز کے معنی بہت ہی غیر معین ہیں۔ اور اس کا تمام موجودات پہ اطلاق ہوسکتا ہے مادی ضروریات کے واسطے ایک خاص لفظ کا استعمال ضروری ہے اور آئندہ جب ہم مال یا سامان کا لفظ استعمال کرینگے تو اس کا مفہوم وہی ہوگا جو یہاں بیان ہوا۔ دوسرا لفظ افادہ ہے اس سے مراد لطف و تسکین کی وہ مقدار ہے جو کسی چیز کے صرف یا استعمال سے حاصل ہو۔ اس لفظ سے بھی معاشیات میں کسی جدید مفہوم کا اضافہ نہیں ہوتا۔ جن چیزوں سے لطف و تسکین حاصل ہو، یعنی جو چیزیں صرف یا استعمال میں آکر احتیاجات پوری کریں۔ ان کی یہ صفت بیان کرنے کے واسطے افادہ ایک موزوں لفظ ہے دولت کے صرف کے متعلق فصل سوم میں جو کچھ بیان کیا گیا اس سے بھی افادے کی ماہیت ظاہر ہوتی ہے۔ انسان اس مادے کو تو صرف کرتا نہیں جس سے چیز مرکب ہے بلکہ اس مادے کو کمتر مفید حالت میں لا کر چھوڑ دیتا ہے یا یوں کہیئے کہ مادے کے مرکب کا افادہ تو صرف میں لے آتا ہے لیکن فی نفسہ اس مادے کو صرف نہیں کرسکتا مادہ غیرفانی ہے البتہ اس کا افادہ حسب حال ہست و نیست ہوتا رہتا ہے

افادے سے صرف کے متعلق بھی کوئی تعریف یا اعتراض مترشح نہیں ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ عام بول چال میں جب کسی چیز کو مفید کہتے ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے کوئی غرض یا مطلب پورا ہوسکتا ہے۔ لیکن معاشی کی مراد افادہ یا مفید سے صرف اسی قدر ہے کہ احتیاج پوری ہوجائے اگر کسی چیز سے احتیاج پوری ہوجائے تب تو وہ معاشی کے نزدیک مفید ہے۔ یعنی اس میں افادہ ہے ورنہ نہیں +

باب سوم فصل ۲۳،

افادے کا مفہوم بیان ہوچکا۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ آمدنی خرچ کرنے سے ہر ایک کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل ہو۔ بیشترین افادہ حاصل کرنے کی نیت سے خرچ کی مدیں بناتے وقت یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ مختلف احتیاجات کس کس درجے تک شدید ہیں اور ان میں سے کون کون پوری ہونی چاہئیں اور کس کس حد تک پوری ہوسکتی ہیں۔ طریق تو سب لوگوں کا ایک ہی ہے، لیکن ہر ایک کا انتخاب احتیاجات مختلف ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے مشابہت ہمیشہ نظر نہیں آتی۔ جو غریب مزدور دو آنے روز کمائے، اس کے صرف کی مدیں تو صاف ظاہر ہیں غالباً اس کی کمائی کھانے کی نذر ہوتی ہے۔ اور اگر قیمتوں میں کمی بیشی نہ ہو تو کھانے کی حالت رسم و رواج کے مطابق ہوگی۔ اس کو یہ دیکھنا ہے کہ کس قدر کھانا خریدنا ہے اور اگر دو چار پیسے بچ رہیں تو ان کو کس کام میں لانا چاہئے اس کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کس چیز سے اس کو بیشترین افادہ حاصل

باب سوم فصل دوم

ہوگا۔ آیا چند چھٹانک زائد غلہ یا تھوڑا سا تمباکو یا کوئی اور لطف کی چیز خریدنا یا کپڑا خریدنے کے واسطے قیمت پس انداز کرنا یا کسی اور چیز کی قیمت جوڑنا جس کی آئندہ چل کر احتیاج ہو سب سے زیادہ مفید ہوگا اسی طرح جس شخص کی تیس روپیہ ماہوار آمدنی ہو اس کو بھی اپنا خرچ اس وقت تک بندھا ہوا معلوم ہوگا جبتک کہ قیمتوں میں کچھ فرق نہ پڑے اور اس کا طرز زندگی نہ بدلے کرایہ مکان، خورد و نوش کا سامان اور چند دیگر مستقل ضروریات ان سب کے بعد شاید کچھ روپے بچیں تو اس کو یہ طے کرنا ہوگا کہ کیونکر ان سے بیشترین افادہ حاصل کیا جائے آیا کوئی لطف کی چیز خریدی جائے یا کپڑے بنوائے جائیں۔ یا آئندہ کے واسطے ان کو پس انداز کرنا چاہئے۔ یہی حال دولتمند زمیندار وکیل یا تاجر کا ہے۔ گو اس کی آمدنی بہت کثیر ہے تاہم اس کی آمدنی کا بھی بڑا حصہ مستقل مصارف میں نکل جاتا ہے اور جو کچھ بچتا ہے اس کی بابت البتہ یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اسے کس صرف میں لانا چاہئے +

کسی کی آمدنی خواہ پیسوں کے حساب سے شمار ہو خواہ آنوں کے خواہ چند خواہ لاکھوں روپیہ کے حساب سے۔ اس کا بڑا حصہ تو اس زندگی کے مستقل اور معمولی مصارف کی نذر ہوتا ہے جس کا وہ عادی ہے لیکن عموماً کچھ روپیہ خرچ سے زائد بھی بچتا رہتا ہے جس کا مصرف وقتاً فوقتاً قرار دینا پڑتا ہے اور اسی زائد اندوختہ کو خرچ کرتے وقت درحقیقت بیشترین افادہ حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اسکو

باب سوم فصل (۲۲)

خواہ آدمی اپنے دل میں سمجھے یا نہ سمجھے۔ مثلاً کوئی سوچتا ہے کہ تھوڑا سا غلّہ اور خرید لیں کوئی اس فکر میں ہے کہ زیادہ گھی خریدیں یا نہ خریدیں کسی کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ یا تو ایک گھوڑا اور خریدیں یا موٹر لیکن ان سب کا مطلب وہی ایک ہے کہ کسی طرح بیشترین افادہ حاصل کریں۔ بالفاظ دیگر جو سوالات در پیش ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کیا میں یہ چیز زیادہ خریدوں یا وہ؟ صرف کرتے وقت کس سے بیشتر افادہ حاصل ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ لوگوں کو صرف کرتے وقت یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ کون چیز کس قدر استعمال ہونی چاہیئے +

مدارج افادہ

لاؤ اس قسم کی ایک مثال لیکر دیکھیں کہ خرچ کرنے میں معمولی لوگ کیونکر جوڑ توڑ کرتے ہیں فرض کرو کہ کوئی شخص مہینے بھر کے اخراجات کا حساب پہلے سے بنانا چاہے اور اس کو یہ طے کرنا ہے کہ گھر کے خرچ کے واسطے کتنا گھی خریدنا چاہیئے اول تو یہ دیکھنا ہوگا کہ گھی کا نرخ کیا ہے۔ فرض کرو کہ روپیہ سیر بکتا ہے یوں حساب سے تو فی مہینہ دس سیر گھی گھر میں خرچ ہونا چاہئے لیکن اس کی آمدنی اتنی کہاں کہ صرف گھی پر دس روپیہ مہینہ صرف کرسکے۔ اور بھی تو ضروری چیزیں ہیں جن کے خریدنے کے واسطے روپیہ درکار ہے۔ ہاں فی مہینہ چار سیر گھی وہ ضرور خرید سکتا ہے۔ پس اس کے گھر والوں کو تھوڑا بہت گھی ضرور ملے گا، گو اس قدر نہیں کہ ان کا دل بھر جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ چار سیر کے علاوہ کیا وہ ایک سیر اور بھی خرید سکتا ہے یا نہیں اس میں اس کا ایک روپیہ خرچ ہوگا۔ اور گھی کے علاوہ اس کو اور بھی بہت سی

باب سوم چیزیں خریدنی ہیں۔ پس وہ اُن کے افادوں کا گھی کے پانچویں سیر
فصل (۲۲) کے افادے سے مقابلہ کرکے دیکھے گا۔ اگر کئی لوگوں کو جن کی
آمدنی مساوی ہو یہ سوال پیش آئے تو یقینی بات ہے کہ ان میں
سے ہر ایک اس سوال کا مختلف جواب دے گا۔ بعض خیال کرینگے
کہ گھی کا پانچواں سیر خریدنے میں مضائقہ نہیں اور کچھ یہ فیصلہ کرینگے
کہ گھی کے بجائے اور چیزوں کا خریدنا زیادہ ضروری ہے فرض کرو
کہ جو شخص ہمارے پیش نظر ہے وہ یہ طے کرے کہ خیر پانچواں سیر
تو خرید لیا جائے مگر چھٹے سیر کی ہرگز گنجائش نہیں۔ پس اس کے گھر
پان سیر مہینے کے حساب سے گھی خرچ ہوگا اور اس طرح دوسری
چیزوں کی ماہواری مقدار مقرر ہوجائے گی اس طرح ماہانہ اخراجات
کا حساب بن جائے گا جن میں اس کی کل آمدنی کھپ جاتی ہے۔

لوگوں کو پہلے سے بہت کم یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر چیزوں
کی قیمت میں بہت کمی یا بیشی ہوجائے تو اس حالت میں وہ انکی
کتنی کتنی مقدار خریدیں گے لیکن جب قیمت میں کوئی بڑا فرق نمودار
ہوتا ہے تو ان کو طے کرنا ہی پڑتا ہے کہ نئے نرخ سے کون چیز
کتنی خریدنی چاہیئے۔ ممکن ہے گھی اس قدر گراں ہوجائے کہ کوئی
خاندان اس کو کھانا ہی چھوڑ دے اور صرف عید تہوار کو
دو چار چھٹانک استعمال کرلیا کرے یا گھی اس قدر ارزاں ہوجائے
کہ وہ خاندان کے لئے بہت بہت سا گھی خریدے اور دل بھر کر کھائے
لیکن ہر دو انتہائی حالتوں کے درمیان گھی کی قیمت جو کچھ بھی ہو
یہ ضرور طے کرنا پڑے گا کہ کس قدر گھی خریدا جائے۔ اگر خریدار

باب سوم فصل (۲۳)

ہوشیار اور تجربہ کار شخص ہے تو وہ ایک ایسی جدول بنا سکتا ہے کہ کس قیمت پر کتنا گھی خریدنا مناسب ہوگا۔ فرض کرو کہ اُس نے گھی کی خریداری کی جدول حسب ذیل تیار کی:

چھ روپیہ اور اُس سے زیادہ فی سیر کے حساب سے وہ گھی نہ خریدے گا۔

۴ روپیہ سیر کے حساب سے وہ ۱ سیر گھی خریدے گا۔

قیمت			مقدار		
۲ روپیہ	"	"	۳	"	"
۱ روپیہ ۴ر	"	"	۴	"	"
۱ روپیہ	"	"	۵	"	"
۱۲ر	"	"	۶	"	"
۸ر	"	"	۸	"	"
۴ر	"	"	۱۰	"	"

اوپر کی مثال میں جو اعداد درج ہیں وہ محض فرضی ہیں ان سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ قیمت کی کمی بیشی کا خریدتے وقت کسی چیز کی مقدار معین کرنے پر کیا اثر پڑتا ہے۔ جب کسی چیز کی قیمت کسی شخص کی مالی حیثیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو تو وہ اس چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ یا اگر ہو سکا تو گاہے ماہے وہ چیز کچھ تھوڑی سی خرید لی۔ لیکن اگر قیمت گھٹ جائے تو وہ اس کو معمولاً استعمال کرنے لگتا ہے اور جوں جوں قیمت میں تخفیف ہوگی وہ زیادہ زیادہ مقدار خریدے گا۔ حتیٰ کہ اس کی احتیاج بہ تمام و کمال پوری ہو جائے۔ جب یہ نوبت آ گئی تو پھر وہ چیز خواہ کوڑیوں کے مول بکے وہ زیادہ نہ خریدے گا۔

باب سوم
فصل (۲۲)

جیسی جدول اوپر درج ہوئی اس کو مانگ یا طلب کی جدول سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ فلاں شخص کس نرخ سے کس چیز کی کتنی مقدار خریدنا پسند کرے گا۔ کار و باری محاورہ ہے کہ فلاں شخص کی مانگ بہ فلاں نرخ اس قدر ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ فلاں شخص اس نرخ سے اتنی مقدار خرید سکتا ہے۔ طلب کی صحیح جدول تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو پہلے سے اندازہ نہیں ہوتا کہ قیمت میں کوئی بڑے رد و بدل ہونے کے بعد وہ چیزوں کی کیا کیا مقدار خریدیں گے لیکن اگر طالب علم ان چیزوں کی طلب کی جدولیں خود تیار کریں جو ان کے خاندان میں کام آتی ہیں تو جو اصطلاحیں بیان ہوئیں ان کے معنی خوب صاف ہو جائیں گے۔ ایسی جدول تیار کرنے کا یہ طریق ہے کہ موجودہ قیمت سے لے اور اس کے مقابل درج کرے کہ اس نرخ سے اتنی مقدار خریدی جائیگی دراں حالیکہ نہ آمدنی میں کوئی کمی بیشی ہوئی ہو اور نہ دوسری چیزوں کے نرخ میں کوئی فرق آیا ہو نرخ بڑھتے بڑھتے ایسی نوبت آئے گی کہ چیز کی خریداری سے بالکل دست بردار ہونا پڑے گا اور نرخ گھٹتے گھٹتے بھی ایک ایسی حد آئے گی کہ احتیاج بہ تمام و کمال پوری ہوجائے گی اور مزید خریداری کی خواہش نہ رہیگی یہ دونوں حالتیں طلب کے جدول کی انتہائی حدود ہوں گی اور ان کے بین بین مختلف قیمتوں کے مقابل وہ مقداریں درج ہوں گی جو ان نرخوں سے خریدی جا سکیں *

فصل تیئیس ۲۳

افراد کی مانگ یا طلب میں تبدیلیاں

گذشتہ فصل میں ہم نے یہ فرض کرلیا تھا کہ مصرف کو یعنی اس شخص کو جو صرف کرنے کی غرض سے کوئی چیز حاصل کرے یا خریدے ہرایک وقت میں ایک ہی چیز کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اور نیز یہ کہ اس کی آمدنی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ لیکن در حقیقت زندگی کی حالت اتنی سادہ نہیں ہوسکتی۔ پہلی پیچیدگی تو یہی ہے کہ ایک چیز کی قیمت نہیں بلکہ تقریباً کل چیزوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے خریدار کو ان سب تبدیلیوں کا ایک ہی وقت میں لحاظ کرکے مقدار معین کرنی پڑتی ہے۔ کچھ چیزیں سستی ہوتی رہتی ہیں، تو کچھ مہنگی۔ خریداری میں ارزاں چیزوں کی مقدار بڑھتی اور گراں کی گھٹتی ہے۔ لیکن اس تمام رد و بدل میں غرض وہی مدِ نظر رہتی ہے کہ جو روپیہ خرچ ہو اس کے بدلے میں زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل ہو معاشی یہ فرض نہیں کرتے کہ بیشترین افادہ حاصل کرنے کی کوشش میں ہر کوئی کامیاب ہوجاتا ہے بہت سے لوگ غلطیاں بھی کرتے ہیں اور ان کو بیشترین افادہ نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن جو قابلِ توجہ بات ہے وہ یہ کہ کوشش ہر کوئی یہی کرتا ہے کہ بیشترین افادہ ہاتھ لگے۔ اور ہر شخص کا

باب سوم (فصل ۲۳)

معیار افادہ مختلف ہے اور اسی کے مطابق وہ صرف کرتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے خیالات اور معیارات کا اس کے مصارف پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ اس وقت تو ہم دولت کے صرف کے واقعات سے بحث کر رہے ہیں یہ بتانا مدنظر نہیں کہ لوگ دولت کیونکر صرف کریں اور کیونکر نہ کریں ٭

تبدیلی آمدنی اور اس کا جدول طلب پر اثر۔

جب کسی شخص کی آمدنی میں کمی بیشی ہوجائے تو جدول مرتب کرنا اور بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس کو اپنے معمولی طرز زندگی میں بھی رد و بدل کرنی پڑتی ہے اور اس کے مصارف پر سابق رسم و رواج کا اثر بھی کم رہ جاتا ہے اگر کسی کی آمدنی گھٹ کر صرف نصف رہ جائے تو اس کی طرز زندگی سرتاسر بدل جائے گی وہ زیادہ چھوٹے مکان میں رہنے لگے گا۔ کچھ نوکر چاکر علٰحدہ کر دیگا سادہ کھانے اور سستے کپڑے پر قناعت کرے گا۔ سواری چھوڑ پیدل چلنا پھرنا شروع کردے گا۔ اور بہت سی چیزیں جو بطور معمول صرف میں آتی تھیں اب ترک ہوجاویں گی اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کی آمدنی میں یکایک اس قدر تخفیف ہوجانے سے کسی ایک چیز کی مانگ کی جدول پر کیا اثر پڑتا ہے۔ گذشتہ فصل میں جو مثال درج ہوئی اس کو یہاں پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ روپیہ سیر کے حساب سے اب وہ گھی بمقابل سابق کم خریدے گا شاید پان سیر کے بجائے صرف دو سیر خریدے۔ ضرورت تو اب بھی اسی قدر یعنی پان سیر گھی کی موجود ہے لیکن اب آمدنی گھٹنے پر اس کے پاس اتنا

روپیہ کہاں کہ پہلے کی طرح پانچ روپیہ کا گھی خریدے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ بمقابل سابق کمتر گراں ہونے پر بھی گھی خریدنا ترک ہو جائے گا۔ اور آمدنی زیادہ ہونے کی حالت میں جس نرخ سے اتنا گھی خریدا جاسکتا تھا کہ پھر ضرورت باقی نہ رہے، اس نرخ سے اب اتنا خریدنا ممکن نہیں بلکہ کم خریدا جاسکے گا اسکی مانگ کی جدول کی شکل تو ویسی ہی رہے گی البتہ خریدی کی مقداریں گھٹ جاوینگی یعنی انہیں سابق قیمتوں پر اب کم کم مقداریں خریدی جاویں گی۔ جدول تخمیناً حسب ذیل بدل جاوے گی +

قیمت فی سیر	طلب سابق	طلب حال
چھ روپے	کچھ نہیں	کچھ نہیں
چار روپے	۱ سیر	کچھ نہیں
دو روپے	۳ سیر	۱ سیر
ایک روپیہ چار آنہ	۴ سیر	۱½ سیر
ایک روپیہ	۵ سیر	۲ سیر
بارہ آنے	۶ سیر	۲½ سیر
آٹھ آنے	۸ سیر	۳½ سیر
چار آنے	۱۰ سیر	۶ سیر
دو آنے	۱۰ سیر	۱۰ سیر

اور چیزیں جو اس شخص کے استعمال میں آتی ہیں آمدنی گھٹنے پر ان کی مانگ کی جدول بھی کچھ اسی طرح ضرور بدل جاویگی اور تخفیف شدہ آمدنی ان تبدیلیوں کے بعد اس طور سے صرف

باب سوم
فصل (۳)

ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل ہوسکے۔ اور اگر آمدنی میں کوئی معقول اضافہ ہوجاوے تو جدول طلب میں اس کے برعکس تبدیلیاں نمودار ہوں گی۔ یعنی ہر چیز کو بیشتر قیمت پر بھی وہ دل بھر کر خرید سکے گا اور جن قیمتوں پر وہ کم آمدنی کی حالت میں چیزیں خریدنا ترک کردیتا اب وہ زیادہ قیمت کی پرواہ نہ کرکے خریداری جاری رکھے گا اور ان انتہائی حدود کے درمیان ہر قیمت پر بہ مقابل سابق وہ زیادہ مقدار خرید سکے گا۔ گویا آمدنی بڑھنے پر اس کی مانگ کی جدول میں سرتا پا اضافہ ہوجاوےگا۔

جب یکایک آمدنی میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا ہوتی ہے تو لوگ بالعموم طرز زندگی بھی بدل دیتے ہیں۔ لیکن کچھ دنوں تک نئی حالت میں ایسی عادات معدودے چند رہتی ہیں جن کی بنا پر کوئی اپنے اخراجات مرتب کرسکے۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے جدید ہمسروں کی تقلید شروع کردیتا ہے حتیٰ کہ کچھ عرصے میں نئی طرز زندگی کا وہ پورا پورا عادی ہوجاتا ہے۔ حسب سابق اسکے سب جدید اخراجات داخل معمول ہوجاتے ہیں اور اب اسکو صرف یہ سوچنا باقی رہ جاتا ہے کہ کسی چیز کی کتنی مقدار استعمال میں آنی چاہئے۔ گویا اس کی وہی حالت ہو جاتی ہے جو تبدیلی سے قبل تھی۔ اتنا فرق البتہ آجاتا ہے کہ اگر آمدنی بڑھی تو جدول طلب میں بھی اضافہ ہوگیا اور اگر گھٹی تو تخفیف۔ جب کہ آمدنی میں تبدیلی بتدریج ظہور پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک وکیل ہے کہ رفتہ رفتہ اس کا کام بڑھ رہا ہے یا کوئی سرکاری ملازم ہے

کہ وقتاً فوقتاً اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے، تو مانگ کی جدول میں بھی تبدیلی بہت آہستہ آہستہ پیدا ہوگی۔گو طرزِ زندگی جلد نہیں بدلتا لیکن آخرکار نتیجہ وہی ہوتا ہے۔یعنی رفتہ رفتہ بھی کچھ عرصے میں اچھی خاصی تبدیلی ہوجاتی ہے؛

باب سوم فصل ۲۳،۱

اب تو یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ آمدنی میں تبدیلی ہونے سے مانگ کی جدول میں بھی کیونکر ردّ و بدل ہونا چاہیے۔ اور یہ کہ جدول کی عام حالت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہر صورت دو حدیں ہوتی ہیں۔ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ ان حدود کے درمیان قیمت بڑھنے سے چیز کی مانگ گھٹتی ہے اور قیمت کی تخفیف سے طلب میں اضافہ ہوتا ہے؛

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے احتیاجات اور طلب کا باہمی تعلق بخوبی واضح ہوگیا ہوگا احتیاج کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ آدمی کو محسوس ہوتی ہے۔ لیکن طلب کا خاصہ یہ ہے کہ قیمت کے برعکس گھٹتی بڑھتی رہتی ہے یعنی بحالت گرانی چیز کم فروخت ہوتی ہے اور بحالت ارزانی زیادہ۔مثلاً قلی کو اپنے کھانے کے واسطے گھی کی احتیاج ہے لیکن گھی بیچنے والے کو قلی کی طلب سے کوئی دلچسپی نہیں وجہ یہ ہے کہ جبتک مروجہ قیمت میں بہت زیادہ تخفیف نہ ہو قلی گھی خرید نہیں سکتا پس وہ بہ نرخ موجودہ گھی کا خریدار نہیں ہے۔لیکن اگر گھی درحقیقت اتنا ارزاں ہوجاوے کہ غریب قلی بھی خریدنے لگے تو بیشک اس کی طلب با اثر ہوجاوے گی اور گھی بیچنے والے اس کی طرف متوجہ

احتیاجات اور طلب کا تعلق۔

باب سوم فصل (۲۳)

ہوں گے اس کے برعکس اگر گھی بہت گراں ہوجائے تو قیمت بہت سے خریداروں کی جدول طلب کی اعلیٰ حد سے بھی اوپر چڑھ جاوے گی پس وہ لوگ گھی خریدنا چھوڑ دیں گے اور ان کی طلب گویا بے اثر ہو جاوے گی۔ ایک انتہائی مثال یہ ہے کہ گھی سونے کے بھاؤ بکنے لگے تو اس گرانی میں صرف چند خریدار ہندوستان میں باقی رہ جاویں گے عوام کی تو کیا شامت ہے کہ گھی خریدنے کا خیال بھی دل میں لائیں البتہ اگر کوئی خریدے گا تو شہر میں دو ایک امیر اور وہ بھی خاص خاص مواقع کے واسطے تھوڑا تھوڑا خریدلیں گے جیسے کہ مشک وغیرہ خریدتے ہیں۔ عوام کو گھی کی احتیاج تو بحالت گرانی بھی اسی قدر محسوس ہوگی جس قدر کہ پہلے ہوتی تھی۔لیکن بدیہ نرخ سے وہ خرید نہ سکیں گے گویا ان کی طلب محض بے اثر ہوگا+

باب سوم
فصل ۲۴

فصل چوبیس ۲۴

قوم کی مانگ یا طلب

افراد اور قوم کی طلب کا تعلق۔

ابتک ہم نے افراد کی احتیاجات اور طلب سے بحث کی اور اول ان کی ماہیت سمجھنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ خود قوم افراد کا مجموعہ ہے اور قوم کی طلب سے ان تمام افراد کی طلب کا مجموعہ مراد ہے جو اس قوم میں شامل ہوں لیکن بحیثیت مجموعی قوم کی طلب بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ کیونکہ معاشیات میں اقوام کے حالات سے بحث کی جاتی ہے نہ کہ افراد کے حالات سے +

اگر کسی قوم کے سب افراد کی آمدنی قریب قریب مساوی ہو۔ اور وہ سب ایک ہی طرز پر زندگی بسر کرتے ہوں تو کسی فرد واحد کی جدول طلب بناکر اس میں جو مقداریں درج ہوں ان کو کل افراد قوم کی تعداد کے حساب سے بڑھا دیا جائے تو اس طرح پر گویا کل قوم کی مانگ کی جدول مرتب ہوجائے گی مثلاً اگر ہمکو معلوم ہو کہ معمولاً ایک طالب علم روپے سیر کے نرخ سے ۲ سیر گھی خریدتا ہے اور کالج میں ہزار طالبِ علم پڑھتے ہیں جوکہ ایک ہی طرح پر رہتے سہتے ہیں اور جن کے اخراجات بھی تقریباً برابر برابر ہیں تو اس کل جماعت کی مقدار

باب سوم
فصل ۲۴۸

طلب روپیہ سیر کے حساب سے دو ہزار سیر گھی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ ان ایک ہزار طلبہ میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو دو سیر سے کم گھی استعمال کریں لیکن ساتھ ہی بعض طلبا دو سیر سے زیادہ بھی استعمال کرتے ہوں گے اور اس طرح پر کمی بیشی مل کر برابر ہوجاتی ہے۔ اور سب طلبا مجموعی طور پر دو ہزار سیر گھی استعمال میں لاتے ہوں گے۔ گویا انفرادی اختلافات کے باوجود اوسط وہی دو سیر فی طالب علم رہتا ہے۔ اگر قیمت روپیہ سیر کے بجائے کچھ اور ہو تب بھی اسی طرح پر مانگ کی جدول بن سکتی ہے پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی قوم بہت کچھ یکساں ہو یعنی اس کے افراد کی آمدنی برابر اور اخراجات ایک ہی قسم کے ہوں ضروریات زندگی بھی یکساں ہوں تو کسی ایک فرد کی جدول طلب سے کل قوم کی جدول پیش نظر ہوجاتی ہے صرف افراد قوم کی تعداد کے مطابق مقداروں میں اضافہ کرنا پڑتا ہے جیسے کہ اوپر طالب علموں کی مثال سے واضح ہوچکا ہے۔

قوم کے مختلف طبقوں کی طلب

لیکن جب قوم میں یکرنگی نہ ہو تو البتہ کل قوم کی جدول طلب بنانے میں کسی ایک فرد کی جدول سے کام نہیں چلے گا بلکہ کچھ ترمیمات بھی ضروری ہوں گی ایسی جدول بنانے کا طریق یہ ہے کہ اول اُن کل جماعتوں کی جدولیں تیار کی جائیں جن سے کہ قوم مرکب ہے اور پھر اُن تمام جدولوں کو ملا دیا جائے تاکہ قوم کی جدول مرتب ہو جائے۔ مثلاً ہم ہندوستان کے کسی شہر کی جدول طلب بنائیں تو کیا کرنا چاہیے؟ اول آمدنی

باب سوم فصل (۴۴)

کے حساب سے خاندانوں کے گروہ بنائیں۔ مثلاً جن خاندانوں کی ماہوار آمدنی ۵ روپے سے آٹھ تک ہو ان کا ایک گروہ دس سے پندرہ تک دوسرا گروہ بیس سے تیس تک تیسرا گروہ اور علی ہذا حتی کہ تمام خاندان چند گروہ میں ترتیب پا جائیں پھر ہر گروہ میں سے ایک ایک خاندان کی مانگ کی جدول بنا کر خاندانوں کی تعداد کے حساب سے ان کی مقداروں میں اضافہ کریں گویا ہر گروہ کی جدول طلب بن گئی۔ اب ان تمام جدولوں کو یوں ملادیں کہ کل شہر کی آبادی کی مانگ کی جدول بن جاوے درحقیقت ان جدولوں کی تیاری اس قدر سہل نہیں جیسی کہ اس بیان سے معلوم ہوتی ہے جدولوں کے بنانے میں علم الاعداد کی بہت ضرورت ہے۔ اور اس علم سے مدد لینے میں بھی قوت تمیزیہ اور قوت فیصلہ سے بہت کام لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ علم الاعداد کا مطالعہ کرتے وقت طلبا کو اس اجمال کی تفصیل خود معلوم ہوجاوے گی لیکن جو خاص بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ گو کسی شہر کی کل آبادی کی مانگ کی جدول بہت طول طویل ہوگی، لیکن ہوگی اسی وضع قطع کی جیسی کہ کسی فرد واحد کی ہوتی ہے۔ ہر ایک چیز کی قیمت میں ایک ایسی حد ہوگی کہ اگر قیمت اس سے آگے بڑھے تو شہر میں کوئی شخص بھی اس کو نہ خریدے گا۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ اگر شہر میں بڑے بڑے دولتمند آباد ہوئے تو یہ حد بہت دور واقع ہوگی۔ یعنی قیمت بہت زیادہ بڑھنے پر خریداری ترک ہوگی۔ لیکن ایک ایسی حد کبھی نہ کبھی اضافۂ قیمت میں حائل

باب سوم فصل ۱۲۴

ضرور ہوگی۔ اسی طرح ایک دوسری حد وہ ہوگی کہ جب قیمت یہانتک گھٹ جائے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اس چیز کو دل بھر کر خرید سکے لیکن بہت ہی گھٹنے پر قیمت کہیں اس حد تک پہنچے گی اور ان دونوں حدود کے درمیان وہی واقع ہوگا جو ہم نے بیان کیا یعنی قیمت گھٹنے سے طلب بڑھے گی اور قیمت بڑھنے سے طلب گھٹے گی ٭

قانون طلب

کسی چیز کی قیمت بڑھنے سے طلب گھٹتی اور قیمت گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے اس خاصہ کی ہر قوم میں ہر چیز کی خرید و فروخت سے تصدیق ہوتی ہے اور یہی واقعہ قانون طلب سے تعبیر کیاجاتا ہے بعض لوگوں نے اس قانون کو اس طرح پر بیان کیا ہے کہ جس سے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ قیمت اور طلب کی معکوس تبدیلیوں میں کوئی مقررہ نسبت ہے مثلاً اگر قیمت دُوگنی ہوجائے تو طلب گھٹ کر نصف رہ جائے و علیٰ ہذا لیکن درحقیقت کوئی ایسی نسبت مقرر کرنا محال ہے۔ ہماری معلومات اس قدر وسیع اور جامع نہیں کہ ہم کسی چیز کی بابتہ بھی یہ طے کرسکیں کہ اس کی قیمت اور طلب میں فلاں نسبت سے معکوس تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں ہندوستان کے معاشیین کو البتہ اس طرف توجہ کرنا موزوں ہے کیونکہ بمقابل دوسرے ملکوں کے یہاں اندراجات سے اس قسم کے معلومات بہت زیادہ حاصل ہوسکتی ہے۔ خصوصاً شہر اور قصبوں کے چنگی کے نقشہ جات ایسی تحقیقات میں بہت کار آمد ثابت ہونگے بہرحال مطالعہ اور تحقیقات کرتے کرتے ممکن ہے کہ خاص خاص

چیزوں کی بابت یہ دریافت ہوجائے کہ ان کی قیمت اور طلب میں باب سوم
فلاں نسبت سے ایک دوسرے کے برعکس تبدیلیاں ہوتی ہیں اور فصل (۲۴)
اس قسم کی معلومات بلاشک علم معاشیات میں نہایت بیش قدر
اضافہ شمار ہوگی لیکن سردست تو قانون طلب سے بس یہی واقعہ
مراد ہے کہ قیمت بڑھنے سے طلب میں تخفیف ہوئی اور قیمت
گھٹنے سے طلب میں اضافہ لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان معکوس
اضافوں اور تخفیفوں میں کیا نسبت ہوتی ہے ؎

دیگر معاشی قوانین کی طرح قانون طلب میں بھی مستثنیات ضرور مستثنیات
داخل ہیں۔ لیکن کم اور غیر اہم۔ اول تو وہ چیزیں مستثنے ہیں جن میں
ندرت کے سوا اور کوئی افادہ نہیں۔ لوگ ہیرے کی قیمت اسوجہ
سے زیادہ لگاتے ہیں کہ وہ کمیاب ہے۔ اور اس کی ملک
باعث امتیاز خیال کی جاتی ہے لیکن اگر ہیرے بھی شیشے کی طرح
ارزاں ہوجاویں تو غالباً بہت کم لوگ ان کو خریدنے کی پرواہ
کریں گے گویا ہیرے کی بابتہ یہ قول صحیح نہ ہوگا کہ قیمت بہت
زیادہ گھٹنے سے طلب بہت بڑھ جاتی ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے
کہ اگر ہیرے سیر یا من کے حساب سے ارزاں فروخت ہوں تو
وہ کسی اور کام میں آنے لگیں اور جب محض ندرت کے بجائے ہیرں
کا کوئی جدید مصرف نکل آئے تو وہ بکثرت فروخت ہوں۔ ایسا
بھی ہوتا ہے کہ قیمت کے ساتھ ساتھ طلب میں بھی اضافہ ہو
مثلاً قحط کے زمانے میں غلہ ہائے خوردنی کی قیمت بہت بڑھ جاتی
ہے۔ بہت سے لوگ جو معمولاً گیہوں کھاتے ہیں بوجہ گرانی اس کو

باب سوم فصل (۲)

نہیں خرید سکتے۔ اور مجبوراً جو جوار پہ قناعت کرنے لگتے ہیں۔ گویا ان غلوں کی طلب بہت بڑھ جاتی ہے۔ حالانکہ بہ نسبت سابق وہ بھی بہت گراں فروخت ہوتے ہیں طلبا کو خود سوچنا چاہئے کہ اس قانون طلب میں کیا کیا مستثنیات داخل ہوسکتے ہیں۔ گو بہت سی مستثنیات نہ ملیں۔ تاہم اس غور و فکر میں یہ فائدہ کیا کم ہے کہ صاف اندازہ ہوجاوے گا کہ معمولی کار و بار میں اس قانون پر کہانتک عمل ہوتا ہے ؛

اصول بدل۔

آخرالذکر استثنےٰ کے سلسلے میں ایک نکتہ واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ طلب کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حقیقی حالات کے مطابق ہوجائے ایسا بہت کم واقع ہوتا ہے کہ کوئی احتیاج صرف ایک خاص چیز ہی سے پوری ہوسکے۔ بلکہ بالعموم ایک ایک احتیاج کئی کئی چیزوں سے پوری ہوسکتی ہے۔ اور استعمال میں ایک چیز کو جو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کا باعث کچھ تو ارزانی اور کچھ عادت و رواج ہوتا ہے۔ مثلاً جیسا کہ بیان ہوا غذا کی احتیاج گیہوں کی طرح جو جوار سے بھی پوری ہوسکتی ہے اسی طرح متعدد نباتاتی تیل سے گھی کا کام نکل سکتا ہے۔ لیکن بعض بعض طبقوں کے لوگ گیہوں اور گھی کھانے کے عادی ہیں اور جہانتک ہوتا ہے انہیں کو استعمال میں لاتے ہیں۔ لیکن جب قیمت بہت چڑھ جاتی ہے تو وہ سستے سستے بدل خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ شراب پینے کے عادی ہیں اس سے ان کو تفریح ہوتی ہے۔ لیکن جب شراب بہت گراں اور کمیاب

باب سوم
فصل ۳۴

ہو جاتی ہے تو وہ اور دیگر مسکرات جو ارزاں ہوں استعمال کرنے لگتے ہیں مثلاً افیون۔ بھنگ یا چاء اور قہوہ اس اصول کا اثر جدول طلب میں چیزوں کی مقدار پر پڑتا ہے مگر جدول کی عام ہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا مختلف قوموں میں اس اصول کی عملی اہمیت مختلف ہے۔ جہاں رسم و رواج کا اثر بہت قوی ہے وہاں لوگ جہانتک بن پڑے اس چیز کو استعمال کرتے ہیں جس کے وہ مدت سے عادی ہوں۔ لیکن بعض قومیں پرانے طرز و طریق بدلنے میں بہت مستعد ہیں۔ بلکہ ان کو فکر لگی رہتی ہے کہ احتیاجات نت نئی چیزوں سے پوری کریں۔ پس کسی چیز کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیئے کہ اور کیا کیا چیزیں اس کی بدل ہوسکتی ہیں اور جس قوم کے صرف میں وہ چیز آتی ہے وہ کس رفتار سے اپنی رسم و رواج تبدیل کرتی ہے۔ عملی شعبوں میں یہ پہلو اکثر نظرانداز کردیا جاتا ہے طلبا کو معلوم ہوگا کہ کچھ پرجوش مصلح مے نوشی روکنا چاہتے ہیں ان میں بعض کا خیال ہے کہ اگر شراب نوشی بند ہوجاوے تو گویا مطلب حاصل ہوجائے گا چنانچہ وہ گورنمنٹ سے استدعا کرتے رہتے ہیں کہ شراب سازی بند کردی جاوے لیکن ہندوستان اور نیز دیگر ممالک میں تجربے سے معلوم ہوا کہ محض شراب نہ ملنے سے نشہ بازی ختم نہ ہوگی۔ اگر نشہ بازی کی عادت نہ چھیٹے تو شراب نہ ملنے پر لوگ اور بھی زیادہ زیادہ مضر صحت مسکرات استعمال کریں گے اگر لوگوں سے کوئی چیز چھڑانی مقصود ہو مثلاً شراب یا تمباکو وغیرہ تو انھیں لوگوں کو ترغیب دیکر آمادہ کرنا چاہیئے کہ وہ ان چیزوں کو

باب سوم فصل ۴

صرف میں نہ لائیں۔ یا تو سراسر احتیاج ہی کو ترک کردیں یا اس کو کسی ایسی چیز سے پورا کریں کہ وہ نا جائز نہ سمجھی جائے۔ مسکرات کی عادت تو بیشتر رسم و رواج سے پڑتی ہے۔ اگر رسم و رواج بدل دیئے جائیں۔ تو یا تو یہ عادت چھوٹ جائے گی یا کم از کم اس کا زور ٹوٹ جائے گا۔ مسکرات چھوڑانے کی اصلاح نہایت اہم ہے۔ لیکن اس پر کماحقہ بحث کرنے کے واسطے ضرور ہے کہ معاشیات اور نیز چند دیگر علوم سے کافی واقفیت ہو جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں پہ اس اصلاح کا ذکر محض اس بیان کے سلسلے میں آگیا کہ طلب اور صرف کی بحث میں کس قسم کی باتیں توجہ طلب ہیں +

قانون طلب کی عمومیت

یہ سمجھاتے وقت کہ افراد کی ضروریات کیونکر ایک جدول کی شکل میں پیش ہوسکتی ہیں ہم نے صرف اس قسم کی چیزیں شامل کی تھیں جو ہمیشہ اور معمولاً تھوڑی تھوڑی مقدار میں خریدی جاتی ہیں افراد کے متعلق ایسی چیزوں کی جدولیں نہیں بن سکتیں کہ جو صرف کا ہے گاہے خریدی جائیں اور جو بہت دیرپا ہوں مثلاً کسی ایک طالب علم کے واسطے جوتوں، گیند بلوں، گھڑیوں یا بائیسکلوں کی مانگ کی جدول کیونکر بنائی جاسکتی ہے لیکن قوموں یا بڑی بڑی جماعتوں کے متعلق ایسی چیزوں کے مانگ کی جدولیں بن سکتی ہیں۔ شلاً ایک ہزار طلبا کی جماعت میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ طالب علم نئے جوتے یا بلے خریدتے ہی رہتے ہیں بعض مذبذب ہوتے ہیں کہ خریدیں یا نہ خریدیں اب اگر قیمت

باب سوم فصل (۲۴)

گھٹی تو طلب میں اضافہ ہوا اور زیادہ گھٹنے پر بہت کچھ خریداری بڑھ گئی اسی طرح اگر قیمت چڑھ جائے تو خریداری کم ہو جاوے گی بعض طالب علم اپنے پُرانے جوتے زیادہ مدت تک چلائیں گے۔ اور بعض بلے خریدنے ملتوی کردیں گے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اس قدر تفصیلی اور صحیح صحیح معلومات حاصل ہو کہ مکمل جدول بن جاوے لیکن جدول طلب گو نا مکمل ہی سہی اس کی شکل ویسی ہی ہوگی جیسی کہ گھی کی جدول طلب تھی جو اوپر درج ہوچکی ہے۔ اور قانون طلب بھی دونوں پر یکساں صادق آئے گا۔ اب اگر کسی قصبے کی آبادی دس ہزار ہو۔ تو وہاں روز مرہ بہت کم بائیسکلیں فروخت ہوں گی ان کی تعداد اس قدر کم ہوگی کہ قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا ان کی خریداری پر کوئی اثر نمایاں نہ ہوسکے گا۔ پس یہ بتانا کس طرح ممکن ہوگا کہ فلاں نرخ سے اس قدر بائیسکلیں فروخت ہوسکتی ہیں لیکن جس شہر میں چند لاکھ کی آبادی ہو وہاں اس قدر بائیسکلیں فروخت ہونی ممکن ہیں کہ قیمت کی کمی بیشی کا خریداری پر اسطرح اثر نمایاں ہو جس طرح کہ قیمت کا اثر گھی پر دکھایا جاچکا ہے حاصل کلام یہ کہ قانون طلب معدودے چند چیزوں کے سوا باقی کل کی خرید و فروخت پر صادق آتا ہے۔ اور خریداروں کی جماعت جس قدر کثیر ہوگی۔ اسی قدر بتدیلی قیمت کے ساتھ مانگ میں معکوس تبدیلی زیادہ نمودار ہوگی +

باب چہارم
طلب و رسد
فصل پچیس ۲۵
ابتدائی بیان

رسد و طلب کا توازن

یہ تو بیان ہو چکا کہ دولت کس کس طرح پیدا ہوتی اور صرف میں آتی ہے۔ اس باب میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ دولت کی پیداوار اور صرف میں کیونکر توازن قائم رہتا ہے۔ کہ جتنی مقدار مطلوب ہو مہیا ہو جائے اس حالت کو اصطلاحاً **توازن طلب و رسد** کہتے ہیں۔ طلب سے نہ صرف کسی چیز کی مانگ بلکہ اس کی وہ مقدار بھی مراد ہوتی ہے جو مطلوب ہو اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا وہ قیمت کے ساتھ ساتھ مگر اس کے برعکس تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ علیٰ ہذا رسد سے ایک تو کسی چیز کی بہم رسانی مراد ہوتی ہے۔ دوم وہ مقدار بھی جو بہم پہنچائی جائے اور آگے چل کر واضح ہوگا کہ یہ مقدار بھی قیمت کے اثر سے گھٹتی بڑھتی ہے۔ جو مقدار بغرض فروخت پیش کی جائے اس کا دار مدار بالآخر مقدار پیداوار پر ہے۔ پس **پیدائش** اور رسد میں بہت قریبی تعلق ہے اور یہ دونوں اصطلاحیں فروشندہ سے منسوب ہیں۔ اسی طرح طلب و صرف میں بھی باہمی تعلق ہے اور یہ دونوں خریدار سے منسوب خیال کی جاتی ہیں۔ توازن کے معنی ترازو کے دونوں پلڑے

باب چہارم
فصل ۲۵

ہموزن ہونے کے ہیں - یہاں پر اس سے مراد طلب اور رسد کا مساوی ہونا ہے جو عملی سوال درپیش ہے وہ یہ کہ گیہوں ، گھی ، روئی اور کپڑے وغیرہ کی کوئی مقدار یا گھڑیوں ، بائیسکلوں اور جوتوں وغیرہ کی کوئی تعداد جو کسی قیمت پر فروخت ہوتی ہے تو یہ واقعہ کیونکر ظہور پذیر ہوتا ہے یعنے کس طرح چیزوں کی مقدار یا تعداد قرار پاتی ہے اور کیونکر ان کی قیمت مقرر ہوتی ہے - اس سوال کا جواب گویا معاشیات کا مرکزی مسئلہ ہے -

طلباء کو ایسا معلوم ہوگا کہ دو مسائل حل طلب ہیں - ایک تو چیزوں کی مقدار یا تعداد کا مسئلہ اور دوسرے ان کی قیمت کا - اور بڑی دقّت یہ ہے کہ ان ہر دو مسائل سے جدا جدا بحث نہیں کی جاسکتی نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسد وطلب کے مطابق قیمت مقرر ہوتی ہے اور نہ یہ کہ قیمت کے اثر سے رسد وطلب قرار پاتی ہے - آگے چلکر یہ صاف ظاہر ہوگا کہ یہ تینوں چیزیں یعنی رسد طلب اور قیمت آپس میں ایک دوسرے پر اسطرح منحصر ہیں کہ کسی کا کسی پر تقدم تاخر قرار دینا محال ہے - کسی ایک کے تبدیل ہونے سے باقی دونوں میں تبدیلی ہونی لازم ہے - قیمت اترنے سے اکثر رسد گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی طلب میں اضافہ ہوتا ہے - رسد میں اضافہ ہونے سے قیمت تو گھٹتی ہے - مگر طلب بڑھ جاتی ہے - طلب بڑھنے سے قیمت چڑھتی ہے اور رسد میں بھی اضافہ ہوتا ہے پس ہم مجبور ہیں کہ ہر دو مسائل سے ایک ساتھ بحث کریں - اور جب ان میں سے کسی ایک کی تبدیلی ہمارے پیش نظر ہو تو ہم کو خیال رکھنا چاہئے کہ باقی دو میں بھی تبدیلی پیدا ہوگی - گویا تینوں میں تبدیلی ساتھ ساتھ پیدا ہوگی اور کسی ایک کی تبدیلی باقی دو تبدیلیوں کا باعث بھی ہو سکتی ہے اور نتیجہ بھی -

ابتدائی دور میں توازن

پیدائش کے ابتدائی دور کی بابت تو اس سوال کا جواب دینا کچھ دشوار

باب چہارم
فصل ۲۵

نہیں ۔ایک سب سے سادہ مثال لو کہ لوگ جنگلوں میں رہتے اور درختوں کے پھل توڑ توڑ کر پیٹ پالتے ہیں ۔ ان میں سے کسی کو سخت بھوک لگے تو وہ جنگل میں پھل توڑ توڑ کر کھاتا پھرے گا ۔ لیکن کھاتے کھاتے اس کی بھوک کم ہونے لگے گی ۔ اور ساتھ ہی اِدھر اُدھر گھومنے اور پھل توڑنے سے وہ تھک بھی جائیگا ۔ اگر کسی ایک ہی درخت پر حسب دلخواہ کافی پھل مل گئے تب تو اس کو چلنے پھرنے کا کوئی تکان نہ ہوگا ۔ لیکن اگر پھلوں پر دسترس دشوار ہو اور درخت بھی دور دور ہوں تو ممکن ہے کہ پیٹ بھرنے سے پہلے ہی وہ تھک جائے ۔ اب اس کو یہ طے کرنا ہے کہ آیا تکان کی تکلیف برداشت کرنی چاہئے یا بھوک کی ۔ جوں جوں وہ کھاتا ہے بھوک گھٹتی ہے یعنی پھل کے افادہ میں تخفیف ہوتی ہے اور جوں جوں وہ پھل توڑتا ہے اس کا تکان بڑھتا ہے یا اگر ہم تکان کو احتیاج راحت سے تعبیر کریں تو یوں کہ سکتے ہیں کھانے کا افادہ کم ہوتا ہے اور راحت کا افادہ بڑھتا ہے بالآخر راحت کی احتیاج غالب آجائیگی اور وہ پڑ کر سو رہے گا ۔ اس مثال میں ایک شخص کھانے اور راحت کے افادہ کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرتا ہے ۔ جب وہ بہت بھوکا ہوتا ہے یعنی جب کہ کھانے کا افادہ بہت زیادہ ہوتا ہے تو راحت کا افادہ مقابلتہً نا قابل لحاظ نظر آتا ہے ۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے ۔ اس کی برعکس تبدیلی بڑھتی ہے حتیٰ کہ کھانے کا افادہ گھٹ کر اور راحت کا بڑھ کر ایک دوسرے کے مساوی ہو جاتا ہے اور بعد کو راحت کا افادہ کھانے کے افادہ سے بھی بڑھ جاتا ہے اور وہ شخص کھانا چھوڑ کر آرام کرنے لگتا ہے ۔

پس پیدایش کے ابتدائی دور میں جب کہ لوگ محض اپنے صرف کے واسطے چیزیں مہیا کرتے ہیں اور ان کو خریدنے کا خیال ہوتا ہے نہ فروخت کرنے کا تو وہ چیزوں کے

افادہ کا چیزیں پیدا کرنے کی تکلیف اور مشقت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کہ زرخیز زمین کی افراط ہو اور عمدہ مویشی بھی موجود ہوں تو کاشتکار اپنے خاندان بھر کے لئے کافی چیزیں پیدا کرسکتا ہے اور اس کو زیادہ مشقت بھی اٹھانی نہیں پڑتی۔ لیکن اگر اس کی زمین بہت تھوڑی ہے یا کم زرخیز ہے یا مویشی کمزور ہیں تو شاید وہ چند احتیاجات ہی ترک کردے یا انکو اچھی طرح پورا نہ کرے کیونکہ اُن کے پورا کرنے میں اس قدر مشقت اٹھانی پڑیگی کہ ان کا چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

افادہ پیدا کرنے میں جو ناگوار مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اسکو اگر افادہ کے برعکس اعدام افادہ سے تعبیر کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کاشتکار چیزوں کے افادہ کا ان کے پیدا کرنے کے اعدام افادہ سے مقابلہ کرتا ہے اور اس حد تک چیزیں پیدا کرتا ہے کہ اعدام افادہ جو پیش آئے وہ افادہ کے ہمپلہ ہو جائے۔

لیکن جب ہم پیدایش کے اس دَور پر نظر ڈالتے ہیں کہ لوگ جو کچھ صرف میں لائیں وہ دوسروں سے خریدیں اور جو کچھ خود پیدا کریں وہ دوسروں کے ہاتھ بیچیں تو رسد و طلب کا یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہو جاتا ہے اس حالت میں خریدار چیز کے افادہ کا اس کے پیدا کرنے کے اعدام افادہ سے مقابلہ نہیں کرتا بلکہ جو قیمت وہ ادا کرتا ہے اس کے افادہ سے مقابلہ کرتا ہے۔ اب فروشندے کی حالت پر غور کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ بحث چھیڑنے سے قبل لفظ مارکٹ یا بازار کا معاشی مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ کیونکہ آئندہ بار بار یہ لفظ استعمال ہوگا۔ روز مرہ کی بات چیت میں اس لفظ کے دو معنے ہوتے ہیں ایک تو کوئی وسیع عمارت یا احاطہ جیسے کہ مونسپلٹیاں بڑے بڑے شہروں میں بناتی ہیں جہاں صفائی ستھرائی کے چند قواعد کی پابندی کرکے دکاندار طرح طرح کا سامان فروخت کرتے ہیں عرف عام میں انہی مقامات کو مارکٹ کہتے ہیں شلاً مچھلی مارکٹ

باب چہارم فصل ۲۵

ترکاری مارکٹ، گوشت مارکٹ، لیکن اس قسم کے مارکٹ ہمارے مد نظر نہیں
مارکٹ، منڈی یا بازار کا دوسرا مفہوم وہ ہے جو اکثر اخباروں کے کاروباری
کالموں میں درج ہوتا ہے۔ مثلاً گیہوں کا بازار، روئی یا چانول کا بازار
اور یہی مفہوم ہے کہ جو معاشیات میں مقصود ہوتا ہے معاشیات میں کسی چیز کے
مارکٹ یا بازار سے وہ کل خطّہ مراد ہے کہ جس کے اندر اندر اس چیز کے فروشندے
اور خریدار بلا دقّت بات چیت اور معاملات کرتے ہوں۔ یا تو سب فروشندے
اور خریدار ایک ہی مقام پر جمع ہوں مثلاً گیہوں کی منڈی یا اگر لوگ دور
رہ کر بھی ڈاک اور تار کے ذریعہ سے بات چیت اور خرید فروخت کریں تو
ان کا ایک جگہ ہونا کچھ ضروری نہیں۔ مثلاً کارخانوں اور کمپنیوں وغیرہ کے
حصوں کا بازار تمام شمالی ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا مرکز تو کلکتہ ہے
لیکن لکھنؤ، کانپور، دہلی اور لاہور کے لوگ بھی ڈاک اور تار کے ذریعۂ سے حصے
خرید فروخت کرتے رہتے ہیں۔ یہی حال کم و بیش گیہوں اور روئی کے بازار کا ہے۔

بازار کی جو حالت ہوتی ہے۔ اس کو سمجھنے کے واسطے اول ہم ایک ایسے بازار
کی مثال لیتے ہیں کہ فروشندے اور خریدار ایک جگہ جمع ہوکر خرید و فروخت کریں
ایسے بازار ہندوستان کے شہروں اور اکثر قصبوں میں موجود ہیں اور وہاں قرب وجوار
کے پیدا شدہ غلہ روئی شکر وغیرہ کی تجارت ہوتی ہے۔ بہت سے تاجروں کی
برابر برابر دکانیں لگی ہوتی ہیں۔ ان میں سے کچھ بیچتے اور کچھ خریدتے رہتے ہیں
ایک ہی تاجر کسی وقت کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرے وقت خریدنے لگتا ہے
تاجر خواہ خریدار ہوں یا فروشندے چھوٹے چھوٹے بازاروں میں بھی بہت سے
پہلوؤں پر ان کو نظر رکھنی پڑتی ہے فروشندوں کو تو خریداروں کی طلب
کی تجسس ہوتی ہے کہ وہ کس نرخ سے کتنا مال خریدنے پر آمادہ ہیں۔ اور

خریداروں کو فروشندوں کی رسد کی ٹوہ لگانی پڑتی ہے کہ وہ کس نرخ سے کتنا مال فروخت کرنے پر راضی ہیں۔ ہر خریدار باقی خریداروں اور ہر فروشندہ باقی فروشندوں کا خیال اور عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور سب کو یہی فکر ہوتی ہے کہ آیا تھوڑے روز بعد نرخ چڑھے گا یا اتریگا آیا طلب میں کمی ہوگی یا بیشی۔ اور رسد کے کیا آثار ہیں۔ اس میں تخفیف ہوگی یا اضافہ، چھوٹے سے بازار میں بھی کتنی پیچیدگیاں پیش آتی ہیں۔ اور جب کہ مال متعدد بازاروں میں خرید و فروخت ہو اور بازاروں کا کاروبار مل جاوے تب تو پیچیدگی کا حال کچھ نہ پوچھئے۔ مثلاً جو شخص کانپور میں گیہوں کا بیوپار کرے اس کو نہ صرف کانپور کے بازار سے واقف رہنا چاہئے بلکہ ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے بازاروں کی حالت سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے۔ جیسے کہ دہلی، ہاتھرس کلکتہ، بمبئی اور کراچی کے بازار۔ کاروباری واقفیت کا سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوتا بلکہ ضرورت ہے کہ دوسرے ملکوں کی حالت پر بھی نظر رہے۔ چنانچہ شمالی ہندوستان میں جو بڑے بڑے تاجر ہیں وہ یہ بھی خبر رکھتے ہیں کہ **لندن لورپول۔ نیویارک** اور **شکاگو** کے بازاروں کا کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ وہاں کے تاجروں کا کیا طور و انداز ہے۔ پس بازار کی حالت بتدریج مطالعہ کرنی چاہئے۔ اول سب سے سہل اور سادہ مثال لی جاوے۔ اور بعد کو رفتہ رفتہ پیچیدہ اجزا شامل کئے جاویں حتیٰ کہ ایک حقیقی بازار کی حالت ہمارے پیش نظر ہو جاوے۔

دو باتیں ایسی ہیں جو تمام بازاروں میں عام ہیں۔ اول تو یہ کہ فروشندے اعلیٰ سے اعلیٰ قیمت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اور خریدار ادنیٰ سے ادنیٰ قیمت دینی چاہتے ہیں۔ اگر تین روپیہ ایک آنہ کے نرخ سے بھی گیہوں کا کوئی خریدار

باب چہارم
فصل ۲۵

مل جائے تو کوئی تاجر تین روپیہ کے نرخ سے گیہوں فروخت کرنا گوارا نہ کریگا علیٰ ہذا اگر ایک آنہ کم تین روپیہ کے نرخ سے بھی کوئی تاجر گیہوں فروخت کرنے پر آمادہ ہو تو کوئی خریدار تین روپیہ کے نرخ پر راضی نہ ہوگا۔ پس خریدار کو تو یہ جستجو رہتی ہے کہ فروشندے کیا کیا قیمت مانگتے ہیں اور فروشندوں کو یہ تلاش ہوتی ہے کہ خریدار کیا کیا دام لگاتے ہیں۔ دوسری بات جو بازاروں میں عام ہے وہ بھی پہلی بات کا نتیجہ ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی نرخ سے ایک چیز ایک بازار میں فروخت ہوتی ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ نرخ ایک ہی دن میں کئی کئی مرتبہ بدلے۔ فروشندے کو نہ صرف خریداروں کے نرخوں سے واقف رہنا چاہئے بلکہ دوسرے فروشندوں کے نرخوں کی بھی اس کو خبر رکھنی پڑتی ہے۔ کیونکہ جس نرخ پر دوسرے لوگ مال فروخت کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ مانگنا فضول ہے اسی طرح خریدار کو دوسرے خریداروں کے نرخ کی اطلاع رکھنی ضرور ہے۔ جس نرخ سے لوگ مال خرید رہے ہیں اس سے کم نرخ چاہنا لاحاصل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے بازار میں قیمت کیونکر قرار پاتی ہے۔

فصل چھبیس ۲۶

بازار میں عارضی توازن

سادہ بازار کی مثال

بازار میں رسد و طلب کا مطالعہ کرنا ہو۔ یعنے یہ کہ کسی مقدار کے خرید و فروخت میں قیمت کیونکر قرار پاتی ہے ، تو اول ایک سادہ مثال لینی چاہئے۔ مثلاً گیہوں کا ایک ایسا بازار فرض کرو کہ جو ریل سے بہت دور واقع ہو۔ گیہوں نہ باہر سے وہاں آسکے نہ وہاں سے باہر جاسکے مان لو کہ کاشتکار اپنا مال تاجروں کے ہاتھ گاؤں ہی میں بیچ ڈالتے ہیں خود بازار میں لاکر مال فروخت نہیں کرتے بلکہ بازار کی کل فروخت تاجروں کے ہاتھ میں ہے بازار میں خریدار بھی عوام نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے دکان دار ہیں جو وہاں سے گیہوں خرید کر قصبے میں جا بجا اپنی اپنی دکانوں پر لوگوں کے ہاتھ بشکل طور پر بیچتے ہیں۔ اس قسم کے بازار ہندوستان میں کبھی بہت عام تھے۔ لیکن جب سے ریل جاری ہوئی اکثر بازاروں پر درآمد و برآمد کا اثر پڑنے لگا ہے۔ ہم یہ بھی فرض کرتے ہیں کہ فروشندوں یا خریداروں میں کوئی جتھا نہیں بلکہ ہر کوئی اپنے اپنے نفع کے خاطر جدا جدا خرید و فروخت کرتا ہے۔ فرض کرو کہ دسمبر کا مہینہ ہے کم وبیش اسی قدر وسیع رقبہ پر جتنا کہ معمول ہے گیہوں کی کاشت پھیلی ہوئی ہے۔ فصل کے آثار بھی اچھے ہیں۔ غرضیکہ کوئی بات یا حالت خلاف معمول نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بازار کیونکر چلتا ہے۔ بازار کے دن صبح کو تاجر گاڑیوں اور گونوں میں بھر بھر کر اندازاً اس قدر

باب چہارم
فصل ۲۶

گیہوں بازار میں لاوینگے کہ فروخت ہوسکیں۔ وہ جانتے ہیں اور دکان داروں کو بھی خبر ہے کہ گذشتہ موقع پر گیہوں کا بھاؤ تین روپیہ من رہا تھا۔ اور تجربہ نے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس نرخ سے تخمیناً دو ہزار من غلہ نکل جاتا ہے اور اسی قدر قصبے میں ہفتہ بھر کا خرچ ہے۔ ہر فروشندہ اپنے دل کا عندیہ چھپاتا ہے تاہم دوسرے فروشندوں اور نیز خریداروں کو اندازاً پتہ لگ ہی جاتا ہے کہ آیا وہ زیادہ مال فروخت کرنا چاہتا ہے یا کم۔ یہ بھی معلوم ہے کہ فروشندوں کے پاس جو کل ذخیرہ ہے وہ دو ہزار من فی ہفتہ کے حساب سے فصل آنے تک کافی ہوگا۔ بلکہ فصل کی تیاری کے وقت کچھ بچ رہیگا۔ بازار کھلنے پر دکاندار تاجروں سے نرخ دریافت کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن اول اول کچھ خرید نہیں کرتے۔ اسی طریقہ سے وہ یہ بھی اندازہ کرتے ہیں کہ بازار میں فروخت کے واسطے کتنا مال آیا ہے۔ اور کون فروشندہ مال بیچنے کا زیادہ خواہشمند ہے اور کون خلاف معمول بہت زیادہ یا بہت کم مال لایا ہے۔ فروشندے بھی خبر لگا لیتے ہیں کہ کون کون کتنا مال فروخت کرنے کو لایا ہے اور کون دکاندار خرید کے زیادہ خواہشمند ہیں۔ فرض کرو کہ بازار میں صرف دو ہزار من مال آیا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ اور کوئی بھی خرید یا فروخت کا از حد خواہشمند نہیں حالات کا پتہ چلانے اور سودا چکانے میں کچھ وقت صرف ہو ئیگا تو فریقین کو خیال ہوگا کہ اب نرخ میں ان کے مفید مطلب تبدیلی ہونے کی کوئی امید نہیں۔ پس خریداری شروع ہوئی اور سہ پہر تک کل مال ٹھکانے لگ جائیگا۔

اضافہ طلب کا اثر۔

بازار کے توازن کی یہ سب سے سادہ مثال ہے۔ دو ہزار من کے قریب گیہوں تخمیناً تین روپیہ من کے نرخ سے فروخت ہونے کی امید پر بازار میں لاتے ہیں دکاندار یہ سب کے سب مقدار اسی نرخ پر خرید لیتے ہیں وہ بھی

باب چہارم
فصل ۲۶

نہ تو اس سے زیادہ خریدنا چاہتے ہیں نہ کم - اب فرض کرو کہ دوسری مرتبہ تاجر اُسی قدر گیہوں بازار میں لائیں یعنی دو ہزار من لیکن وہ تاڑلیں کہ بعض دکاندار اس نرخ سے یعنی تین روپیہ من کے حساب سے خریداری پر تلے ہوئے ہیں - وجہ تو معلوم نہیں مگر تاجر سمجھ جاتے ہیں کہ مال کی مانگ زیادہ ہے پس وہ دو آنہ من نرخ چڑھا دیتے ہیں اس بھاؤ سے شاید دکاندار بھی مال نہ خریدیں - تب کچھ تاجر نرخ تین روپیہ ایک آنہ من کردیں گے اس نرخ سے کچھ خرید و فروخت شروع ہوگی - بعض دکاندار تو مال خرید نے لگیں گے اور بعض اب بھی دست کش رہینگے کہ شاید نرخ میں اورتخفیف ہو تھوڑی دیر میں پتہ چلتا ہے کہ کچھ رسالے قواعد سیکھنے کے واسطے یہاں آنے والے ہیں - جب تک وہ ٹھیریں گے گیہوں کا خرچ زیادہ رہے گا - بعض دکانداروں کو اس کی پہلے سے خبر تھی - اسی وجہ سے تو وہ ایک آنہ بڑھاکر مال خرید رہے ہیں جو دکاندار بیخبر تھے اب تو ان کے بھی کان کھڑے ہوئے - دیکھتے ہیں کہ بہت سا مال فروخت ہو چکا پس وہ بھی گھبرا کر اسی نرخ سے مال خرید نے کھڑے ہوتے ہیں - لیکن تاجر ان کی بے چینی دیکھ کر فوراً نرخ بڑھا دیتے ہیں - بعض دکاندار خرید میں کمی کر دینگے جس قدر ارادہ تھا اتنا مال نہ خریدیں گے - نرخ میں بھی گھڑی گھڑی تغیر و تبدل ہوگا کبھی چڑھیگا کبھی اتریگا کبھی باقی دکاندار خرید نے پر ہمت باندھیں گے کبھی ڈھیلے پڑ جائیں گے - لیکن شام تک کل مال نکل جاویگا اور نرخ بھی گذشتہ دن سے کچھ بڑھا رہیگا -

اضافہ رسد کا اثر۔

اب فرض کرو کہ آخر دسمبر میں خوب بارش ہو اور گیہوں کی فصل کے آثار معمول سے زیادہ اچھے نظر آئیں یعنی بکثرت گیہوں پیدا ہونے کی امید

باب چہارم فصل ۲۶

ہو تو شروع جنوری میں بازار کا کیا رنگ ہوگا۔ یہ تو معلوم ہے کہ بالعموم فصل کی تیاری کے وقت تک جس قدر غلہ صرف کے واسطے درکار ہوتا ہے اُس سے تھوڑا بہت زیادہ غلہ تاجروں کے پاس رہتا ہے۔ پس جن جن تاجروں کے یہاں بڑے بڑے ذخیرے ہیں ان کو فکر پیدا ہوگی۔ اگر وہ غلہ فروخت نہ کریں تو کیا کریں گے۔ چونکہ فصل کے آثار عمدہ ہیں۔ انہیں اندیشہ ہے کہ سماں ہوگا اور غلہ کی قیمت بہت گر جائیگی۔ پس جہاں تک ہوسکے گا وہ نرخ گھٹنے سے پہلے ہی پہلے اپنا مال نکال دیں گے۔ پس ایسی حالت میں جن تاجروں کے ہاں گیہوں بہت زیادہ بھرا ہوا ہے وہ معمول سے زیادہ لائیں گے۔ اور مثال مندرجہ بالا کے مطابق دو ہزار من کے بجائے دو ہزار دو سو من غلہ بازار میں برائے فروخت پیش ہوگا۔ لیکن دکانداروں سے بھی فصل کے امید افزا آثار مخفی نہیں۔ مزید براں وہ فوج کے رسالے بھی جو چند روز کے واسطے قواعد سیکھنے آئے ہوئے تھے چلے گئے۔ اب اس قدر غلہ درکار نہیں۔ پس جب وہ دیکھیں گے کہ گیہوں کے تاجر معمول سے زیادہ مقدار فروخت کرنے کے خواہشمند ہیں تو وہ تین روپیہ من سے کم دام لگائیں گے۔ یوں ہی نرخ کے متعلق حیص بیص چلے گی۔ اور اگر تاجروں کو کل مال فروخت کرنا مقصود ہے تو ضرور نرخ میں تخفیف گوارا کرنی پڑے گی۔ ورنہ کچھ مال بچ رہیگا جو واپس لے جانا پڑیگا۔ اگر کل مال فروخت ہو گیا تو گویا رسد و طلب میں اب بھی توازن قائم رہا البتہ قیمت گھٹ گئی۔

ایک مثال اور لو۔ فرض کرو کہ سخت کہُرا پڑے کہ جس سے فصل کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ تو اب بازار کی کیا کیفیت ہوگی تاجر

اور دکاندار اب جانتے ہیں کہ فصل بہت کچھ خراب ہو چکی ہے۔ نئی پیداوار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ تو ابھی کیا ہو سکتا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ دو ہزار من فی ہفتہ کے حساب سے سال بھر کے خرچ کے واسطے غلہ کافی نہ ہوگا۔ گویا آیندہ فصل کی تیاری سے قبل غلہ کی قلت ہو جاوے گی۔ اب تو تاجروں کی بن آئیگی۔ فوراً نرخ بڑھا دینگے اگر کچھ مال اس وقت فروخت نہ بھی ہوا تو کیا مضائقہ۔ آیندہ ضرور فروخت ہو جاویگا۔ بلکہ وہ خود ہی اس وقت زیادہ مال فروخت کرنا پسند نہ کرینگے کیا معلوم کہ پیداوار کی آیندہ کیا حالت رہیگی۔ پس بازار میں کم مال آئیگا۔ دو ہزار من کے بجائے غالباً صرف بارہ سو من کی آمد ہوگی خریدار بھی سمجھ جائیں گے کہ گیہوں کا نرخ بہت چڑھا رہیگا اور وہ بھی مجبوراً معمول سے کم مال خریدیں گے شاید دکاندار ساڑھے تین روپیہ من دام لگائیں اور تاجر چار روپیہ من مانگیں۔ ممکن ہے کہ ان نرخوں میں سے کسی نرخ پر کچھ مال نکلے۔ لیکن وہی کھینچ تان شروع ہوگی اور عام نرخ تخمیناً پونے چار روپیہ من قرار پائیگا۔

بازار کا جو کچھ حال اوپر بیان ہوا اس میں ایسی بہت سی پیچیدگیاں نظر انداز کردی گئیں ہیں جو چھوٹے چھوٹے بازاروں تک میں روزمرہ پیش آتی ہیں اصلی مقصود تو طلب و رسد کا توازن سمجھانا تھا سو وہ خوب واضح ہو گیا۔ ان پیچیدگیوں سے اس توازن کی حقیقت و صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ البتہ ان کے ساتھ ان کا پتہ چلانا ذرا دشوار ہو جاتا ہے۔ جو لوگ بازار میں گیہوں خریدتے ہیں ان کو تجربہ سے معلوم رہتا ہے کہ لوگ کھانے کے واسطے

باب چہارم کس کس نرخ سے کتنا کتنا غلہ خریدیں گے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ نرخ
فصل ۳۶ جوں جوں بڑھیگا کم غلہ فروخت ہوگا۔ دکاندار تو محض فروخت
کرنے کی نیت سے گیہوں خریدتے ہیں۔ اگر بہت زیادہ گیہوں بھرلیں
تو اندیشہ ہے کہ مناسب قیمت پر کل مال نہ نکل سکے اور جس نفع کی
خاطر یہ خرید و فروخت کا درد سر اُٹھایا وہ ہاتھ نہ لگے۔ اور اگر بہت
کم غلہ بھریں تو مناسب قیمت پر جس قدر مال فروخت ہو سکتا تھا
اس قدر فروخت کرنے کو ان کے پاس موجود نہ ہوگا۔ گویا زیادہ مقدار
کی فروخت سے جس قدر منافع حاصل ہو سکتا تھا اس سے کم حاصل ہوگا
اسکوبھی ایک قسم کا نقصان ہی سمجھنا چاہئے۔ اس موقع پر ایک خاص
حالت بتانی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کبھی بہت اعلیٰ نرخ پر تھوڑی
سی چیز فروخت کرنے سے زیادہ منافع ہوتا ہے بہ مقابل کمتر نرخ پر
زیادہ مال فروخت کرنے کے۔ چنانچہ قحط کے شروع شروع میں دکانداروں
پر اکثر یہی شبہہ ہوا کرتا ہے کہ مال موجود ہے مگر نرخ بڑھانے کی طمع سے
فروخت کم کرتے ہیں۔لیکن قلیل فروخت اور کثیر منافع کی ایسی مثالیں کم نظر
آتی ہیں۔ عام حالت تو یہی ہے کہ مال جس قدر زیادہ فروخت ہوتا ہے
اسی قدر منافع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اب فروشندوں کو لیجئے ان کی تو یہی
کوشش ہوتی ہے کہ جتنی بھی اعلیٰ قیمت مل سکے وصول کریں۔ اور قیمت
جس قدر بڑھتی ہے اسی قدر زیادہ مال فروخت کرنے کا لالچ ہوتا ہے
بازار تو اس لئے ہے کہ وہاں خریدار اور فروشندے بات چیت کرکے ایسی
قیمت قرار دیں کہ فریقین کو منظور ہو۔ ہر فرد کو نہ صرف فریق ثانی کے
بلکہ اپنے فریق کے باقی کل افراد کے خیالات سے باخبر رہنا پڑتا ہے

باب چہارم فصل ۲۶

اور اس قسم کی واقفیت جس قدر وسیع اور عام ہو اسی قدر بازار مکمل سمجھنا چاہئے گویا کہ بازار کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر کوئی کار و بار کے تمام حالات سے واقف رہے۔

اضافہ قیمت کا اثر صرف پر

اگلی فصل میں ہم کچھ پیچیدگیاں واضح کریں گے جو اس ابتدائی بیان میں ہم نے ترک کر دی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہاں پر ایک نکتہ جتانا باقی ہے جب فروشندے کسی ضروری چیز کی قیمت بڑھاتے ہیں۔ مثلاً اوپر بیان کیا گیا کہ کُہرا پڑنے سے جو فصل خراب ہوئی تو تاجروں نے گیہوں کی قیمت تین روپیہ من سے بڑھا کر چار روپیہ کر دی۔ تو اس حرکت سے خریدار بہت ناخوش ہوتے ہیں بلکہ فروشندوں پر ان کو غصہ آتا ہے۔ شکایت یہ کی جاتی ہے کہ کل تک تو یہ لوگ بہ خوشی تین روپیہ من گیہوں فروخت کر رہے تھے اب ان کو کیا حق ہے کہ قیمت چار روپیہ کر دیں اور غریب لوگ بھوکوں مریں معاشیات کے متعلم کو حق ہونے نہ ہونے سے تو کچھ بحث نہیں وہ تو صرف یہ جانتا ہے کہ ایسی حالت میں فروشندے قیمت ضرور بڑھا دیں گے اور وہ ایسا کرنے کے قانوناً مجاز بھی ہیں۔ رہا یہ سوال کہ از روئے مذہب و اخلاق یہ کہاں تک جائز ہو سکتا ہے اس کا جواب ان مصلحوں اور واعظوں کے ذمہ ہے جو لوگوں کو نیکی بدی سمجھانے والے ہیں۔ معاشی یہ بھی بتا سکتا ہے کہ قیمت بڑھنے سے جو خرید گھٹے گی تو کچھ مال ان لوگوں کے آیندہ صرف کے واسطے بچ رہیگا جو کل مال فروخت ہو جانے کی صورت میں فاقہ کرنے پر مجبور ہوتے۔ اگر ہم پیدائش کے ابتدائی دَور پر نظر ڈالیں تو یہ دقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً غور کرو کہ اس حالت میں اگر سخت کہرا پڑے تو کیا نتیجہ ہوگا۔ کاشتکار جو اپنے کنبے کے واسطے غلہ پیدا کر رہا تھا اس کو

باب چہارم
فصل ۲۶

فکر ہوتی ہے کہ کہرے سے فصل خراب ہو گئی۔ اگلی فصل پکڑنی دشوار ہوگی غلہ پہلے ہی ختم ہو جائیگا اس نے تو یہ اندازہ کیا تھا کہ ربیع کی پیداوار اکتوبر نومبر تک کام دیگی۔ اتنے میں خریف کی فصل تیار ہو جاوے گی لیکن فصل جو ماری گئی تو اب اندیشہ ہے کہ غلہ کا ذخیرہ جولائی اگست ہی میں جواب دے دیگا۔ پس اگر دور اندیش ہے تو فوراً وہ غلہ کا خرچ گھٹا دیگا۔ اور اس قدر گھٹا دیگا کہ اس فصل کی پیداوار سے اگلی فصل تک کام چل جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو گرمیوں بھر کاشتکار کے کنبے کو پیٹ بھر روٹی ملنی دشوار ہے۔ غلہ کی کمی کی وہ طرح طرح سے تلافی کریگا کچھ ترکاری بوئے گا یا مل سکے تو قرب وجوار سے کسی قسم کے پھل توڑ توڑ کر لائیگا بہرحال کاشتکار کو کنبہ پالنا دوبھر ہو جائیگا۔

قصبوں میں جب تاجر نرخ بڑھاتے ہیں تو بعینہ یہی واقعہ پیش آتا ہے۔ اگر وہ مال اس نرخ سے بیچیں کہ بلا تکلف حسب سابق دو ہزار من غلہ فی ہفتہ نکلتا رہے تو ظاہر ہے کہ اگلی فصل آنے سے قبل ہی غلہ کا کل ذخیرہ ختم ہو جاویگا نرخ بڑھنے سے لوگ اپنا خرچ گھٹا دیتے ہیں۔ یعنی کمتر مقدار کام میں لاتے ہیں روٹی تو پیٹ بھر کر ملتی نہیں کچھ روٹی کھائی اور کچھ سستی سستی چیزوں سے پیٹ بھر لیا اس طرح پر گیہوں کفایت سے خرچ ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ کل ذخیرہ بہت جلد اُڑ جائے تھوڑی بہت مقدار فصل آنے تک دستیاب ہوتی رہتی ہے اور جو قیمت ادا کر سکتے ہیں وہ برابر خریدتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کل ذخیرہ خرچ ہو جاتا تو ان کو بھی باوجود استطاعت فاقے کرنے پڑتے۔

فصل ستائیس ۲۷

توازن میں چند پیچیدگیاں

اب ہم کو چند ایسی پیچیدگیاں بیان کرنی ہیں جو بازار کے کاروبار میں اکثر پیش آتی ہیں۔ اول تو فرض کرو کہ تاجروں کے علاوہ کچھ کاشتکار بھی بازار میں غلہ لاویں۔ گویا کل رسد تاجروں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ جب کاشتکار بھی کافی مقدار لاویں گے تو فروشندوں اور خریداروں کو دقت کا سامنا ہوگا۔ تاجر اور دکانداروں کا تو کام ہی یہ ہے کہ بازار کی ذرا ذرا خبر رکھیں لیکن کاشتکاروں کو اتنی واقفیت کہاں۔ نہ ان کو موجودہ طلب کا پورا حال معلوم اور نہ رسد کا۔ یا تو وہ روز گذشتہ کے نرخ سے اندازہ لگائیں گے یا اپنی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے دام مانگیں گے۔ طلب و رسد کی حالت پر ان کو اس قدر توجہ کہاں ہو سکتی ہے جتنی تاجر اور دکاندار کو ہوتی ہے۔ جب مال کی رسد کا بہت کچھ دار و مدار کاشتکاروں پر ٹھہرا تو ممکن ہے کہ مال کبھی معمول سے بہت زیادہ آئے اور کبھی بہت کم۔ کاشتکار پابندی سے کیوں آنے لگے۔ کبھی آئے کبھی نہ آئے بازار کی عام حالت میں تو کوئی بڑا فرق نہ آئے گا۔ لیکن مال کی فوری کثرت و قلت کی وجہ سے یہ دقت ضرور جلد جلد پیش آئیگی کہ کبھی نرخ بہت گھٹا تو کبھی بہت چڑھ گیا۔ بہ ہر صورت کاشتکار کو بہت اعلیٰ قیمت نہ مل سکے گی نہ تو اس کو مال کے موجودہ ذخیرہ کا اندازہ اور نہ لوگوں کے ارادوں کی اس

باب چہارم
فصل ۲

درجہ اطلاع جتنی کہ تاجر اور دکاندار کو ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو روپیہ کی سخت ضرورت ہوئی۔ جیسا کہ اکثر واقع ہوتا ہے۔ تو پھر وہ کسی دکاندار کے ہاتھ ضرور اپنا مال سستا فروخت کردیگا۔ حالانکہ بازار کی حالت پر نظر کرتے ہوئے زیادہ قیمت ملنی ممکن ہوگی سب بازاروں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بعض لوگ اوروں سے زیادہ ماہر اور سمجھ دار ہوتے ہیں اور دوسروں کے مقابل مال زیادہ ارزاں خریدتے اور گراں فروخت کرتے ہیں بعض وقت لوگ مجبوریوں میں پھنس کر مال ارزاں فروخت کرتے یا گراں خریدتے ہیں حالانکہ بہ حالت آزادی وہ اس کو ہرگز ہرگز گوارا نہ کرتے۔ ان بے قاعدگیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ کل مال ٹھیک **قیمت متوازنہ** کے حساب سے فروخت نہیں ہوتا۔ بلکہ کچھ ارزاں فروخت ہوتا ہے اور کچھ گراں یہ فرق اہل معاملہ کی حالت پر منحصر ہے تاہم قیمت کی مجموعی مقدار قریب قریب وہی آپڑتی ہے جو کہ قیمت متوازنہ کے حساب سے ہوتی۔

مال کی درآمد و برآمد

دوسری پیچیدگی درآمد و برآمد کے سبب سے پیدا ہوتی ہے فرض کرو کہ جس قصبے کا ہم اوپر کی مثال میں ذکر کر چکے ہیں۔ وہاں ریل جاری ہو جائے تاکہ مال کی درآمد و برآمد میں سہولت ہو۔ اور کلکتہ یا کانپور کے تاجروں کے کارندے وہاں رہنے لگیں اور جب مناسب قیمت پر گیہوں ملیں خرید لیا کریں اول اول تو بازار میں بدنظمی پیدا ہوگی نہ تو فروشندوں کو انداز ہوگا کہ یہ نئے خریدار کہاں تک دام لگائیں گے اور نہ قدیم خریداروں کو ان کا عندیہ معلوم ہوگا لیکن کچھ عرصہ میں سب ایک دوسرے سے واقف ہو جائیں گے کاروبار میں ان کی شرکت نئی بات معلوم نہ ہوگی۔ ان کارندوں کا حال بھی معمولی دکانداروں کا سا ہو جائیگا۔ ان کی خریداری بھی نرخ کی کمی بیشی پر

منحصر ہوگی یعنی نرخ چڑھا تو مال کم خریدیں گے اور گھٹا تو زیادہ۔صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے آنے کے بعد بازار میں خریداروں کی تعداد بڑھ جائے گی **قیمت متوازنہ** قرار پانے کا وہی طریقہ جاری رہیگا۔مقامی لوگوں کو ان بیرونی خریداروں کے ارادوں کا پتہ چلانا یا اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔یہ تو تجربہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ مقامی طلب اور رسد کی کیا مقدار ہے لیکن ان لوگوں کے آ جانے کی وجہ سے اب کلکتہ کانپور وغیرہ تک کی حالت پر نظر دوڑانی پڑتی ہے۔ممکن ہے کہ کلکتہ میں نرخ بہت اعلیٰ ہو اور یہ لوگ بہت سا مال خرید کر یہاں بھی نرخ چڑھا دیں۔یا کلکتہ کا بازار سرد ہو تو یہ لوگ خریداری سے دست کش رہیں اور نرخ بہت اُتر جائے۔پس اگر اس قصبے کے لوگوں کو کار و بار میں کامیاب ہونا ہے اور کامیابی کے معنی یہ ہیں کہ ارزاں سے ارزاں خریدیں اور گراں سے گراں فروخت کریں۔ تو ان کو اپنی معلومات بہت وسیع کرنی پڑیگی۔جن جن بازاروں کا اپنے بازار سے کاروباری تعلق ہو وہاں کے نرخوں سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے۔تاکہ وہاں کے خریداروں کے مقابلے میں پیش بندی ہو سکے اور بے خبری میں نقصان نہ پہنچے

جدا جدا رہنے کے بجائے اب بازار ایک سلسلہ کے تحت میں آگئے ہیں یہ تبدیلی کچھ دنوں سے بہ سرعت شمالی ہندوستان میں پھیل رہی ہے چنانچہ اس قسم کے جداگانہ بازار جیسا کہ ہم نے گذشتہ فصل میں فرض کئے اب کہیں کہیں بہ طور استثنا نظر آتا ہے۔حالانکہ پہلے ایسے بازار بہت عام تھے۔چھوٹے چھوٹے قصبوں تک میں گیہوں روئی اور دوسرے غلوں کے تاجر بڑے بازاروں سے کار و باری تعلق رکھتے ہیں شمالی ہندوستان کے تاجر بالعموم ہر صبح کو کلکتہ سے تار منگاتے ہیں کہ بازار کا کیا رنگ ہے۔ اور جب

باب چہارم
فصل ۲۲
جتھا بندی

کار و بار بہت گرم ہو تو لندن اور شکاگو جیسے دور دراز مقامات سے اُن قصبوں میں تار پہنچتے ہیں کہ جہاں کے عوام ان کے نام تک سے واقف نہیں ہوتے۔

تیسری پیچیدگی اس وقت نمودار ہوتی ہے جبکہ فروشندے یا خریدار آپس میں جتھا کرلیں اور باہم مقابلہ کرنا چھوڑ دیں جس بازار کا بار بار ذکر ہو چکا ہے۔ فرض کرو کہ اس میں تاجر اتفاق کرلیں کہ بس اتنا مال لائیں اور اس نرخ سے فروخت کریں ممکن ہے کہ ان کی مُنہ مانگی قیمت پر طلب و رسد میں توازن پیدا ہو جائے۔ اور جتنا مال جس قیمت پر وہ دینا چاہیں۔ دکاندار اسی قدر خرید لیں۔ اکثر تاجر مل کر یہ داؤ چلتے ہیں۔ بعض ممالک میں تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ بزور قانون ایسے جتھوں کو توڑ توڑ کر ان کو ممنوع قرار دے رہے ہیں انگریزی میں ان جتھوں کے متعدد نام مروج ہیں۔ مگر مفہوم سب کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ تاجروں کی یہ حرکت ضرور اندیشہ ناک اور قابل اعتراض ہے کہ آپس میں اتفاق کرکے حد مناسب سے کہیں زیادہ قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حال کے معاشیئن خاص طور سے جتھوں اور اجاروں کے مسائل پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ طلبا کو کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد ان مباحث کا بھی مطالعہ کرنا پڑیگا۔ سر دست تو اس قدر جاننا کافی ہے کہ اگر فروشندے یا خریدار اپنا ایک جتھا بنا لیں تو فروخت ہونے والے مال کی مقدار اور قیمت پر اس کا بہت کچھ اثر پڑ سکتا ہے۔

چوتھے یہ بھی خیال رکھنا چاہئے جیسا کہ گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے کہ بالعموم ایک ہی احتیاج کئی کئی چیزوں سے پوری ہو سکتی ہے۔ اور اگر کسی ایک چیز کی قیمت بہت بڑھ جائے تو لوگ اسکے بجائے اور اور چیزیں استعمال کرنے لگتے ہیں۔ پس گیہوں کے تاجروں کی توجہ گیہوں تک

محدود نہیں رہتی - بلکہ ان کو جو چنے جوار مکئی کی حالت پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے - اگر ان میں سے کوئی غلہ ارزاں ہو اور گیہوں گراں ہو جاوے تو لوگ ضرور گیہوں کی جگہ اس کو کام میں لائیں گے - اور گیہوں کی طلب میں تخفیف ہو جائیگی جو بدل نہ ملنے کی حالت میں نہ ہوتی - یا اگر چانول کی فصل ماری جائے اور چانول بہت گراں ہو جاوے تو گیہوں کا خرچ بڑھ جائیگا - اور اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہوگا - پس چھوٹے سے بازار میں بھی تاجر ایک ہی غلہ تک اپنی توجہ محدود نہیں رکھ سکتے - بلکہ جتنے غلے بھی خوراک کے کام آئیں ان سب کی طلب و رسد سے خبردار رہنا ضروری ہے - اور اکثر ہوتا یہ ہے کہ وہی تاجر مختلف غلوں کا کاروبار کرتے ہیں پس ان کو بازار کی پوری پوری خبر رہتی ہے -

مال روک رکھنا بھی ایک توجہ طلب امر ہے محض سہولت کی خاطر مال کی یہ فرض کر لیا گیا کہ تاجر جس قدر غلہ بازار میں لاتے ہیں سب کا سب روک فروخت کر دیتے ہیں - اور کچھ باقی نہیں رکھتے - لیکن واقع میں ایسا نہیں ہوتا - اکثر تاجروں کا مال بازار کے قریب ہی موجود رہتا ہے نہ سب مال بازار لانے کی ضرورت اور نہ کچھ واپس لے جانے کی - فروشندے بازار کا رنگ دیکھتے ہیں - اگر مانگ زیادہ ہے تو مال بھی زیادہ نکالتے ہیں اور اگر مانگ کم ہے تو مال بھی تھوڑا ہی باہر رکھتے ہیں - پس خریدار محض غلہ کی گاڑیوں یا بوریوں سے جو بازار میں نظر آئیں ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا کہ کس قدر مال برائے فروخت موجود ہے - بہت سا مال قرب و جوار میں کھیتوں اور گوداموں میں بھرا پڑا ہوگا - جو مناسب موقع پر فوراً نکل سکتا ہے - پس خریداروں کو

باب چہارم فصل ۲۷

ذخائر کی خبر رکھنی ضروری ہے فروشندوں کے رجحان کو بھی بغور دیکھیں اور اس سے نتائج اخذ کریں ۔ خریدار بھی موجودہ ضرورت سے زیادہ مال خرید رکھتے ہیں ۔ پس اگر نرخ چڑھ جائے تو وہ معمول سے کم غلہ خریدیں گے اور اگر وہ کفایت نہ کرے تو کم از کم اگلے بازار تک اس زاید مقدار سے کام چلائیں گے جو پہلے سے گھر میں رکھی ہوئی ہے ۔ اسی طرح اگر غلہ ارزاں ہو جائے تو وہ معمول سے زیادہ خرید ڈالیں گے اور اس سابق زاید مقدار میں اور بھی اضافہ ہو جاویگا ۔ پس فروشندے ہوں یا خریدار جو کچھ وہ ظاہر میں دیکھتے ہیں ۔ محض اس پر رائے قائم نہیں کر سکتے ۔ بلکہ لوگوں کے ارادوں اور منصوبوں سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے ۔

خرید و فروخت کا اجتماع

ہم نے فروشندوں اور خریداروں کے دو جداگانہ گروہ دکھائے ہیں لیکن اس کو بھی محض ایک مفروضہ سمجھنا چاہیئے ۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ بڑے بڑے بازاروں میں وہی لوگ دونوں کام انجام دینے پر آمادہ رہتے ہیں ۔ نرخ چڑھا تو فروخت کرنے لگے اور گھٹا تو خود خریدار بن گئے ۔ مثلاً کوئی تاجر تین روپیہ من کے حساب سے گیہوں خریدے اور تین روپیہ دو آنہ من کے حساب سے فروخت کرنے پر آمادہ ہو ۔ پس اگر نرخ تین روپیہ ہے تو وہ خرید شروع کر دیگا ۔ کیونکہ بازار کی حالت پر نظر کرتے ہوئے اس کو امید ہے کہ نرخ عنقریب چڑھیگا ۔ اور فروخت میں اس کو اور کچھ نہیں تو آنہ دو آنہ کا نفع ضرور مل جائیگا ۔ اگر تین روپیہ دو آنہ من کے نرخ سے وہ مال نکالے تو گویا اس کے اندازہ میں عنقریب قیمت گھٹنے والی ہے ۔ بڑے بڑے بازاروں میں بہت سے تاجر ہوتے ہیں

باب چہارم
فصل ۲۷

جن کا یہی کام ہے کہ طلب و رسد کی حالت کے متعلق ان کو جو کچھ خبر ملے اس سے بازار کے توازن کا پہلے سے اندازہ کرلیں ۔ اور متوقعہ قیمت متوازنہ سے بڑھ کر فروخت کرنے یا گھٹکر خرید نے کا جو کوئی موقع ملے تو اس سے فائدہ اٹھائیں اگر ان کا اندازہ صحیح نکلا یعنی جس قیمت پر طلب و رسد میں توازن قائم ہو ۔ وہ پہلے سے اندازاً معلوم ہوگئی تو دونوں صورتوں یعنے خرید و فروخت میں ان کو نفع ہوگا ۔ اگر اندازہ غلط نکلا تو خسارہ اٹھانا پڑیگا ۔

خرید و فروخت کا اجتماع

اس قسم کے تاجروں کا بازار پر یہ اثر پڑتا ہے کہ نرخ بہت کچھ اصلی قیمت متوازنہ کے قریب رہتا ہے ۔ اگر نرخ چڑھے تو کچھ تاجر فوراً مال کی فروخت شروع کردیتے ہیں اور کچھ خرید سے دست کش ہو جاتے ہیں ۔یعنی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اور طلب میں تخفیف ۔ یہ حالت بدلتے ہی قیمت پھر ٹھکانے آ لگتی ہے ۔ ایسے بازار میں قیمت برابر گھٹتی بڑھتی رہتی ہے ۔لیکن ہر اضافہ سے تخفیف کا رجحان پیدا ہوتا ہے ۔ اور ہر تخفیف سے اضافہ کا رجحان نتیجہ یہ ہے کہ قیمت اس مقدار سے بہت زیادہ نہیں گھٹ بڑھ سکتی جو کہ رسد و طلب کی موجودہ حالت میں مناسب معلوم ہوتی ہے ۔

بازار کی مستقبل حالت کا جو تاجر اندازہ کرتے اور اس کے بھروسہ پر کاروبار چلاتے ہیں ۔ تو اس سے ایک پیچیدگی بھی پیدا ہوتی ہے جس کو اصطلاحاً **تخمین** کہہ سکتے ہیں ۔ اگر گیہوں کا نرخ آج کل تین روپیہ من ہو اور کسی تاجر کو امید ہو کہ اگلے مہینہ میں وہ سوا تین روپیہ من ہو جائیگا تو اس کو لازم ہے کہ جس قدر ہوسکے غلہ خرید لے اور ایک مہینہ رکھکر اس کو چار آنہ من کے نفع سے بیچ ڈالے ۔

باب چہارم
فصل ۲۷

جب تاجروں کے پاس قیمت ادا کرنے کو روپیہ تک نہ ہو۔ تب بھی نفع کی امید پر وہ کسی نہ کسی ترکیب سے سودا کر لیتے ہیں۔ یا تو روپیہ قرض لے لیا۔ قرض لینے کے بھی بہت سے طریق ہیں جو کہ آئندہ اعتبار کے تحت میں بیان ہوں گے۔ یا مال اُدھار خرید لیا۔ یا یہ معاہدہ کر لیا کہ ایک مہینہ بعد جب قیمت دیں گے تو مال لے لیں گے۔ مثلاً عمر اور بکر دو تاجر ہیں۔ عمر ماہ جون میں ہزار من گیہوں بکر سے خریدتا ہے معاہدہ یہ ہے کہ بکر ۱۵ جولائی کو غلہ عمر کے حوالہ کردے اور اسی روز تین ہزار روپیہ قیمت وصول کرلے ۱۵ جولائی سے پہلے ہی نرخ بڑھ کر سوا تین روپیہ ہو جائے۔ عمر وہ غلہ سوا تین ہزار روپیہ کو زید کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ سودا کرتے وقت تو بیشک اس کے پاس چھٹانک بھر بھی غلہ نہیں صرف بکر کا معاہدہ ہے کہ وہ ہزار من غلہ دیگا۔ ۱۵ جولائی کو عمر سوا تین ہزار روپیہ زید سے وصول کرتا ہے ان میں سے تین ہزار بکر کے حوالہ کرکے اس کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ غلہ زید کے سپرد کردے عمر کے پاس گو غلہ موجود نہ تھا۔ لیکن بالا ہی بالا ارزاں خریدنے اور گراں فروخت کرنے سے اس کو ڈھائی سو روپیہ کا منافع مل گیا زید کوشش کریگا کہ کچھ منافع لیکر اوروں کے ہاتھ غلہ بیچدے۔

اور اگر عمر کو اندیشہ ہو کہ نرخ گھٹے گا تو وہ بکر کے ہاتھ غلہ فروخت کرنے کا معاملہ کریگا۔ اس وقت اس کے پاس غلہ موجود نہیں مگر اس کو یہ امید ضرور ہے کہ غلہ دینے کے وقت تک وہ اس کو زیادہ ارزاں خرید لیگا۔ اگر ایسا ہوا تو یہاں بھی معاملہ مثال مذکورۂ بالا کی طرح سرانجام پائیگا۔ مثلاً عمر نے بکر کے ہاتھ ہزار من گیہوں بہ قیمت تین ہزار روپیہ

۱۵ جولائی کے واسطے فروخت کئے۔ یعنی اس تاریخ کو مال دیا جائے اور
قیمت ادا ہو۔ تاریخ مذکورہ سے پہلے پہلے خوش قسمتی سے ایک ہزار من گیہوں
بہ قیمت دو ہزار آٹھ سو روپیہ زید سے اسی تاریخ یعنی ۱۵ جولائی کے واسطے
خرید لئے۔ جب تاریخ آئی تو زید کو ہدایت کردی کہ گیہوں بکر کے
حوالہ کردو بکر سے تین ہزار روپیہ لیکر دو ہزار آٹھ سو تو زید کو ادا کردئے
اور باقی دو سو اپنی جیب میں ڈالے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عمر نے مستقبل قیمت
کے اندازہ کرنے میں غلطی کی ہو یعنی قیمت میں تخفیف نہ ہو اور تین روپیہ من
سے کم نرخ پر گیہوں نہ خرید سکے اب یا تو معاہدہ توڑے اور بد عہدی سے
تاجر ہمیشہ کے واسطے بدنام اور تباہ ہو جاتا ہے۔ اور یا کسی دام بھی
گیہوں خریدے اور بکر کو تاریخ معینہ پر دے۔ فرض کرو کہ تین ہزار دوسو
روپیہ میں ہزار من گیہوں ملیں تو عمر کو دو سو روپیہ کا خسارہ اٹھانا پڑیگا
کیونکہ بکر سے اس کو صرف تین ہزار روپیہ وصول ہوں گے۔

اس قسم کا کاروبار سراسر قمار بازی معلوم ہوتا ہے۔ محض مستقبل حالات
کے اندازہ پر لوگ خرید فروخت کرتے ہیں۔ اورکل بڑے بڑے بازاروں
میں جوئے کا تھوڑا بہت رنگ نظر آتا ہے۔ پس اگر کوئی ناتجربہ کار
طلب و رسد کے پورے پورے حالات جانے بغیر یونہی ایسا کاروبار
شروع کردے تو یقیناً جلد اس کا دیوالہ نکل جائیگا۔ اس کو تو کچھ خبر ہوگی
نہیں اور ہوشیار تاجر اس کو خوب اُلو بنائیں گے۔ جب نرخ چڑھنے کے آثار
ہوں گے تو وہ گھٹنے کا اندازہ لگائیگا۔ اور جب نرخ اترتا نظر آئے گا تو وہ
بڑھنے کی امید باندھے گا۔ ہر صورت میں اس کو تو خرید و فروخت سے
خسارہ ہوگا۔ اور جو تاجر اس سے معاملہ کریں گے ان کے پو بارے ہیں

باب چہارم فصل ۷،۴

یہ غریب نو گرفتار یا تو سب روپیہ یوں ہی خساروں کی نذر کردیگا یا چند تلخ تجربوں کے بعد اس کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ بھی بازار کے نشیب فراز سمجھنے لگے گا۔

حاصل کلام یہ کہ آج کل کے مکمل بازاروں میں تاجروں کی بڑی بڑی جماعتیں رہتی ہیں جنکا یہی خاص کام ہے کہ رسد و طلب کے متعلق تمام ضروری حالات معلوم کریں اور اپنی معلومات کی بنا پر اندازہ لگائیں کہ مستقبل قریب و بعید یعنی ہفتہ عشرہ یا چند ماہ بعد قیمت متوازنہ کیا قرار پائیگی۔ اگر آئندہ قیمت بڑھنے کی امید ہو تو وہ خرید شروع کر دیتے ہیں اور اگر قیمت گھٹنے کا اندیشہ ہو تو مال فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کبھی ان کے پاس بہت سا مال موجود ہوتا ہے اور کبھی وہ آئندہ کے واسطے موجودہ مقدار سے زیادہ مال فروخت کر ڈالتے ہیں۔ لیکن کار و بار میں کامیابی کا راز یہی ہے کہ پہلے سے قیمت متوازنہ کا صحیح اندازہ کرلے۔ اگلی فصل میں یہ بحث پیش ہو گی کہ ان بازاروں سے اُن طبقوں کا کیونکر تعلق قائم ہے۔ جو مال و سامان تیار کرتے ہیں یا جو اس کو صرف میں لاتے ہیں۔

فصل اٹھائیس ۲۸

دولت پیدا اور صرف کرنے والوں کا بازار سے تعلق

آج کل بڑے بڑے تھوک فروش بازاروں میں کار و بار کا یہی طریق ہے کہ بہت سے تاجر رسد و طلب کے مستقبل حالات کے متعلق اندازہ لگا لگا کر خرید و فروخت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مال تیار کرنے والے اور صرف کرنے والے بھی ایسے کار و بار میں حصہ لیتے ہیں مگر صرف اس حالتیں جبکہ وہ کوئی بڑی مقدار فروخت کریں یا خریدیں۔ مثلاً جہاں بڑے بڑے کار خانوں میں کل کے ذریعہ سے سوت کاتا جاتا ہے۔ تاجروں کے ساتھ کار خانہ دار بھی کار و بار میں حصہ لیتے ہیں یعنے تاجروں کے ہاتھ خود بھی سوت فروخت کرتے ہیں۔ اور تاجر اس کو خردہ فروشی میں نکالتے ہیں یا دوسری جگہ بیچتے ہیں جہاں سوت کا خرچ ہو۔ غریب نور باف جو دستی کرگھے سے کپڑا بنتا ہے۔ اس کی یہ حیثیت کہاں کہ اپنے واسطے تھوڑا سا سوت تھوک فروش بازار میں جاکر خریدے جہاں ہزار ہا گٹھوں سوت کا سودا ہوتا ہے یا دور دراز بازاروں کو تھوڑے سے سوت کی فرمایش بھیجے۔ اس طرح پر غریب کاشتکار یا تھوڑا غلہ صرف کرنے والے خود بازار جاکر گیہوں کی خرید و فروخت میں حصہ نہیں لے سکتے۔ پس ان بڑے بڑے تھوک فروش بازاروں اور مال تیار اور صرف کرنے والوں کے مابین چھوٹے چھوٹے مقامی بازاروں

تھوک فروش اور خردہ فروش

باب چہارم
فصل ۲۰

کا واسطہ قائم ہے جہاں خردہ فروشی کے طور پر دکاندار مال خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اب ہم کو گیہوں جیسی چیز کے پیدا اور صرف کرنے والوں کی حالت مطالعہ کرنی ہے واضح ہو کہ گیہوں کے بڑے بڑے تھوک فروش بازار آپس میں یوں گتھے رہتے ہیں کہ گویا دنیا بھر میں گیہوں کا ایک بڑا بازار پھیلا ہوا ہے۔

خردہ فروشی کی قیمت۔

جس شخص کو اپنے گھر کے خرچ کے واسطے گیہوں کی ضرورت ہو وہ بالعموم کسی خردہ فروش دکاندار سے خرید لیتا ہے اور قیمت میں چون و چرا کرنے کا موقع بھی اسکو کم ملتا ہے۔ خردہ فروش دکاندار ایک نرخ مقرر کر لیتے ہیں۔ خریدار صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اگر غلہ ارزاں ہو تو کچھ زیادہ خرید لیں اور اگر گراں ہو تو کم۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ ایسے خریداروں کا بہ حیثیت مجموعی نرخ پر کچھ اثر ہی نہیں پڑتا۔ واقعہ یہ ہے کہ بازار میں ان کی طلب ایک سب سے اہم عنصر شمار ہوتی ہے ہر قصبہ کے دکاندار مقامی طلب سے واقف ہوتے ہیں۔ یعنے ان کو اندازہ رہتا ہے کہ کس کس نرخ سے کتنا مال نکل سکے گا۔ اور جیسا کہ واضح ہو چکا ہے بحالت ارزانی زیادہ مال فروخت ہوتا ہے اور بحالت گرانی مقابلۃً کم۔ دکاندار کو معلوم ہے کہ کل مال اس نے کتنے کو خریدا ہے اور وہ خردہ فروشی میں ایسی قیمت مقرر کرتا ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو بالعموم دکاندار خردہ فروشی کی قیمت تھوک فروشی کے نرخ سے بہت نہیں بڑھا سکتے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو دوسرے دکانداروں کے مقابلہ کی وجہ سے اس کی دکانداری خراب ہو جائیگی۔ سب کو اپنا اپنا مال بیچنے کی فکر ہوتی ہے۔ اگر کوئی دکاندار قیمت بڑھائے تو باقی ایسا نہ

باب چہارم
فصل ۲۸

کریں گے۔ اور خریدار اس کو چھوڑ کر دوسری دکانوں سے سودا خرید نے لگینگے پس دکاندار مجبور ہیں۔ اور خردہ فروشی کا نرخ تھوک فروشی کے نرخ سے بہت نہیں بڑھ سکتا۔

صرف کنندوں کی طلب کا اثر۔

البتہ گیہوں بیچنے والوں کی معدودے چند دکانیں ہوں تو ممکن ہے کہ وہ آپس میں جتھا کرکے گیہوں کی قیمت مقدار مناسب سے بڑھا دیں کبھی کبھی ایسا ہوتا بھی ہے۔ اور خریداروں کو تو اکثر یہ شبہہ ہو جاتا ہے۔ مگر سر دست ہم کو اس واقعہ سے زیادہ بحث نہیں بازار کے نقطۂ نظر سے تو خردہ فروش دکانداروں کا خاص کام یہ ہے کہ صرف کرنیوالوں کی طلب بازار میں پیش کریں یعنے ان کے واسطے بازار سے مال خریدیں اور دکانوں پر ان کے ہاتھ فروخت کریں۔ چنانچہ اس واقعہ کی اوپر تشریح ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے تاجروں کے گماشتے جو چھوٹے چھوٹے بازاروں میں مال خریدتے ہیں وہ مقامی طلب کی تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہیں اور جو کچھ رنگ دیکھتے ہیں اپنے مالکوں کو مطلع کرتے رہتے ہیں اس طرح پر بڑے بڑے تھوک فروش بازاروں میں ان مقامات سے بھی طلب کی کمی بیشی کی خبر پہنچتی رہتی ہے۔ جہاں بڑے بڑے تاجروں کے گماشتے مال خریدتے ہیں۔ پس تھوک فروشی کے نرخ مقرر کرنے میں صرف کرنے والوں کی طلب کا بہت کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یعنی اسی طلب کی کمی بیشی کے لحاظ سے علی الترتیب نرخ ارزاں اور گراں رہتا ہے۔

پیدا کرنے والوں کی حیثیت

گیہوں پیدا کرنے والے یعنی کاشتکار کی حالت گیہوں صرف کرنے والے سے کسی قدر مختلف ہے۔ اگر وہ اپنا مال مقامی بازار میں فروخت کرے تو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ اس کو بہت اچھی قیمت نہ مل سکیگی اور غالباً اس سے کم ملیگی جو کسی دکاندار یا تاجر کو ملتی۔ اگر وہ نرخ اس کو منظور نہ ہو تو

باب چہارم
فصل ۲۰

وہ اپنا مال واپس لے جا سکتا ہے تاکہ کچھ عرصہ تک اضافۂ نرخ کا انتظار کرے لیکن اس کو اور بہت سے کام کرنے ہیں اسکے پاس اتنا وقت کہاں کہ بار بار آئے۔ اور وہ اکثر مال لاتا بھی اسی وقت ہے جبکہ اسکو روپیہ کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ پس نرخ جو کچھ بھی ہو۔ وہ مال فروخت کر ہی دیتا ہے۔ اور اگر مال بازار لانے کے بجائے گاؤں میں کسی تاجر کو دے ڈالے تو اس کو یہ بھی خبر نہ ہوگی کہ نرخ بازار کیا ہے۔ اور تاجر ضرور اُس کو قیمت مناسب سے کچھ کم ہی دیگا۔ البتہ اگر گاؤں یا اُس کے قرب وجوار میں متعدد تاجر ہوں تو ان میں سے ہر ایک زیادہ مال خریدنے کی کوشش کریگا اور مقابلہ کے جوش میں قیمت بڑھائیگا۔ اس طرح پر کاشتکاروں کا بھلا ہوجائیگا لیکن بدقسمتی سے ہندوستان کے کاشتکاروں کو ایسے موقعے کم میسر آتے ہیں گاؤں میں یا تو تاجر ہی ایک ہوتا ہے یا چند ہوں بھی تو آپس میں جتھا کرلیتے ہیں۔ یا کاشتکار کسی نہ کسی تاجر کے قرضدار ہوتے ہیں اور دباؤ کی وجہ سے دوسرے تاجروں کے ہاتھ مال فروخت نہیں کرسکتے۔

اوپر کے بیان سے ایسا معلوم ہوگا کہ تاجروں کو بہت کچھ اقتدار حاصل ہے اور نرخ بازار سے بہت کم قیمت پر مال خرید سکتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ لیکن کسی ایک حد تک۔ چنانچہ جب طالب علم ہندوستان کی قیمتوں کی تاریخ پر نظر دوڑائیگا۔ تو اس کو درج شدہ قیمتوں اور فصلی قیمتوں میں بہت فرق نظر آئیگا۔ قسم آخرالذکر سے مراد وہ قیمتیں ہیں جن پر کاشتکار فصل کے وقت اپنا مال تاجر کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے۔ یہ فرق برابر گھٹ رہا ہے۔ یعنی اب کاشتکاروں کو بہ مقابل سابق نرخ بازار کے قریب تر قیمت ملنے لگی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ فرق معاشئین اور علم الاعداد کے ماہروں

باب چہارم
فصل ۲۸

کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے جبکہ وہ اس آمدنی کی تحقیقات کریں جو ملک کو زراعت سے حاصل ہوتی ہے۔

کمترین قیمت کی حد۔

یہ صحیح ہے کہ نرخ بازار سے کمتر قیمت پر تاجر گاؤں میں مال خرید لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ گیہوں یا اور کوئی غلہ مفت نہیں لے سکتے۔ بلکہ جس قدر کم قیمت وہ دیں گے اس کی بھی ایک حد ہے اس سے کم وہ بھی نہیں دیسکتے معاشیات میں یہ حد ایک اہم مسئلہ سمجھی جاتی ہے۔ اور ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

اس باب کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کاشتکار صرف اپنے گھر کے خرچ کے واسطے غلہ پیدا کرے تو وہ اس حد تک کاشت کریگا کہ پیداوار کا افادہ اور کاشت میں جو دشواری برداشت کرنی پڑے اس کا اعدام افادہ برابر ہو جائے جب وہ بازار کے واسطے غلہ پیدا کرے تب بھی حد پیدایش اس افادہ اور اعدام افادہ کے توازن سے قرار پاتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ بحالت اول پیداوار کے افادہ کا دشواری پیدایش کے اعدام افادہ سے موازنہ کیا جاتا ہے اور بحالت دوم اس زر کے افادہ سے جو پیداوار کی قیمت میں وصول ہو۔ جس کاشتکار نے ایک ایکڑ زمین کاشت کی ہو اور جس کو اندیشہ ہو کہ پیداوار کی قیمت ان دشواریوں کا کافی معاوضہ نہ ہوگی جو کاشت میں اس کو برداشت کرنی پڑیں تو وہ بیچارہ سوائے اس کے اور کیا کر سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جس قدر قیمت بھی مل سکے لے لے لیکن جب دوسری فصل آئیگی تو وہ اس قدر زمین کاشت نہ کریگا یا تو وہ کاشت بالکل ترک کر دیگا۔ یا کم از کم غلہ کی وہ مقدار پیدا نہ کریگا جس کے واسطے سب سے زیادہ دشواری اٹھانی پڑتی ہو۔ پس اگر گیہوں کا نرخ بہت

باب چہارم
فصل ۲۸

ادنیٰ ہوجائے تو یہ خیال کرکے کہ پورے پورے دام وصول نہیں ہوتے کاشتکار گیہوں کی کاشت کم کردیں گے - اب کاشتکار اپنا غلہ خواہ گاؤں میں تاجر کے ہاتھ فروخت کریں یا بازار میں لاکر - بہ ہرصورت گیہوں کی رسد بہت گھٹ جائیگی - اور اگر تاجروں کو زیادہ غلہ خریدنا مقصود ہو تو چاہیئے کہ وہ نرخ بڑھادیں تاکہ آئندہ زیادہ گیہوں کاشت ہو - پس اگر تاجر کو خریدنے میں کسی سے مقابلہ نہ بھی کرنا پڑے تو اس کو چاہیئے کہ کاشتکاروں کو غلہ کی واجبی قیمت دے - اگر وہ نرخ بہت گھٹا دیگا تو کاشتکار بھی گیہوں کم بوئینگے اور جب تاجر کو فروخت کے واسطے کم مال ملیگا تو اس کو نقصان پہنچے گا - نرخ بازار بہت گھٹ جائے اور تاجروں کو کم مال مطلوب ہو تو قیمت کی کمی کی وجہ سے دیہات میں کاشتکار کاشت بھی گھٹادیں گے اور اگر نرخ بازار بڑھا چڑھا رہے تو کاشتکار اعلیٰ قیمت کے لالچ سے کاشت بڑھا دیں گے اور زیادہ زیادہ غلہ پیدا ہوگا - کسی فصل میں کتنے رقبہ پر کوئی چیز کاشت ہوتی ہے - اس کا دار و مدار کئی باتوں پر ہے - جن میں سے ایک قیمت متوقعہ بھی ہے - پس رقبہ زیر کاشت کی توجیہہ محض قیمت سے نہیں ہو سکتی - البتہ ایسی چیزوں کی کاشت میں جیسے کہ گیہوں، نیشکر روئی جو محض فروخت کی خاطر پیدا کی جاتی ہیں - رقبہ زیر کاشت اور قیمت حاضرہ میں ضرور صاف تعلق نظر آتا ہے -

اوپر واضح ہو چکا ہے کہ گو مال پیدا اور صرف کرنے والوں میں سے کوئی فریق بھی براہ راست بازار کے کار و بار میں حصہ نہیں لیتا - تاہم تھوک فروش بازاروں میں بھی قیمت پر ان کے رجحان کا بہت اثر پڑتا ہے - صرف کرنے والوں کی طلب میں جو تبدیلیاں ہوں

ان کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اور جو قیمت کہ مال پیدا کرنے والے کے پلہ پڑے اسی پر رسد کا بیشتر دار و مدار ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بازاروں کے تاجروں کو خواہ یہ خبر نہ ہو کہ دور دراز دیہات میں کاشتکاروں کو کیا قیمت دی جا رہی ہے۔ تاہم وہ اس بات کو خوب تحقیق کر لیتے ہیں کہ کتنا رقبہ کاشت ہوا ہے۔ کیونکہ صرف اسی کی بنا پر تو رسد کا اندازہ ہو سکتا ہے اگر ان کو پتہ چلے کہ رقبۂ کاشت گھٹ گیا ہے۔ تو وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ رسد کم ہونے کی وجہ سے قیمت متوازنہ ضرور بڑھ جائیگی۔ اخباروں میں گیہوں روئی وغیرہ کے رقبہ کاشت و پیداوار کے متعلق جو تخمینے وقتاً فوقتاً منجانب سرکار شائع ہوتے ہیں۔ غالباً طلباء کی نظر سے گزرتے ہونگے بازاروں کی خاطر یہ تخمینے تیار کرائے جاتے ہیں۔ اور ان کو خوب مشتہر کردیا جاتا ہے تاکہ سب تاجروں کو اطلاع ہو جائے اور سب سوچ سمجھکر کار و بار کریں۔

پس معلوم ہوا کہ تھوک فروش بازار میں کار و بار کرنا کوئی آسان بات نہیں فروشندوں میں کچھ تو خود مال پیدا کرنے والے یا ان کے گماشتے ہوتے ہیں جو درحقیقت مال نکالنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ تاجر ہوتے ہیں جنکو مال فروخت کرنے کی کچھ زیادہ فکر نہیں اور نہ وہ اپنے ذخیروں کا پتہ دیں۔ قیمت دیکھ کر مال فروخت کرتے ہیں۔ یہی حال خریداروں کا نظر آتا ہے۔ ان میں کچھ تو تاجر ہیں جو دوسروں کے ہاتھ مال فروخت کرڈالتے ہیں۔ کچھ لوگ مال خرید کر اپنے صرف میں لاتے ہیں۔ کچھ دکان دار خریدا ہوا مال خردہ فروشی کے طریق سے بیچتے ہیں۔ فروشندے اور خریدار سب ذرا ذرا خبر رکھتے ہیں کہ رسد و طلب میں کیا کیا تبدیلیاں ہونے

باب چہارم
فصل ۲۰

کے قرائن ہیں - اور آج نرخ کیا رہیگا - کل کیا - ایک ہفتہ بعد کیا بلکہ ایک دو ماہ بعد کیا یہ سب اندازہ لگاتے رہتے ہیں - دوسرے کاروباری لوگوں کی رائے بھی معلوم کرتے رہتے ہیں - اور جس جس نرخ سے سودا ہو ان سب کی خبر رکھتے ہیں - جو لوگ ٹھیک ٹھیک انداز کرسکیں کہ آیندہ قیمتیں کیا کیا رہیں گی ان کے تو پو بارے ہیں - کار و بار سے انکو بہت کچھ منافع حاصل ہوگا - اور جو اندازے میں غلطی کریں ان کا دیوالہ نکل جائے تو عجب نہیں - باقی جو لوگ درمیانی حالت میں ہوں ان کو کچھ نہ کچھ منافع مل رہیگا - اکثر ملکوں میں بڑے بڑے بازاروں کا حال طلبا کو بہ آسانی معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے متعلق بہت سے اخباروں میں کافی تفصیل شائع ہوتی ہے - کلکتہ یا بمبئی کے اخباروں سے گیہوں روئی سن اور چاء کے بازاروں کا کم وبیش حال معلوم ہوسکتا ہے - لیکن شمالی ہندوستان کے انگریزی اخبار اور اکثر دیسی زبانوں کے اخبار ایسی معلومات کم شائع کرتے ہیں -

توازن بازار کا خلاصہ

یہ تو سچ ہے کہ تھوک فروش بازاروں کا کار و بار ٹیڑھی کھیر ہے لیکن پیچیدگیاں جو کچھ بھی ہوں - سب بازاروں کی عام خصوصیت یہی ہے کہ کار و باری لوگ رسد و طلب کی حالت پر نظر جمائے رہتے ہیں ہر ایک کو یہی فکر لگی رہتی ہے - کہ فلاں فلاں نرخ سے لوگ کتنا مال فروخت کرنا پسند کریں گے اور کتنا خریدنا - اسی واقفیت کی بنا پر وہ انداز لگا سکتے ہیں کہ قیمت متوازنہ کیا ہوگی - یعنے کس نرخ سے لوگ اتنا ہی مال فروخت کریں گے - جتنا کہ دوسرے لوگ خریدیں یا یوں کہئے کہ کس قیمت پر رسد و طلب میں توازن قائم ہو جائیگا

یعنی ہر دو مقدار ایک دوسرے کی برابر ہوں گی ۔ اور قیمت متوازنہ کا باب چہارم
جس قدر صحت کے ساتھ اندازہ کیا جائے گا اتنا ہی کار وبار میں منافع فصل ۲۸
ہو گا ۔

فصل انتیس

معمولی توازن

اوپر کی بحث سے واضح ہوا کہ خردہ فروشی کے نرخ۔ یعنی وہ نرخ جن سے عام صرف کرنے والوں کو سابقہ پڑے بہت کچھ ان نرخوں سے متعلق ہیں جو تھوک فروش بازاروں میں قرار پائیں۔ اور تھوک فروشی کے نرخ بازار کی خبروں اور کاروباری لوگوں کی راؤں کے اثر سے برابر تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اگرچہ خردہ فروشی اور تھوک فروشی کے نرخ گھٹتے بڑھتے ہیں تاہم عام تجربہ ہے کہ صرف کرنے والوں کی نظر میں اُن چیزوں کی قیمتوں کے کچھ معیار مقرر ہوتے ہیں۔ جن کو خریدنے کے وہ عادی ہیں۔ جب قیمت اس معیار سے بڑھ جائے تو اعلیٰ کہلاتی ہے اور گھٹ جائے تو ادنیٰ صرف کرنے والوں کی طرح کاروبار والے بھی قیمتوں کے معیار مانتے ہیں ایسی قیمتوں کو **معمولی قیمت** کہہ سکتے ہیں یا معیاری قیمت۔ یہ وہ قیمتیں ہیں جو بازار میں اکثر قائم رہتی ہیں جو قیمتیں ان سے کم و بیش ہوں وہ مستثنےٰ شمار ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی ان ہی کی جانب رجوع ہوتی رہتی ہیں پس جب کوئی قیمت غیر معمولی کہی جائے تو مراد یہی ہے کہ وہ معیار سے کم ہے یا زیادہ مثلاً شمالی ہندوستان میں

باب چہارم
فصل ۲۹

لوگ گیہوں کی معمولی قیمت سولہ سیر فی روپیہ خیال کرتے ہیں۔ اگر ایک روپیہ میں سولہ سیر سے کم ملیں تو قیمت گراں کہلاتی ہے۔ اور اگر زیادہ ملیں تو ارزاں۔

معمولی قیمت کی تبدیلی

معمولی قیمت کی بحث بھی معاشیات میں بہت توجہ طلب مانی جاتی ہے۔ آگے چلکر ہم کو یہی دیکھنا ہے کہ وہ کیونکر قرار پاتی ہے اور بازاری قیمت سے اس کا کیا تعلق ہے۔ لیکن یہ اول ہی سمجھ لینا چاہئے کہ قیمت خواہ معمولی ہو خواہ بازاری وہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً بعض مقامات میں گیہوں کی معمولی قیمت آج کل سولہ سیر فی روپیہ ہے مگر اس کی تجارت پھیلنے سے قبل یہی معمولی قیمت بیس سیر فی روپیہ تھی۔ چنانچہ ابتک بعض بوڑھے لوگ بیس سیر فی روپیہ تو معمولی قیمت خیال کرتے ہیں اور سولہ سیر فی روپیہ کو بہت اعلےٰ قیمت قرار دیتے ہیں۔ ان کو ابتک اسی معیار کا خیال چلا جاتا ہے۔ جو ان کے بچپن میں تھا۔ یہ خبر ہی نہیں کہ اب معیار بدل گیا ہے۔ لیکن عام لوگ آج کل بیس سیر فی روپیہ کو ازحد اونی قیمت مانتے ہیں۔ پس فرق یہ ہے کہ قیمتیں تو دونوں قسم کی بدلتی ہیں۔ مگر بازاری قیمت جلد جلد بدلتی ہے حتیٰ کہ ہر ہر گھنٹہ کے بعد اور معمولی قیمت دیر دیر سے اور بتدریج تبدیل ہوتی ہے

قیمت کے مصارف پیدائش سے گھٹنے کا نتیجہ

معمولی قیمت کی ماہیت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس گذشتہ بحث کو بھی پیش نظر رکھیں کہ مال پیدا کرنے والے پیداوار یا اس کی قیمت کے افادہ کا اُس اعدام افادہ سے کیونکر موازنہ کرتے ہیں جو اُن کو پیدائش کی دشواری کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے اس مسئلہ پر

باب چہارم
فصل ۲۹

زیادہ گہری نظر ڈالنی ہو تو کسی ایسی صنعت و حرفت کی مثال لو جو گیہوں کی کاشت کے مانند کثرت و قلت پیداوار کے باب میں موسم کی عمدگی یا خرابی پر منحصر نہ ہو۔ کاشتکار کو ستمبر اور نومبر کے درمیان یہ طے کرلینا پڑتا ہے کہ کس قدر گیہوں کاشت کرتا ہے۔ نومبر کے بعد تو گیہوں بویا نہیں جا سکتا گیہوں کے بجائے ہم دیسی کپڑے کی مثال لیتے ہیں جس کو جولاہا سال بھر دستی کرگھے سے بنتا رہتا ہے فرض کرو کہ کپڑے کا ایسا نرخ ہے کہ کل لاگت یعنے سوت وغیرہ کی قیمت نکلنے کے بعد جولاہے کی گذر کے لائق دام بچ رہتے ہیں۔ ہم نے جو کہا کہ گذر کے لائق۔ آگے چلکر اس جملہ کے ٹھیک ٹھیک معنی بھی خاص طور پر مطالعہ کرنے ہونگے۔ یہاں سر دست اس قدر جاننا کافی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے کے واسطے روٹی اور پہننے کے واسطے کپڑا کنبے بھر کو مل جائے۔ کچھ رسمی ضروریات بھی میسر ہوتی رہیں مگر نہ تو کچھ پس انداز ہو سکے اور نہ خرچ بڑھانے کی گنجایش ہو۔ فرض کرو کہ کپڑے کی بازاری قیمت اس قدر گھٹ جائے کہ نوربافوں کو گذر کرنی مشکل ہو۔ جتنا کپڑا تیار موجود ہو اس کو فروخت کئے بغیر تو چارہ نہیں خواہ قیمت کچھ ہی ملے۔ بلکہ عجب نہیں کہ قیمت گھٹنے پر شروع میں کچھ روز نورباف کپڑے کی بنائی جاری رکھیں اور یا تو اپنا خرچ گھٹا دیں یا قرض دار بن جاویں۔ لیکن اگر مدت تک قیمت یوں ہی گھٹتی رہے تو نورباف کب تک گذر کر سکیں گے کچھ عرصہ بعد قرض ملنا بھی بند ہو جاویگا اور فاقہ کشی کی نوبت آجائے تو عجب نہیں۔ یہ تو ان کو علم نہیں کہ نرخ کیونکر قرار پاتا ہے

باب چہارم فصل ۲۹

مگر وہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ اس نرخ پر کاروبار چلانا ممکن نہیں۔ پس یا تو کپڑا بننے کے علاوہ یا اس کے بجائے کوئی اور کام شروع کردینگے تاکہ بسر اوقات کی صورت پیدا ہو۔ سب کا طرز عمل اس معاملہ میں یکساں نہ ہوگا۔ کچھ نورباف جن کا کرگہ بھی پورانا اور بوسیدہ ہو چکا ہے۔ بنائی چھوڑ کر گاؤں یا قصبہ میں محنت مزدوری شروع کریں گے کچھ نوجوان قرب و جوار کے شہروں میں نکل جاویں تو عجب نہیں بہت سے دفع الوقتی کے طور پر کچھ نہ کچھ بنتے رہیں گے۔ اور جب مزدوروں کی ضرورت پڑے گی اور اجرت بڑھے گی تو وہ کرگھے چھوڑ چھوڑ کر مزدوری کے کاموں سے جا لگیں گے۔ مثلاً فصل کاٹنے اور سنگوانے میں شریک ہو جائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس تبدیلی کے بعد کپڑے کی پیداوار گھٹ جائیگی اول تو کمتر نورباف کپڑا بنیں گے اور جو یہ کام کریں گے بھی تو اکثر اوقات اس کو چھوڑ چھوڑ کر اور دوسرے کاموں سے لگ جائیں گے۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ بازار میں کپڑا کم آئیگا یعنی اس کی رسد گھٹ جائیگی۔ لیکن مناسب بھی یہی ہے۔ کہ کپڑے کی رسد میں تخفیف ہو تاکہ بازاری قیمت میں اضافہ ہو۔ اور بالعموم رسد میں تخفیف ہونے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ یعنی بازاری قیمت بڑھ جاتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ عرصۂ دراز تک کسی چیز کی قیمت اس قدر گھٹی رہے کہ اس کے پیدا کرنے والوں کی گذر نہ ہو سکے۔ اگر قیمت زیادہ گھٹی تو تھوڑے دنوں بعد اس چیز کی رسد میں ضرور کمی آ جائیگی۔ اور جب یہ نوبت پہنچے تو بازاری قیمت میں پھر اضافہ ہوگا۔

قیمت کے مصارف پیدائش سے بڑھنے کا نتیجہ

اب اگر اس کے برعکس حالت تصور کرو۔ یعنی کپڑے کی قیمت اس

قدر بڑھ جائے کہ نور باف مالا مال ہو جائیں۔ خوب کمائیں اور لطف اُٹھائیں۔ اب اس خوش حالی کے دو نتیجہ ہو سکتے ہیں اگر نور باف روپیہ جوڑنے یا خرچ بڑھانے کے شایق ہیں تو وہ اور بھی زیادہ کپڑا تیار کرینگے اور اگر ان کو روپیہ جوڑنے یا خرچ بڑھانے کی پرواہ نہ ہو اور آرام کا شوق ہو تو وہ بہ مقابل سابق کپڑا کم بنیں گے تاکہ آرام کا موقع زیادہ ملے۔ اب دونوں نتائج پر جدا جدا غور کرنا چاہیئے۔

مغربی ممالک یعنی یورپ اور امریکہ میں تو نتیجہ اول نمودار ہوگا اور ان ممالک کے معاشیین کو نتیجہ دوم کا خیال بھی نہ آئیگا۔ جہاں لوگوں کو روپیہ کمانے اور اپنی مالی حالت سدھارنے کا شوق ہوتا ہے وہاں ایسے موقع پر کار و باری مصروفیت اور بھی بڑھ جاتی ہے ایسے ممالک میں تو کپڑے کی قیمت اس قدر بڑھنے پر نورباف اور بھی زیادہ وقت تک کام کریں گے۔ اپنے کنبے سے کام میں زیادہ مدد لیں گے۔ اور جن کے کرگھے پرانے یا فرسودہ ہیں وہ نئے نئے کرگھے خرید کر کام جاری کردیں گے پس کپڑے کی رسد میں اضافہ ہوگا اور ساتھ ہی قیمت میں کچھ تخفیف ہو جائیگی۔

لیکن ہندوستان اور بعض دیگر ممالک کے متعلق یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ قیمت بڑھنے کا یہی نتیجہ نمودار ہوگا یعنے کار و بار میں زیادہ مصروف ہو جائیں گے بعض لوگوں کو آرام یا یوں کہو کہ بیکاری زیادہ مرغوب ہوتی ہے اور وہ روپیہ جوڑنے یا خرچ بڑھانے کے خواہاں نہیں ہوتے۔ اور جب وہ کمائی بڑھتی دیکھیں گے تو کام میں اضافہ کرنے کے بجائے وہ اس کو اور بھی کم دیں گے۔ بقدر ضرورت

کمائیں گے اور باقی وقت آرام اور چین سے بسر کرینگے گویا کپڑے کی رسد گھٹ جائیگی۔ اور جب وہ گھٹی تو ظاہر ہے کہ قیمت میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ گویا اضافہ قیمت مزید اضافہ کا باعث ہوگا۔ ایسی حالت میں بازار کی جو رفتار ہوگی۔ اس کی تشریح سمجھنے کے واسطے معاشیات کی زیادہ معلومات درکار ہے یہ بحث مبتدی کی سمجھ سے باہر ہے لہذا بطور استثنا ہم اس کو یہیں ختم کئے دیتے ہیں۔ سر دست طلباء یہ فرض کریں کہ جب کپڑے کی قیمت یوں بڑھے گی تو نور باف زیادہ کمائی کے شوق میں کام بھی زیادہ کریں گے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کچھ لوگ اس طرح کام بڑھا دیں۔ اور کچھ زیادہ کمائی کی پرواہ نہ کریں اور کام گھٹا دیں تو قیمت کی روش اس سے مختلف ہوگی جو اس حالت میں دکھائی گئی ہے جبکہ سب کے سب نوربات روپیہ کے شوق میں کام زیادہ زیادہ کرنے لگیں۔ پس یہ فرض کرنا مقصود نہیں کہ فرداً فرداً ہر ایک نورباف کام میں اضافہ کردیگا۔ بلکہ مفروضہ صرف یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی رسد میں اضافہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ قیمت بڑھنے پر کچھ تو کام کم کردینگے۔ اور آرام زیادہ لیں گے۔ بعض پر کچھ اثر نہ ہوگا جتنا کام پہلے کرتے تھے اب بھی اتنا ہی کئے جائیں گے اور بعض کمائی کے شوقین کام اور بھی پھیلا دیں گے۔ اور مفروضہ یہ ہے کہ ان آخرالذکر نور بافوں کی پیداوار کا اضافہ اول الذکر کی پیداوار کی تخفیف سے بڑھا رہیگا اور بہ حیثیت مجموعی زیادہ کپڑا تیار ہوگا۔

قیمت اور مصارف پیدائش کا تعلق

یہ مفروضہ آج کل شمالی ہندوستان پر اگر پورا پورا نہیں تو بہت کچھ ضرور صادق آتا ہے کہ کسی چیز کی قیمت بڑھنے سے اس کی پیداوار اور

باب چہارم فصل ۲۹

رسد میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر بازاری قیمت پھر گھٹ جاتی ہے۔پس واضح ہوا کہ پیدایش دولت کے دوسرے دور میں جس کو دست کاروں کا دور بھی کہتے ہیں۔اور جس کا اس کے قبل بیان ہو چکا ہے۔ **بشرطیک رنگی حالات**۔ ایک ایسی قیمت ضرور قرار پا جاتی ہے جس کو معمولی قیمت کہتے ہیں۔ اور اگر بازاری قیمت اس سے انحراف اور تجاوز کرے بھی تو مال تیار کرنے والوں کے طرز عمل سے وہ قیمت پھر اسی حد پر آ جاتی ہے جو کہ معمولی قیمت شمار ہوتی ہے۔اگر قیمت اُترتی ہے تو پیداوار ساتھ گھٹتی ہے اور اگر قیمت چڑھتی ہے تو پیداوار بھی بڑھ جاتی ہے قیمت کا میعار وہ مقدار ہوگی کہ جس پر دستکار لوگ اپنی گذر کرسکیں یعنی مال کی لاگت اور آلات و اوزار خرید نے اور درست کرانے کے مصارف منہا کرنے کے بعد مال کی قیمت میں سے اتنی مقدار بچ رہے کہ دستکاروں کی بسر اوقات ہو جائے اور تنگدستی محسوس نہ ہو۔

اوپر ایک جملہ جلی خط میں لکھا گیا ہے۔ **بشرطیکرنگی حالات**۔یہ جملہ بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔اگر اس مفروضہ کو نظر انداز کردیا جائے تو یہ مغالطہ ہو سکتا ہے کہ گویا معمولی قیمت ہمیشہ وہی ایک رہتی ہے۔ کبھی تبدیل نہیں ہوتی حالانکہ یہ خیال غلط اور خلاف واقعہ ہوگا حالات بدلتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ معمولی قیمت میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں چنانچہ آگے چلکر یہ واقعہ واضح ہو جائیگا۔ رسد و قیمت کے باہمی تعلق اور معمولی قیمت کے تعین کے باب میں ایک نتیجہ اوپر اخذ ہوا یعنی یہ کہ رسد اور قیمت میں معکوس تبدیلیاں ہونے سے معمولی قیمت برقرار رہتی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ نتیجہ پیدایش کے صرف دوسرے دور پر

باب چہارم
فصل ۲۹
کارخانوں کی مثال

عاید ہوتا ہے یا تیسرے دور یعنی کارخانوں کے دور پر بھی صادق آتا ہے:
چند کارخانے گڑ خرید کر شکر بناتے ہیں اور ایک ہی بازار میں اپنا مال بھیجتے ہیں ۔ اور بہ نظر سہولت فرض کرو کہ گڑ سے شکر بنانے میں جو شیرہ نکلتا ہے اس کی فروخت سے منافع پر کچھ اثر نہیں پڑتا ہے یعنی کمی بیشی نہیں ہوتی دستکاروں کی طرح کار خانوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان کا گذر ہو سکے عجیب سا معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ کارخانوں کے باب میں یوں کہتے ہیں کہ معمولی قیمت کا معیار مصارف پیدایش کے لحاظ سے قرار پاتا ہے لیکن غور کرنے پر واضح ہوگا کہ یہ معیار بھی اسی معیار کے مطابق ہے کہ جو دستکاروں کے بیان میں بسر اوقات کے نام سے قرار پا چکا ہے ۔ مصارف پیدایش سے لاگت کی بہت سی مدوں کا مجموعہ مراد ہے ۔اس اصطلاح کا پورا پورا مفہوم تو کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد واضح ہوگا ۔ سردست یہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں لاگت کی مندرجہ ذیل مدیں داخل ہیں ۔

(۱) پیداوار خام اور ایندھن کی قیمت یعنی ان چیزوں کی قیمت جو مال و سامان تیار کرنے میں صرف ہوں ۔مثلاً جوتے کے کارخانہ میں چمڑا سوت اور لوہا وغیرہ جو جوتوں میں لگے پیداوار خام شمار ہوگا ۔

(۲) کارخانے کی عمارت اور کلوں کی مرمت و تجدید کا خرچ ۔

(۳) کل ملازموں اور مزدوروں کی تنخواہ اور اجرت ۔

(۴) آجر یا کارخانہ دار کا منافع ۔

پہلی تین مدوں کا مفصل حساب ہر کارخانہ میں تحریر ہوتا ہے اور

باب چہارم
فصل ۲۹

اگر ایک من شکر کے مصارف پیدایش دریافت کرنے ہوں تو اس کا طریق یہ ہے کہ کسی مدت میں جس قدر رقم خرچ ہوئی ہو اور جتنے من شکر تیار ہوئی ہو ان کی تعداد معلوم کرلے اور اول الذکر کو آخرالذکر سے تقسیم کردے۔ حاصل تقسیم ایک من شکر کی لاگت ہوگی۔ اس میں بعد کو آجر کے منافع کی مناسب مقدار اور شامل کردی جائے تو یہ مجموعہ گویا مصارف پیدایش شمار ہوگا اس آخری مد یعنے منافع پر ابھی غور کرنا باقی ہے۔ آگے چلکر تقسیم دولت کے تحت میں منافع کی ماہیت سے بحث کی جائیگی۔ لیکن اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ کوئی شخص بلا وجہ کارخانہ کیوں چلائیگا۔ وہ جو کارخانے میں روپیہ لگاتا ہے اور کوشش کرتا ہے تو اسی امید پر کہ کچھ آمدنی حاصل ہو اور اسی آمدنی کا نام منافع ہے۔

شکر سازی کے ایک ایسے کارخانے کی مثال لو کہ جس کو کار و بار میں نہ کوئی خاص دقت پیش آتی ہو اور نہ کوئی خاص سہولت میسر ہو۔ یعنے جو کارخانوں کا نمونہ شمار ہو سکے۔ فرض کرو کہ من بھر شکر کی تیاری میں آٹھ روپیہ توگرہ سے خرچ ہوں اور ایک روپیہ کارخانہ دار اپنا منافع لگائے توگویا مصارف پیدایش نو روپیہ من ہوئے۔ مناسب منافع سے ایسی مقدار مراد ہے کہ جس پر کارخانے دار قانع ہو سکیں۔ نہ وہ ان کی توقع سے بہت کم ہو اور نہ زیادہ۔ جب اس قدر منافع ملتا ہے توکارخانہ داروں کو نہ تو یہ افسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کام میں رقم کیوں لگائی۔ کوئی اور کار و بار کرنا بہتر ہوتا اور نہ وہ اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ اس کام میں اور زیادہ

باب چہارم فصل ۲۹

روپیہ لگائیں بلکہ جس پیمانہ پر کام جاری ہو اس کو برقرار رکھتے ہیں۔ پس اگر شکر کا نرخ نو روپیہ من ہو تو گویا مصارف پیدائش ملتے رہیں گے اور کارخانہ دار اگر بہت خوش نہ ہوں تو ان کو شکایت بھی نہ ہوگی۔ بس مناسب منافع ملتا رہیگا۔ اب اگر شکر کا نرخ گھٹ کر آٹھ روپیہ من رہ جائے تو منافع کل کا کل غائب ہوجائیگا۔ کارخانہ دار نقصان کے خوف سے مال کم تیار کرینگے اور جب مال کی رسد گھٹی تو یہ امید ہو سکتی ہے کہ قیمت پھر اس درجہ چڑھ جائے کہ کارخانہ داروں کو مناسب منافع ملنے لگے۔ اگر یہ خیال ہو کہ شکر کی ارزانی محض چند روزہ ہے تو کارخانہ دار پیداوار میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ مال تو اتنا ہی تیار ہوتا رہیگا جتنا کہ قبل ارزانی تیار ہوتا تھا البتہ بہ مقابل سابق اس کا بیشتر حصہ تو گودام میں روک لیا جائیگا اور کمتر مقدار بازار میں آئیگی۔ تاکہ تخفیف رسد سے قیمت بڑھے تو باقی رُکا ہوا مال بھی فروخت کیا جائے۔ یہ تو کوئی عجیب بات نہیں۔ مال فروخت کرنے میں تاجر بھی یہی ترکیب چلتے ہیں لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ پیداوار ہی گھٹا دی جائے۔ اس کے کئی طریق ہیں کارخانے بند کرنا تو ضرور نہیں یا تو کام کا وقت گھٹا دیا جائے یا کچھ کلیں روک دی جائیں یا اس وقت تک جو کام میں جلدی ہو رہی تھی اس کو ترک کردیا جائے کارخانے کے مینجر یا منتظم کو یہ جاننا بھی فرض ہے کہ کساد بازاری کے وقت مال کی پیداوار کس طریق سے کم کرنی چاہیئے۔

پس اگر قیمت مصارف پیدائش سے بھی گھٹ جائے تو کارخانہ دار کوئی ایسی ترکیب ضرور نکالیں گے کہ قیمت میں پھر اضافہ ہو فرق

باب چہارم
فصل ۲۹

صرف اتنا ہے کہ کارخانہ دار یہ ترکیب جان بوجھ کر چلیں گے اور وہ غریب نورباف جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں یہ ترکیب انجان پنے میں خود بخود کر گذریں گے۔ مگر نتیجہ ہر دو صورت میں وہی نمودار ہوتا ہے یعنی رسد میں تخفیف ہونے سے بازار میں قیمت اُسی قدیم مقدار تک چڑھ جاتی ہے۔ اب فرض کرو کہ شکر کی قیمت اتنی چڑھے کہ دس روپیہ من ہو جائے کارخانہ دار ایک روپیہ من منافع پر قانع تھے مگر اب تو ان کو دو روپیہ من منافع ملنے لگا ممکن تھا کہ آرام کے شایق دستکار ایسی حالت میں پیداوار کم کر دیتے مگر کارخانہ دار تو منافع کے بڑے لالچی ہوتے ہیں۔ جب وہ قیمت چڑھتی دیکھیں گے تو زیادہ سے زیادہ مال تیار کرکے نکالیں گے تاکہ جتنا منافع ملنا ممکن ہو ملجائے جتنا مال تیار موجود ہے وہ سب فروخت کرڈالیں گے اور ساتھ ہی ساتھ مال کی پیداوار بھی بڑھائیں گے۔ کام کے اوقات میں توسیع کرینگے۔ اور جلد جلد کام کرائیں گے پس قیمت کے زیادہ بڑھنے پر رسد بھی بڑھے گی اور اضافہ رسد کے ہاتھوں قیمت میں پھر تخفیف ہوجائیگی

پس کارخانوں کے دور میں یہ معمولی قیمت خوب معیار کا کام دیتی ہے۔ اگر اس حد سے قیمت بڑھے یا گھٹے تو خود کارخانہ دار وہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں کہ قیمت پھر اسی حد پر آرہتی ہے۔ پس دستکاروں اور کارخانوں کے دور میں تغیر و قیام قیمت کے لحاظ سے کوئی بڑا فرق نہیں اگر ہے تو صرف اس قدر کہ کارخانوں کا حساب زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے اور ان کے باب میں معمولی قیمت کی بنا مصارف پیدایش کہلاتی ہے۔ اور دستکاروں کے باب میں ضروریات زندگی قیمت

کی بنا شمار ہوتی ہیں۔ لیکن اگر نظر غور سے دیکھو تو دستکاروں کی آمدنی میں سے چیزوں کی اصلی لاگت منہا کرنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے اس کا ایک حصہ تو گویا اس کی محنت کی اجرت ہوتا ہے اور باقی کار و بار چلانے کا منافع۔ پس اس کے متعلق بھی یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مصارف پیدایش کی بنا پر معمولی قیمت قرار پاتی ہے۔ اوپر کی کل بحث کا لب لباب ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

اگر کسی چیز کی پیدایش اجارہ کی پابند نہ ہو تو مصارف پیدایش کے قریب قریب معمولی قیمت قرار پاتی ہے اور جب تک پیدایش اور صرف کی حالت نہ بدلے وہ بر قرار رہتی ہے۔ بازاری قیمت میں البتہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن وہ بھی جہاں معمولی قیمت سے جدا ہوئی رسد میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں کہ وہ پھر اس کے قریب آرہے گویا بازاری قیمت بھی ہر انحراف کے بعد معمولی قیمت کی طرف عود کرتی ہے

جبکہ پیدایش کسی اجارہ کی پابند ہو تو پھر حالت کچھ اور نظر آئیگی لیکن یہ بحث یہاں چھیڑنی قبل از وقت ہوگی۔ اس کو سر دست ملتوی رکھنا بہتر ہے۔ معاشیات کے کچھ مطالعہ کے بعد طالب علم اس کو اچھی طرح پر سمجھ سکیں گے۔

مصارف اور لاگت

پیدایش یا صرف کی حالت بدلنے سے جو معمولی قیمت میں تغیر تبدل ہوتا ہے۔ اسی کو ہم اگلی فصل میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بہ کچھ اصطلاحات کی تشریح یہاں برمحل معلوم ہوتی ہے تاکہ آیندہ بحث سمجھنے میں مغالطہ نہ ہو۔ انگریزی میں دو مرادف اصطلاحیں رائج ہیں ان میں سے ایک کو **مصارف پیدایش**۔ دوسری کو **پیداوار کی لاگت**

باب چہارم
فصل ۲۹

سے تعبیر کر سکتے ہیں معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ اسی طرح دو ہم معنی اصطلاحیں اور ہیں۔ ایک کو **معمولی قیمت** کہہ سکتے ہیں۔ دوسری کو **قدرتی قیمت**۔ ان دونوں اصطلاحوں میں اب اول الذکر زیادہ مروج ہے۔ لفظ قدرتی کے اور بھی کئی معنی ہوتے ہیں۔ اس سلئے دوسری اصطلاح نہ چل سکی۔

جس انگریزی اصطلاح کو ہم پیداوار کی لاگت سے تعبیر کرتے ہیں اس کے بھی انگریزی میں دو معنے ہو سکتے ہیں۔ یا تو پیدایش کی دشواری جس کو اعدام افادہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یا وہ رقم جو اس اعدام افادہ کے توازن کے واسطے ادا کرنی پڑتی ہے۔ یعنے اس لئے دینی پڑتی ہے کہ پیدایش دولت میں جو دشواری پیش آتی ہے لوگ اس کو برداشت کریں۔ انگریزی میں اس اصطلاح کے استعمال سے مغالطہ ہو سکتا ہے یہیں دوسری اصطلاح بہتر ہے۔ جس کو مصارف پیدایش سے تعبیر ہے اور اور جس سے لاگت کی رقم مراد ہے۔

فصل تیس ۳۰

مصارف پیدائش میں تبدیلیاں

مصارف

گذشتہ فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ جب تک دولت کی پیدائش و صرف کی حالت میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہ ہو معمولی قیمت مصارف پیدائش کے قریب قریب رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس شرط کے معنی کیا ہیں اور عملی طور پر وہ کہاں تک پوری ہوتی ہے۔

اس شرط کا یہ مفہوم نہیں کہ کل دوران میں مصارف کی تمام مدیں جوں کی توں رہیں۔ یا یہ کہ جتنے کارخانے ایک سامان تیار کریں ان سب میں مصارف کی بعینہ وہی مدیں ہوں۔ کارخانہ کے منیجر یا منتظم کو دو باتیں مدنظر رہتی ہیں۔ اول یہ کہ مال اعلےٰ سے اعلےٰ قیمت پر فروخت ہو دوم یہ کہ جہاں تک ہو سکے مصارف پیدائش کم رہیں کارگذار منیجر ہمیشہ اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ مصارف گھٹانے کی کوئی سبیل نکلے وہ مزدوروں کے مختلف طبقوں کی کارکردگی کا موازنہ کرتا ہے۔ ایسے ایسے طریق نکالتا ہے کہ کمتر مزدوروں سے کام لینا پڑے۔ تجربہ کرکے دیکھتا ہے کہ کام مزدوروں کے ہاتھ سے سستا ہوتا ہے یا کل کے ذریعہ سے پھر یہ بھی جستجو رہتی ہے کہ پیداوار خام سب سے ارزاں کہاں ملتی ہے۔ مال کی باربرداری کا خرچ گھٹانا کسطرح ممکن ہے ملازموں سے کیونکر اچھے سے اچھا

کام لینا چاہئے۔ حساب کتاب کا کام مختصر کرنے سے دفتر کے مصارف میں تخفیف کیونکر ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ کار و بار کے ہر پہلو پر اس کو نظر ڈالنی پڑتی ہے۔ تاکہ جہاں کہیں گنجایش نظر آئے وہیں سے کفایت نکالے۔ سب منیجر یکساں کارگزار نہیں ہوتے پس یہ کیسے ممکن ہے کہ مصارف پیدایش کی مدیں سب کارخانوں میں بعینہٖ یکساں اور مساوی ہوں۔ مصارف کی تفصیل میں فرق نہ ہونا غیر اغلب ہے۔

پس جب ہم کسی چیز کے مصارف پیدایش کا ذکر کریں تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک مساوی مقدار کی پیدایش کے وہی مصارف پڑتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی کارخانے میں مصارف زیادہ ہوتے ہیں کسی میں اس سے کم اور ایک ہی کارخانہ میں وقتاً فوقتاً مصارف کم یا بیش ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ہر زمانہ میں مصارف کا ایک معیار رائج رہتا ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فلاں فصل میں جو شکر فلاں بازار میں فروخت ہوئی تو اس کے مصارف پیدایش نو روپیہ من تھے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ بعض کارخانوں میں لاگت کا اوسط صرف آٹھ روپیہ من پڑا ہو اور بعض میں ساڑھے نو۔ اول الذکر کارخانوں کو زیادہ منافع ملا اور دوسروں کو کم مگر مجموعی منافع کا اوسط قریب قریب وہی نکلے گا کہ گویا سب کارخانوں میں مصارف مساوی رہے یعنے نو روپیہ من۔ پس معلوم ہوا کہ معمولی قیمت مصارف کے اوسط کی بنا پر جن کو معیاری مصارف بھی کہتے ہیں۔ قرار پاتی ہے نہ کہ کسی خاص کارخانے کے مصارف کی بنا پر۔

یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ پیدایش اور صرف کے حالات بدلنے

باب چہارم
فصل ۳۰

سے مصارف کا معیار بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت فرض کرنی ممکن ہے کہ آبادی بھی معین ہو یعنے نہ گھٹے نہ بڑھے لوگ وہی چیزیں اتنی ہی مقدار میں ہمیشہ صرف کریں اور طریق پیدائش میں بھی کوئی تبدیلی نہ ہو۔ معاشیین کبھی کبھی بحث کی خاطر ایسی حالت سکون فرض کرلیتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر حالت واقعی ایسی ہوتی تو چیزوں کی معمولی قیمت ہمیشہ وہی رہتی۔ کبھی کم و بیش نہ ہوتی۔ تاریخ ہندوستان کے کسی دور میں ایسے سکون کی حالت نظر نہیں آتی بلکہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ تبدیلیوں کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ پس یہ بھی امید نہیں ہو سکتی کہ ملک میں کبھی ایسے سکون کی حالت آیندہ قائم ہوگی تاہم چند مثالوں سے ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایسی حالت کبھی قائم ہوئی بھی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

حالت سکون کی مثالیں

ایک کمہار کی مثال لو جو اپنی ضروریات خود مہیا کرنے والے گاؤں میں رہتا ہے۔ فصل تیرہ میں بھی ایسی مثال بیان ہو چکی ہے۔ جب آبادی بھی وہی بر قرار رہے نہ گھٹے نہ بڑھے اور لوگوں کی عادتیں بھی تبدیل نہ ہوں تو سال بہ سال مٹی کے برتنوں کی طلب میں شاید ہی کوئی تبدیلی ہو تو ہو ورنہ ایک سی حالت رہیگی کمہار اسی وضع قطع کے اتنے ہی برتن ہر سال بنائیگا اور ان کے معاوضہ میں اتنا ہی غلہ اس کو ملتا رہیگا۔ نہ کوئی بازار ہوگا نہ قیمت طے کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کاروبار کا دار و مدار رسم و رواج پر آپڑیگا۔ کمہار نہ اپنے کام کا طریق بدلیگا نہ اس کو قیمت بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ جو کچھ ملیگا وہ ان کے بسر اوقات کے لئے کافی ہوگا۔ اور جہاں تک اس گاؤں کا

باب چہارم فصل ۳

تعلق ہے برتنوں کی معمولی قیمت قرار پکڑ لیگی۔ گاؤں کے دوسرے دستکاروں کا بھی ایسا ہی حال ہوگا چنانچہ چھوٹے چھوٹے پس ماندہ قصبوں میں اب بھی یہی رنگ نظر آتا ہے کہ جب تک کہ طلب و رسد کی حالت میں کوئی فرق پیدا نہ ہو۔ چیزوں کی معمولی قیمت تبدیل نہیں ہوتی۔ اور جب رواج پڑ جاتا ہے تو اکثر جو قیمت دیتے لیتے ہیں۔ وہ معمولی قیمت کے مساوی ہوتی ہے۔ اب اگر وہ گاؤں جو اپنی کل ضروریات خود مہیا کرتا ہے کسی قریب کے قصبے سے کار و بار شروع کرے تو ممکن نہیں کہ ان دونوں کی خرید و فروخت کا اثر کمہار پر نہ پڑے پہلی بات تو یہی قرین قیاس ہے کہ قصبہ میں بھی برتنوں کی مانگ ہوگی اور وہ کمہار گاؤں اور قصبے کے سب خریداروں کو برتن مہیا نہ کرسکیگا اول تو وہ اپنے گاؤں کے قدیم گاہکوں کو برتن دیگا لیکن اگر قصبے والے برتنوں کی زیادہ قیمت لگائیں تو پھر وہ لالچ میں آکر برتن قصبے میں فروخت کرنے لگیگا۔ تاہم اگر گاؤں والے بھی قیمت بڑھانے پر رضامند ہوں تو وہ ضرور ان کو ترجیح دیگا۔ گویا طلب کے اضافہ سے گاؤں کی قدیم رسم ٹوٹ گئی۔ اور اب کمہار زیادہ زیادہ قیمت پر باہر والوں کے ہاتھ بھی برتن فروخت کرنے لگا۔ لیکن ساتھ ہی ممکن ہے کہ گاؤں کے لوگ قصبے سے تانبے کے برتن خریدنے شروع کریں اور اس وجہ سے کمہار کے برتن اور بھی کم فروخت ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور کمہار قصبے میں آبسے نئے قسم کے چاک پر بہت سے عمدہ برتن بنائے اور کام میں گاؤں کے کمہار کو نیچا دکھا دے قصبہ تو درکنار گاؤں میں بھی اسی کے برتن استعمال ہونے لگیں۔ اور اس

باب چہارم فصل ۳

اس غریب دیہاتی کمہار کو جو دام پہلے ملتے تھے وہ بھی نہ ملیں اب یا تو یہ کوشش کرکے قصبے والے کمہار کے سے برتن بنانا شروع کردے یا تکلیف و ناداری برداشت کرے۔

جو فرضی مثالیں اوپر بیان کی گئیں ان کا منشاء یہ ہے کہ بہت سہل اور صاف طور پر نمایاں ہو جائے کہ جو صنعت و حرفت معمولی دستکاروں کے ہاتھ میں ہیں۔ یا جو کارخانوں میں پھیلی ہوئی ہیں ان پر کیا کیا حالت کیونکر گزرتی ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ چیزیں بنانے کے طور و طریق بدلتے ہیں۔ اور جو لوگ چیزیں صرف میں لاتے ہیں ان کے عادات و مذاق میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں ایسی تبدیلیوں کی رفتار بہت سست ہے۔ اور اگر مغربی ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو یہ قول غلط بھی نہیں لیکن پھر بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی ضرور ہیں اور اب ان کی رفتار بھی روز افزوں نظر آتی ہے۔ تبدیلیاں ہونے سے مصارف پیدایش بھی بدل جاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی معمولی قیمت میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو معمولی قیمت امسال ہے وہی سال گذشتہ بھی رہی ہو۔ مگر دس سال قبل معمولی قیمت ضرور کچھ اور ہوگی۔

تبدیلی کی صورتیں

اگر طلباء کو ان تمام اسباب کا مطالعہ کرنا مقصود ہو کہ جو مل ملا کر قیمت متوازنہ میں رد و بدل کرتے رہتے ہیں تو معاشیات کی بڑی بڑی تصانیف کی طرف رجوع کرنا چاہئے یہاں ہم صرف چند واضح مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ کچھ سال سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں کھیتی باڑی کے مزدوروں کی اجرت

باب چہارم
فصل ۳۰

بہ حساب زر بڑھ رہی ہے۔ جو کاشتکار مزدور رکھتے ہیں ان کے کار وبار پر اس اضافۂ اجرت کا اثر پڑتا ہے۔ اور جن فصلوں کی تیاری میں زیادہ محنت درکار ہے ان پر اس کا اثر سب سے زیادہ نظر آتا ہے مثلاً کپاس کی فصل ایسی ہے کہ اسکی تیاری میں بہت محنت کی ضرورت ہے۔ اس کی کاشت میں تو کچھ زیادہ خرچ نہیں پڑتا۔ لیکن جب فصل تیار ہوتی ہے تو کپاس چننے کے واسطے بہت سے مزدور رکھنے پڑتے ہیں۔ اور انہی مزدوروں کی اجرت کپاس کے مصارف پیدائش کا بڑا جزو بن جاتی ہے۔ پس اضافہ اجرت کی وجہ سے کپاس کے مصارف پیدائش غلہ ہائے خوردنی کے مصارف سے کہیں بڑھ گئے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کاشتکار جن کے نزدیک کپاس یا غلہ بونا یکساں تھا اب محض اس وجہ سے غلہ کی کاشت کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس میں کمتر محنت درکار ہے گویا کپاس کی کاشت کا رقبہ گھٹ رہا ہے۔ کپاس اوٹنے والے کار خانے مجبوراً قیمت بڑھا رہے ہیں تاکہ کاشتکار کافی مقدار مہیا کرنے پر آمادہ رہیں ورنہ پیداوار گھٹنے سے ان کار خانوں کا کار و بار بھی سست پڑ جائیگا۔ بازاری قیمت تو ہر روز اور ہر ہفتے گھٹتی بڑھتی رہے گی لیکن جو معمولی قیمت قرار پائیگی وہ بھی اس مقدار سے زیادہ ہوگی جو اجرت نہ بڑھنے کی صورت میں قرار پاتی۔

کارخانوں کی دقتوں کی یہ تو ابتدا سمجھنی چاہئے۔ محض کپاس کی قیمت بڑھا دینے سے پیچھا نہیں چھٹتا۔ ایسے کار خانے اکثر ان ہی مقامات پر جاری کئے جاتے ہیں۔ جہاں کپاس بہ کثرت کاشت

ہوتی ہے۔پس اب کارخانوں کو بھی مزدوروں کی اجرت بڑھانی پڑیگی ورنہ ان کی کافی تعداد ملنی دشوار ہے۔ بھلا جب مزدور نہ ہوں گے تو کارخانے کیسے چلیں گے۔پس کارخانوں پر اضافہ اجرت کا دوگنا بار پڑا۔کپاس کی قیمت جدا بڑھی اور کارخانوں کے مزدوروں کی اجرت جدا۔پس اوٹی ہوئی کپاس یعنی روئی کی قیمت میں بھی اضافہ ہونا لازمی ہے ورنہ یہ کارخانے بند ہو جائیں گے۔اور سوت کاتنے والے کارخانوں کو روئی میسر نہ ہوگی۔ان کارخانوں کو بھی نہ صرف روئی کی زیادہ قیمت ادا کرنی پڑیگی۔بلکہ مزدوروں کی اجرت بڑھانی بھی ضرور ہے۔پس سوت کی قیمت اور بھی چڑھ جائیگی۔تاکہ اس میں کاشتکاروں کپاس اوٹنے والوں اور سوت کاتنے والوں کے مصارف کے ہر سہ اضافے شامل ہو جائیں اور اس مثال کو یوں ہی کر یہ ثابت کرنا دشوار نہیں کہ لباس کی قیمت میں ان کے علاوہ کچھ اضافے اور بھی ہوں گے۔یعنے مذکورۂ بالا تینوں اضافوں کے علاوہ کپڑا بنے والوں، رنگنے والوں، اور درزیوں کی اجرت کے اضافے بھی لباس کی قیمت میں شامل ہو جائیگے۔حاصل کلام یہ کہ اجرت کی بدولت لباس کی قیمت کہیں سے کہیں چڑھ جائیگی۔

اگر حالات پیدائش میں کوئی اور تبدیلی نہ ہوئی ہو تو ہم لباس کی مجموعی قیمت پر اُن مزدوروں اور کاریگروں کی اجرت کے اضافہ کا اثر جو کپڑا بنانے میں شریک ہوں بطریق بالا معلوم کر سکتے ہیں۔لیکن دنیا میں ایسا سکون کبھی ممکن نہیں کہ ہم صرف

باب چہارم فصل ۳ کسی ایک خاص تبدیلی کا اثر جداگانہ دریافت کرسکیں۔ بلکہ ایک ہی وقت میں گوناگوں تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً جن مزدوروں کی اجرت بڑھی ہے۔ غالباً وہ اب لباس میں زیادہ روپیہ صرف کرینگے۔ اور چونکہ ان میں سے اکثر کے پاس اب تک لباس ناکافی تھا اب روئی کے کپڑے کی طلب میں بہت اضافہ ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ قیمت متوازنہ بھی بدل جائیگی۔ مگر ریلیں بہت پھیل گئی ہیں اور ان کے ذریعہ سے اب سوت کاتنے کے کارخانے اُن دور دراز مقامات سے بھی روئی منگا سکتے ہیں کہ جہاں سے بوجہ بیشی مصارف باربرداری پہلے روئی منگانی محال تھی۔ گویا ریلوں کے وسیلہ سے روئی کی رسد بڑھ گئی اور سوت کاتنے والوں کو اب کم قیمت پر ملے گی۔ سوت کے نرخ میں بھی تخفیف ہو جاویگی۔ اور بالآخر کپڑے کی قیمت بھی گھٹے گی ممکن ہے کہ اسی دوران میں سوت کاتنے کی بہتر کلیں آگئی ہوں کوئلہ اور ایندھن کا نرخ بدل گیا ہو۔ اور عجب نہیں کہ پیدائش و صرف کی حالت میں اور بھی چند در چند تبدیلیاں نمودار ہو گئی ہوں پس واضح ہوا کہ کپڑے کی معمولی قیمت اس کے مصارف پیدائش کے مساوی رہتی ہے۔ مگر مصارف پیدائش خود کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ عرصہ دراز تک معمولی قیمت کی ایک ہی مقدار قائم رہے۔ اس میں بھی مصارف پیدائش کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں ہونی لازمی ہیں۔

اسی طرح مٹی کے تیل کی تجارت پر غور کرو۔ شمالی ہندوستان میں

اس کا رواج ابھی تھوڑے دنوں سے پھیلا ہے۔ ورنہ پہلے روغن دار تخم سے جو تیل نکلتا تھا وہی روشنی کے واسطے کام آتا تھا۔ مثلاً سرسوں کا تیل، تلوں کا تیل، ارنڈی کا تیل۔ جب مٹی کا تیل اول اول آیا تو وہ کنستروں میں بھر بھر کر آتا تھا اور کنستر لکڑی کے صندوقوں میں رکھے ہوتے تھے۔ لیکن اس طریق پر تیل باہر بھیجنے میں خرچ بہت پڑتا تھا اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے کہ کسی چیز کو ایسی جگہ پہنچانا جہاں وہ صرف میں آسکے پیدائش دولت کی ایک صورت ہے۔ پس مال بھیجنے کے مصارف بھی مصارف پیدائش میں شمار ہوتے ہیں چنانچہ اول اول مٹی کا تیل گراں تھا اور صرف خوش حال لوگ اس کو استعمال کرتے تھے لیکن اس سے چونکہ ایک احتیاج پوری ہوتی تھی رفتہ رفتہ اس کا رواج بڑھا حتیٰ کہ تیل نکالنے والوں کو خود ایسی ترکیبیں اختیار کرنے کا خیال پیدا ہوا کہ مصارف بار برداری گھٹ جائیں۔ اکثر لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ ریل کے اسٹیشنوں کے قریب تیل کے کارخانوں کی طرف سے حال میں خاص عمارتیں بن گئی ہیں جہاں تیل کا بہت سا ذخیرہ رہتا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ بڑے بڑے آہنی پیپوں میں تیل بھر کر ان کو مال گاڑی پر رکھکر لاتے ہیں اور ان عمارتوں کے اندر جو بڑے بڑے گنڈ بنے ہوتے ہیں پیپوں کا تیل ان میں بھر دیتے ہیں۔ پس کنستروں اور صندوقوں کا کل خرچ بچ رہتا ہے اور بار برداری کے مصارف بھی بہت کم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ریلوے اسٹیشنوں کے قرب وجوار میں اب تیل بہ مقابل سابق بہت ارزاں فروخت ہوتا ہے۔

باب چہارم
فصل ۳۰

یہاں بھی ہم نے صرف ایک ایسی تبدیلی پیش نظر رکھی ہے جس سے مصارف پیدائش میں تخفیف ہو مٹی کے تیل کی تجارت میں جو جو تبدیلیاں حال میں نمودار ہوئیں' ان میں سے بعض تو معمولی قیمت کے اضافہ کی معاون تھیں اور بعض تخفیف کا باعث۔ لیکن وہ سب تبدیلیاں بہت پیچیدہ ہیں اور یہاں ان سے بحث کرنی بے محل معلوم ہوتی ہے۔

وقت کی بحث

جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ یہاں پر ان تمام اسباب کی چھان بین کرنی مقصود نہیں جن کا چیزوں کی معمولی قیمت پر اثر پڑتا ہے۔ یہ بحث بہت دشوار ہے۔ اول اول طالب علم کو تقسیم دولت کے بیان میں ابتدائی مباحث پر اکتفا کرنا چاہئے۔ لیکن دشواری کا سب سے بڑا باعث وقت کا مسئلہ ہے اس کے متعلق چند الفاظ لکھنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ اگر ہم صرف ایک دن یا ایک ہفتہ پیش نظر رکھیں تو بہ سہولت بہت سی چیزوں کے مصارف پیدائش کا ٹھیک ٹھیک حساب بنا سکتے ہیں۔ یعنی معمولی قیمت دریافت کرلیں اور وہ قریب قریب مصارف پیدائش کے برابر ہوگی۔ لیکن جب زیادہ طویل زمانہ سے سابقہ پڑے تو دقت پیش آتی ہے۔ کیونکہ معمولی قیمت کی جو مقدار اس دور کے شروع میں تھی آخر میں وہ نہ ہوگی بلکہ کم یا بیش ہو جائیگی۔ بہت کم معاشی اسباب ایسے ہیں جن کا اثر فوراً یا جلد ظاہر ہو جاتا ہو ورنہ بعض کا اثر تو سالہا سال کے بعد نمودار ہوتا ہے۔ پس جب ہم کو کسی سبب کا اثر دریافت کرنا ہو تو یہ غور کرلینا بھی ضرور ہے کہ وہ اثر کتنے

عرصہ میں ظاہر ہوگا۔ اس بحث کی وقت طلباء کو اس وقت محسوس ہوگی جبکہ توازن رسد و طلب کے کل پہلوؤں پر نظر ڈال کر وہ اس مسئلہ پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔ معاشیات کی بڑی بڑی تصانیف میں اس مسئلہ کی مفصل بحث موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے وقت اور پیچیدگی کا کچھ اندازہ ہوگا۔ یہاں پر تو صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ وقت کی بحث سے خاص قسم کی دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔

فصل اکتیس ۳۱

نتائج

کتاب کے شروع میں ہم نے بیان کیا تھا کہ علم معاشیات کا مرکزی مسئلہ یہ ہے کہ چیز کی کوئی مقدار جو کسی قیمت کے حساب سے فروخت ہوتی ہے تو کس اصول کی بنا پر ہوتی ہے۔ کیونکر مقدار معین ہوتی ہے اور کس طرح قیمت قرار پاتی ہے۔ اس دشوار سوال کا جو جواب اب تک دریافت ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) جس بازار میں بھی کسی چیز کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ قیمت بڑھنے سے مقدار مطلوبہ گھٹتی ہے۔ اور قیمت گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے۔

(۲) اس کے برعکس کسی چیز کی اُس مقدار میں جو بغرض فروخت پیش کی جائے یا بالفاظ مختصر اس کی رسد میں قیمت بڑھنے سے اضافہ ہوتا ہے اور قیمت گھٹنے سے تخفیف ہوتی ہے۔

(۳) بازار میں جو نرخ طے کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیمت متوازنہ قرار پا جاتی ہے۔ یعنی ایسی قیمت کہ اس کے حساب سے لوگ جتنا مال فروخت کرنا چاہیں اتنا ہی مال دوسرے لوگ خریدنا بھی پسند کریں نہ کم نہ زیادہ یا بالفاظ مختصر وہ قیمت کہ جس پر رسد و طلب میں توازن پیدا ہو جائے۔

باب چہارم
فصل ۳۱

(۴) بازاری قیمت میں تو روزانہ روز کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر جب تک کہ پیدایش یا صرف کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہو وہ مصارف پیدایش کے قریب ہی قریب رہتی ہے۔ کیونکہ جہاں وہ ذرا گھٹی بڑھی۔ کچھ اسباب پیدا ہوکر خود بخود اس کی اصلاح کر دیتے ہیں اور اکثر معمولی قیمت مصارف پیدایش کے ہم پلہ رہتی ہے۔

ہم جتا چکے ہیں کہ جب دولت کی پیدایش اجارہ کے تحت میں جاری ہو تو یہ نتائج منطبق نہ ہوں گے لیکن یہ بحث آیندہ کے واسطے ملتوی ہو چکی ہے۔ ہندوستانی دستکاروں کے بعض بعض طبقوں کو بھی ہم بطور مستثنےٰ پیش کر چکے ہیں انکے متعلق بھی بحث آیندہ ہو سکے گی۔ اس سے قبل بھی ان مستثنیات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے یہاں پھر احتیاطاً یاد دہانی کردی گئی۔

(۵) واقعہ یہ ہے کہ پیدایش اور صرف کی حالت برابر تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ ان تبدیلیوں کے اثر سے مصارف پیدایش بھی بدلتے رہتے ہیں اور بالآخر معمولی قیمت بھی کم یا بیش ہو جاتی ہے جن جن اسباب کی وجہ سے معمولی قیمت میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے ان کی تفصیلی بحث بھی آیندہ پر ملتوی رہی۔ صرف یہ اشارہ کردیا گیا کہ وقت کی بحث سے خاص دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔

بحث کی پیچیدگی

پس معلوم ہوا کہ ہم نے جو سوال اٹھایا تھا کہ کس اصول کے مطابق کسی چیز کی کوئی مقدار کس قیمت پر فروخت ہوتی ہے اس کا جواب دینا کوئی سہل بات نہیں ہے۔ انسان کی زندگی کتنی پیچیدہ ہے۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا ہے یہ پیچیدگی اور بھی بڑھ رہی ہے

باب چہارم
فصل ۱۳

اور معاشیات جیسا علم کہ جو بہت کچھ انسانی زندگی سے بحث کرتا ہے کیونکر سہل اور سادہ بن سکتا ہے۔ اس کو بے شمار اسباب سے سابقہ پڑتا ہے جو ہر وقت اور ہر لمحہ اپنا عمل کرتے رہتے ہیں اور ان میں بعض کا رجحان کسی طرف ہے اور بعض کا کسی طرف۔ ہم کو تو صرف وہ نتیجہ نظر آتا ہے جو ان تمام اسباب کے ملے ہوئے اثرات سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس نتیجہ کی تنقیح کے واسطے ان تمام اسباب کا ایک ایک کرکے پتہ چلانا اور یہ تحقیق کرنا کہ ہر ایک کے اثر کو اس نتیجہ کی تیاری میں کس درجہ دخل ہے ضروری ہے۔ عام لوگ تو اتنی تکلیف گوارا کرتے نہیں ان کو اگر منجملہ بہت سے اسباب کے کوئی ایک سبب بھی ایسا معلوم ہو جائے کہ جس کو نتیجہ سے کچھ بھی تعلق ہو تو پھر وہ قناعت کر لیتے ہیں اور اسی سے ان کی تشفی ہو جاتی ہے مثلاً کچھ عرصہ سے ہندوستان میں غلۂ خوراک کا نرخ چڑھ گیا ہے۔ بس معمولی آدمی تو اس گرانی کے اسباب میں کوئی ایک سبب جو ان کو معلوم ہوگا لے اڑینگے، اور اسی کو گرانی کا باعث کلی قرار دینگے چنانچہ اکثر نامہ نگاران اخبار گرانی غلہ کی بحث کرتے وقت یا تو خرابی موسم کو اس کا باعث قرار دیتے ہیں یا ریلوں کے اجرا کو یا تجارت برآمد کو گویا منجملہ دس بارہ اسباب کے جو لوگوں کو معلوم ہیں کسی ایک کو لیکر بزعم خود اس سے گرانی کی پوری پوری توجیہ کر دیتے ہیں۔ لیکن انسان کی زندگی کے معاملات ایسے سہل اور سادہ نہیں کہ کوئی یوں بآسانی ان کو سمجھا دے۔ اور اگر کوئی معاشی نتیجہ درحقیقت سمجھنا مقصود ہو تو ضرور ہے کہ اُن تمام اسباب کا ایک ایک کرکے پتہ

باب چہارم
فصل ۳۱

لگایا جائے جن کو نتیجہ سے کچھ بھی تعلق ہو۔ اور پھر یہ تحقیق کیا جائے کہ ہر ایک سبب کے عمل کو نتیجہ پیدا کرنے میں کہاں تک دخل ہے اور چونکہ بہت سی باتیں جو بہ ظاہر سبب معلوم ہوتی ہیں فی نفسہ دوسرے اسباب کا نتیجہ ہوتی ہیں سلسلہ بہ سلسلہ بہت سے اسباب تحقیق کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً قیمت بڑھنے کا ایک سبب اضافہ اجرت سہی لیکن خود اضافہ اجرت اور کئی اسباب کا نتیجہ ہے چنانچہ ہم آگے چلکر اس قول کی تشریح کرینگے پس گرانی بہت سے اسباب کا نتیجہ ہوئی اور ان تمام اسباب کی تحقیق ضروری ہے ورنہ مسئلہ گرانی الجھے کا الجھا رہ جائیگا۔

پیچیدہ مسائل کے مطالعہ کا طریق

تجربہ سے ثابت ہوا کہ ایک ساتھ بہت سے اسباب کا مطالعہ کرنا دشوار بلکہ محال ہے۔ دماغ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا جیسا کہ دیگر علوم کے طلباء کا قاعدہ ہے۔ معاشی بھی ایک وقت میں ایک ہی سبب تحقیق کرتا ہے۔ وہ فرض کرلیتا ہے کہ گویا وہی ایک سبب عمل پیرا ہے۔ اور تحقیق کرتا ہے کہ اگر درحقیقت کوئی اور سبب یا اسباب دخل نہ دیں تو اس ایک سبب کا جداگانہ نتیجہ کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک ایک کرکے وہ باقی اسباب کا بھی مطالعہ کرتا ہے اور اسی دوران میں ترتیب دیتا جاتا ہے کہ کون کون سبب تو اس پہلے سبب کے موافق و معاون ہیں اور کون کون مخالف و منافی اور بالآخر اس اصلی نتیجہ کی توجیہ جس کی تحقیق مقصود تھی کم و بیش اصلی حالات کے مطابق ہو جاتی ہے اتنی تحقیق اور وسعت نظر کے بعد یہ حکم لگانا بھی ممکن ہے کہ اگر فلاں سبب یا اسباب جو عمل

باب چہارم پیدا ہیں قوی یا ضعیف ہو جاویں تو نتیجہ پر اس کا کیا اثر پڑیگا۔
فصل ۱۳ مطالعہ کا جو طریق اوپر بیان ہوا اس کی مثال اسی باب کے مباحث
میں موجود ہے۔ ہم نے بازار کے بیان میں اول اول ایسے شرایط
فرض کرلئے جن کا درحقیقت کوئی وجود نہیں۔ اور پھر نہایت سادہ
حالات کے تحت میں یہ دریافت کیا کہ قیمت متوازنہ کیونکر قرار پاتی
ہے پھر ہم نے تحقیقات میں توسیع کی۔ اور یہ پتہ چلایا کہ اگر مفروضہ
شرایط میں سے فلاں فلاں نظر انداز کردی جائیں تو نتیجہ میں کیا فرق
پیدا ہوگا اور اسی طرح بتدریج اصلی واقعات کی توجیہ ہو گئی۔ پھر ہم
نے اسباب کا ایک اور مجموعہ لیکر یہ تحقیق کیا کہ ایک معمولی قیمت
ہوتی ہے۔ اور بازاری قیمت ہمیشہ اسی کی طرف عود کرتی رہتی ہے
اسطرح اسباب کے ایک دوسرے مجموعہ سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ
معمولی قیمت خود بھی کچھ عرصہ بعد گھٹتی بڑھتی ہے۔ پھر بھی یہ نہ سمجھنا
چاہئے کہ پس تحقیق یہاں ختم ہو گئی اول تو ہم نے اجارہ کی بحث
آیندہ پر ملتوی کردی اور وہ نہ صرف علمی بلکہ عملی حیثیت سے بھی
بہت توجہ طلب اور اہم ہے۔ دوسرے ان اسباب کی تحقیق بھی
ملتوی رہی کہ جن کی بدولت معمولی قیمت میں تغیر تبدل ہوا کرتا ہے
حاصل کلام یہ کہ جو مسئلہ زیر تحقیق ہے اس کو ابھی ہم نے مکمل اور
تشفی بخش طور پر حل نہیں کیا البتہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ قرین حقیقت
ضرور ہے بالفاظ دیگر جو کچھ بیان کیا گیا وہ صحیح اور درست ہے لیکن
ناکافی ہے اور مسئلہ کی مکمل تحقیق کے واسطے ابھی بہت کچھ بحث
ہونی باقی ہے۔

جب معاشی اس طور پر تحقیق شروع کریں تو ان کا فرض ہے کہ اچھی طرح پر دوسروں کو بھی جتا دیں۔ مثلاً جب کسی ایک سبب واحد کا مطالعہ کیا جائے تو مناسب موقعوں پر واضح کردینا ضروری ہے کہ باقی اور اسباب کو معطل فرض کرلیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم رہے کہ وہ تمام بحث حالت سکون کے مفروضہ پر مبنی ہے۔ بعض قدیم مصنفوں۔ مثلاً **رکارڈو** نے۔ اس معاملہ میں بہت بے پروائی برتی ہے جب کچھ فرض کرتے ہیں تو مفروضہ کو صاف طور پر نہیں جتا دیتے اور مفروضات پیش نظر نہ ہونے سے لوگوں کو طرح طرح کے مغالطے پیدا ہوتے تھے۔ طلبا کو بھی چاہئے کہ ایسے مفروضات سے خبردار رہیں مصنف نے جو باتیں فرض کی ہوں، بحث پڑھتے وقت ان کو ملحوظ رکھیں اور جب طلبا اس علم سے کافی واقف ہو جائیں تو قدیم تصانیف پڑھ پڑھکر انہیں خود پتہ چلانا پڑیگا کہ فلاں بحث میں کیا کیا مفروضات مضمر ہیں جو بیان نہیں کئے گئے۔

معمولی قیمت کی بحث میں ایک مفروضہ اس قدر اہم ہے کہ گو وہ چھٹی فصل میں بیان ہو چکا ہے تاہم یہاں اس کی یاد دہانی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ تمام بحث میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ زر کی قوت خرید میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بازاری قیمت میں جو ردو بدل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے متعلق تو یہ مفروضہ مفروضہ نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ زر کی قوتِ خرید اس قدر جلد جلد نہیں بدلتی چنانچہ بازاری قیمت کے بیان پر اس مفروضہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ جب معمولی قیمت کی بحث پیش ہو تو اس میں اس قدر طویل زمانہ ملحوظ ہوتا ہے کہ اس کے

باب چہارم
فصل ۱۳

دوران میں زر کی قوتِ خرید کا گھٹ بڑھ جانا بہت ممکن ہے اور اگر یہ تبدیلی پیش نظر نہ رہے تو بہت کچھ مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے۔ سردست تو طلبا کو صرف یہی جاننا کافی ہے کہ قیمت کی بحث میں یہ مفروضہ داخل ہے کہ زر کی قوتِ خرید میں تغیر تبدل نہیں ہوتا۔ آگے چلکر ان کو معلوم ہوگا کہ اگر معمولی قیمت کی بجائے معمولی قدر سے بحث کی جائے تو پھر اس مفروضہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ بڑی بڑی تصانیف میں یہی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ مگر بہ نظر سہولت ہم نے قدر کی بجائے قیمت سے بحث کی اور مفروضہ بھی صاف صاف بتا دیا۔

طلب و رسد کی بحث کا تقسیم دولت کے مسائل سے تعلق

ہم نے اس باب کی بحث کو معاشیات کا مرکزی مسئلہ قرار دیا ہے وجہ یہ ہے کہ توازُنِ رسد و طلب کی بحث جو ہم نے مال و سامان کی خرید و فروخت کے سلسلے میں پیش کی ہے، درحقیقت عاملین پیدائش سے بھی اسی قدر متعلق ہے۔ ہر عامل کے کام کا جو معاوضہ ملتا ہے اس کی بھی اسی بحث سے توجیہ و تشریح ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر آگے چلکر واضح ہوگا کہ مزدوروں کی اجرت، اصل کا سود، آجروں کا منافع، اور زمین کا لگان، یہ سب کے سب معاوضے عاملین کی رسد و طلب پر منحصر ہیں ان مباحث کو مجموعی طور پر **تقسیم دولت** کہتے ہیں۔ اور اگلے باب میں ان ہی کا بیان درج ہے۔

لیکن ابھی تقسیم دولت کا مسئلہ پورا پورا بیان نہیں ہو سکتا مفصل بحث کے واسطے توازنِ رسد و طلب کے مسئلہ پر بہت وسعت نظر درکار ہے۔ اور ہم نے اب تک اس پر سرسری نظر ڈالی ہے۔ یہاں پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ چند در چند حیثیتوں سے عاملین بھی کیونکر مال و

سامان کے مماثل بن گئے۔ اور کس کس لحاظ سے پھر یہی عاملین پیدایش
مال و سامان سے جداگانہ اور مختلف بھی ہیں۔ اس قسم کے ابتدائی بیان
سے یہ تو پورے طور پر سمجھ میں آ نہیں سکتا کہ اجرت۔ سود۔ لگان یا منافع
کی شرح کیونکر قرار پاتی ہے۔ لیکن رسد و طلب کے متعلق جو مفصل مباحث
طلبا کو آیندہ مطالعہ کرنے ہیں ان کے مقاصد اور اہمیت کے سمجھنے اور
اندازہ کرنے میں اگلے باب کے مطالعہ سے ان کو ضرور مدد ملے گی۔

باب پنجم

تقسیم دولت

فصل ۳۲ بتیس

ابتدائی بیان

تقسیم دولت کی نوعیت

یہ تو واضح ہو چکا کہ چند عاملین کے ملنے سے دولت پیدا ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ دولت پیدا ہونے کے بعد کیونکر اُن لوگوں کے باہم تقسیم ہوتی ہے جنھوں نے وہ عاملین مہیا کئے ہیں۔ معاشیات کی اس بحث کو اصطلاحاً **تقسیم دولت** کہتے ہیں۔

ایسی حالت تصور کرنی ممکن تو ہے کہ پیدا شدہ دولت کے تقسیم کرنیکی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن درحقیقت ایسا بہت کم واقع ہوتا ہے کہ تمام پیداوار ایک ہی شخص کی ملک بن جائے۔ اگر کوئی بلا شرکت غیر کسی زمین کا مالک ہو اور خود ہی اس میں کھیتی باڑی کرے تو اور کوئی اس بنا پر کہ پیدائش میں اس نے ہاتھ بٹایا ہے پیداوار میں حصے کا دعوے نہیں کرسکتا بلکہ سب پیداوار اسی ایک شخص کی ملک رہیگی۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں کہ دوسروں کی شرکت بغیر

باب پنجم
فصل ۲۱

کوئی تنِ تنہا دولت پیدا کرے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ لوگ ملکر عاملین پیدایش مہیا کرتے ہیں اور جو کچھ دولت پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سے اپنے اپنے عامل یا عاملین کی کارگزاری کے حساب سے اپنا حصہ بانٹ لیتے ہیں۔ پیدائش کے اولین دور میں لوگ اپنی ضروریات خود ہی مہیا کرتے تھے۔ کاشتکار گو اپنا کاروبار خود ہی سنبھالتا تھا۔ یعنی بیشتر خود ہی کھیتی باڑی میں محنت کرتا تھا اور اپنی طرف سے اصل بھی لگاتا تھا۔ لیکن زمین پھر بھی بالعموم زمیندار سے لینی پڑتی تھی۔ اور زمیندار زمین کی کارگزاری کے معاوضہ میں لگان وصول کرتا تھا۔ مزدور اپنی محنت کے بدلے اجرت پاتے تھے۔ اور اگر اصل قرض لیا جاتا تو قرض خواہ کو سود دینا پڑتا تھا۔ اسی طرح پیدایش کے دور ثانی میں جس کو عہد دستکاراں بھی کہتے ہیں۔ دستکار جو اپنا کاروبار چلاتا ہے تو خود ہی محنت کرتا ہے اور کم و بیش اصل بھی اپنی ہی جیب سے لگاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دوسرے کی زمین پر رہکر کام کرتا ہے۔ تو اس کو زمین کا لگان یا کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اگر مزدور رکھتا ہے تو اجرت دیتا ہے۔ اور اگر اصل قرض لیتا ہے تو اس پر سود ادا کرتا ہے۔ پیدایش کے تیسرے دور میں جس کو کارخانوں کا عہد بھی کہتے ہیں۔ بعینہ مختلف گروہوں کو لگان، اجرت اور سود ادا کیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کا باعث یہ ہے کہ لوگ بلا معاوضہ مدد نہیں دیتے۔ جس طرح مزدور اپنی محنت کی اجرت چاہتا ہے، عام طور پر وہ لوگ بھی جن کے پاس زمین یا اصل ہو معاوضہ لئے بغیر دوسروں کو ان کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے۔ اب یہ سوال درپیش ہے کہ مختلف عاملین پیدایش مہیا کرنے والے لوگ پیداوار میں کیونکر اپنا

باب پنجم اپنا حصہ قرار دیتے ہیں۔

فصل ۳۲ جب کوئی مال تیار ہوتا ہے تو اس کی قیمت میں سے مدات ذیل کے حساب سے مطالبات پورے کرنے پڑتے ہیں :-

(۱) سود

(۲) لگان

(۳) اجرت

(۴) اجرت تنظیم

تقسیم دولت میں یہی بحث درپیش ہے کہ مطالبات بالا کی مقداریں کیونکر قرار پاتی ہیں۔لیکن مال کی قیمت پر چند مطالبات اور بھی عائد ہوتے ہیں جن کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

(۵) مطالبات فرسودگی اصل

(۶) ٹکس یا محصول۔

اصل دائر کے متعلق تو صاف ظاہر ہے کہ اصل صرف ہونے پر بار بار جدید اصل لگانا پڑتا ہے۔مثلاً نورباف جو کپڑا فروخت کرے تو اس کی قیمت میں سے اس سوت کے دام نکلنے ضروری ہیں جو کپڑا بننے میں کام آیا ہو کاشتکار کو ہر فصل پر تخم کی ضرورت پڑتی ہے۔اور پیداوار میں سے تخم بچتا رہتا ہے۔شکر سازی کے کارخانہ میں پیداوار خام۔ایندھن اور اجرت کی مدوں میں جو کچھ خرچ ہو وہ سب رقم شکر کی قیمت سے وصول ہوتی ہے۔لیکن اصل قائم بھی بتدریج فرسودہ ہوتا رہتا ہے۔اور اس کو کبھی نہ کبھی دوبارہ مہیا کرنے کا پہلے ہی سے بندوبست کرنا پڑتا ہے۔عمارتیں کلیں اور آلات و اوزار ہمیشہ تو قائم رہتے نہیں۔کچھ عرصہ میں بوسیدہ اور

از کار رفتہ ہو ہی جاتے ہیں۔ اور کبھی نہ کبھی ان کو بدلنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اگر کارخانہ دار پیداوار میں سے تھوڑا تھوڑا اس غرض کے لئے پس انداز نہ کرتا رہے اور کل آمدنی باقی مدوں میں تقسیم کردیا کرے تو بالآخر ایک دن ایسا آئیگا جبکہ اصل قائم کے فرسودہ ہوجانے سے کارخانہ ہی بند کرنا پڑیگا سب اچھے اچھے کارخانے پیداوار میں سے کچھ نہ کچھ مطالبات فرسودگی کی مد میں بچاتے رہتے ہیں تاکہ جب موجودہ اصلِ قائم از کار رفتہ ہو جائے تو اُس اندوختہ سے جدید اصلِ قائم مہیا ہو سکے۔ چنانچہ سالانہ یا ششماہی آمدنی کا حساب کرتے وقت کارخانہ دار ان مطالبات کو منہا کر دیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کارخانے اس مد کو یعنی مطالبات فرسودگی کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور بالآخر جب اصلِ قائم از کار رفتہ ہو جاتا ہے۔ تو جدید اصل مہیا کرنے میں سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ کوئی کاشتکار پچاس روپیہ میں بیل کی جوڑی خریدے۔ اب اگر اس جوڑی سے دس برس تک کام چلنے کی توقع ہو تو کاشتکار کو چاہئے کہ پانچ روپیہ سال پس انداز کرتا رہے تاکہ دس برس بعد جب یہ جوڑی بیکار ہو جائے تو وہ دوسری جوڑی خریدے بلکہ اگر کاشتکار اپنا روپیہ سود پر بنک میں جمع کرتا رہے تو پانچ روپیہ سال سے کم رقم پس انداز کرنی پڑیگی۔ کیونکہ دس سال کے آخر میں جو پچاس روپیہ درکار ہوں گے ان کا ایک جز بنک کے سود سے نکل آئیگا مگر ہندوستانی کاشتکار بنک سے حساب و کتاب کم رکھتے ہیں۔ اور وہ شاید اس طریق سے فائدہ نہ اُٹھا سکے بلکہ دور اندیشی کا مقتضا ہے کہ کاشتکار تھوڑی سی مزید رقم بطور بیمہ جمع کرتا رہے۔ تاکہ اگر جوڑی

باب پنجم فصل ۳
دس سال سے قبل ہی بیکار ہو جائے تو نئی جوڑی خرید نے میں کم وقت پڑے۔ مثلاً جوڑی چھ برس ہی میں نکمی ہو جائے تو پانچ روپیہ سال کے حساب سے تو اس وقت تک صرف تیس روپیہ فراہم ہونگے البتہ اگر کچھ مزید رقم بیمہ کی مد میں جمع ہوتی رہی تو پچاس میں تھوڑی کمی پڑیگی۔ بیمہ کے طریق نے آجکل بہت رواج پا رکھا ہے۔ معاشیات کی بڑی بڑی تصانیف میں اس کا مفصل بیان موجود ہے۔ بنظر اختصار ہم نے یہاں صرف اشارہ پر اکتفا کیا۔ افسوس ہے کہ کاشتکار کو مطالبات فرسودگی کا جمع کرنا بہت کم نصیب ہوتا ہے۔ جب بیل مرجاتے ہیں تو یا تو روپیہ قرض لیکر کاشتکار نئے بیل خریدتے ہیں یا کھیتی باڑی چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ زراعت ہی ان کا ذریعہ معاش ہے حاصل کلام یہ کہ پیداوار میں سے اول تو اصل کے مطالبات فرسودگی نکلنے چاہئیں۔ خواہ اصل دائر ہو یا قائم۔ یعنی ایک ہی مرتبہ صرف ہونے میں ختم ہو جائے یا کچھ عرصہ تک صرف میں آتا رہے۔ مطالبات مہیا ہونے کے بعد جو کچھ بچے وہ مختلف عاملین مہیا کرنے والوں میں اُن کے عاملین کی کارگذاری کے حساب سے تقسیم ہونا چاہئے۔

دوسری مد یعنی ٹکس یا محصول وہ رقم ہے جو سرکار یا کسی مقامی حکومت مثلاً مینوسپلٹی یا محکمہ صفائی کو لوگ حکماً ادا کریں — یہ رقم قانون کے ذریعہ سے مقرر ہوتی ہے۔ معاشی اسباب کو تعین میں کوئی دخل نہیں۔ محصول کے معاشی نتائج بہت کچھ اہم ہوسکتے ہیں۔ اور ان کا مطالعہ معاشیات کا ایک خاص جزو مانا جاتا ہے۔ سردست اس قدر جاننا کافی ہے کہ پیداوار کا ایک جزو بطور محصول سرکار کو

بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور عاملین پیدایش مہیا کرنے والوں کے درمیان وہ تقسیم نہیں ہو سکتا۔ باب پنجم فصل ۳۲

مذکورہ بالا ہردو مد میں یعنی مطالبات فرسودگی اور محصول منہا کرنیکے بعد جو کچھ باقی بچے وہ چار مدوں میں تقسیم ہوکر عاملین پیدایش کی کارگذاری کا معاوضہ قرار پاتا ہے۔ اصل کا معاوضہ سود، زمین کا لگان، محنت کا اجرت۔ اور کار و باری انتظام کا معاوضہ جو ایک خاص قسم کی محنت ہے۔ اجرت تنظیم کے نام سے جداگانہ شمار ہوتا ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ پیدایشِ دولت کا انتظام کئی طریق پر ہوسکتا ہے۔ اور مسئلہ تقسیم دولت ہر طریق پر منطبق اور چسپاں ہوتا ہے۔ لیکن ہم بحث میں موجودہ طریق انتظام کو مد نظر رکھتے ہیں۔ یعنی کوئی شخص یا جماعت کار و بار شروع کرتی ہے۔ لگان پر زمین لیتی ہے۔ اجرت پر مزدور رکھتی ہے اور سود پر اصل بہ بقدر ضرورت قرض لیتی ہے۔ یہی شخص یا جماعت اصطلاحاً آجر کہلاتی ہے۔ آجر کی حیثیت میں یہ خصوصیت ہے کہ زمین، محنت اور اصل کا معاوضہ تو وہ بشرح معین ادا کر دیتا ہے، اور پیداوار میں سے جو باقی بچے وہ اس کا حصہ شمار ہوتا ہے۔ پس اگر کار و بار خراب ہو جائے تو ممکن ہے کہ اس کو کچھ بھی نہ بچے۔ بلکہ دوسروں کو مقررہ معاوضے ادا کرنے بھی دشوار ہو جائیں۔ یہی وہ طریق پیدایش ہے، جس کے تحت میں لگان، اجرت، سود اور اجرت تنظیم کے مسائل نمودار ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ آجر کو کار و بار سے جو کچھ آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ اجرت تنظیم سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں ان عاملین پیدایش

باب پنجم فصل ۳

ہیں ان کی آمدنی شمار کرنے کا یہی طریق ہے، جو ابھی بیان ہوا۔ رعایت کی بہت سی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً بلا کرایہ مکان مل جائے۔ بڑھاپے میں پنشن ملے بیماری میں علاج مفت ہو۔ غرضیکہ وہ تمام رعایتیں آمدنی میں شمار ہونی ضرور ہیں جن کا تخمینہ روپیہ کے ذریعۂ سے بیان میں آ سکتا ہے۔

تقسیم دولت کی تحقیق

تقسیم دولت کا مطالعہ کرتے وقت معاشی کو یہ دریافت کرنا پڑتا ہے کہ لوگ جو جو عاملین پیدائش مہیا کرتے ہیں۔ ان کی کارگذاری کے معاوضہ میں کیا کیا پاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف ایک ہی عامل مہیا کرے تو اس کی آمدنی کے مجموعہ سے بحث ہوگی۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ عامل مہیا کرے تو ہر ایک عامل کی کارگذاری کے معاوضہ میں جتنی جتنی آمدنی حاصل ہوتی ہو ان کی سب مدوں سے جدا جدا بحث کرنی پڑتی ہے۔ اس طریق سے اُن اسباب پر غور کیا جاتا ہے جو سود لگان، اجرت اور اجرتِ تنظیم کی شرح پر اثر ڈالتے ہیں۔ آیندہ بیان سے واضح ہوگا کہ عاملین پیدائش کی حالت بھی بعینہ ویسی ہے جیسی کہ گذشتہ باب میں مال اور اسباب کی بیان ہو چکی ہے۔ محنت اور اصل کی رسد و طلب میں بھی ایسا ہی توازن ہوتا ہے جیسا کہ چیزوں کے رسد و طلب میں۔ لگان، سود اور اجرت گویا وہ قیمتیں ہیں جو ان عاملین کی کارگذاری کے مبادلہ میں دی جاتی ہیں مگر ساتھ ہی اس کے ہر ایک عامل کے چند خواص جداگانہ ہیں جن کا لحاظ لازم ہے۔ پس نہ تو زمین سرا سر عام چیزوں کے مماثل شمار ہو سکتی ہے اور نہ محنت اور نہ اصل ہو سکتا ہے۔

بننے اور کرایہ پر میں فرق

عام چیزوں اور عاملین پیدائش میں ایک بدیہی فرق ہے اور مفصل

بحث سے قبل اس کو بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا - چیزیں لینے کا عام طریق تو یہ ہے کہ یکمشت قیمت ادا کر دی - اور چیز مبادلہ میں لے لی - لیکن عاملین پیدایش کی کارگذاری کے معاوضہ یا قیمت کا دار مدار وقت کی اس مقدار پر ہے جو ان کی کارگذاری میں صرف ہو - بالفاظ دیگر عام چیزیں اکثر خریدی جاتی ہیں لیکن عاملین پیدایش کرایہ پر لئے جاتے ہیں - یہ صحیح فرق کچھ زیادہ اہم نہیں - اول تو چیزوں کا کرایہ پر لینا کوئی انوکھی بات نہیں اگرچہ یہ صحیح ہے کہ کرایہ پر لینے کا اس قدر عام رواج نہیں جس قدر ان کے خریدنے کا ہے - ہم گاڑیاں کرایہ کرتے ہیں، مکانات کرایہ پر لیتے ہیں اور کبھی کبھی چند روزہ استعمال کے واسطے میز کرسی اور پلنگ تک کرایہ پر لئے جاتے ہیں - اس کے برعکس ممکن ہے کہ پیدایش دولت کا کام سرانجام دینے کے واسطے زمین خرید لی جائے، اگرچہ معمولاً وہ کرایہ پر اٹھتی ہے - مزدور بھی کسی نہ کسی حد تک خریدنے ممکن ہیں - مثلاً ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان میں غلام خرید و فروخت ہوتے تھے - اور بعض نیم متمدن ممالک میں اب بھی یہ تجارت جاری ہے - یہی غلام مزدوروں کا کام کرتے ہیں - پس ثابت ہوا کہ خریدنے اور کرایہ پر لینے کا فرق کوئی ایسا فرق نہیں جو عام چیزوں اور عاملین پیدایش میں امتیاز قائم کر سکے پس طلبا کو اس پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ عاملین پیدایش کی کارگذاری کا معاوضہ کیونکر قرار پاتا ہے - معاوضہ یکمشت ادا ہونے کے بجائے اگر وقتاً فوقتاً ادا ہوتا رہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں بحث کی نوعیت پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا -

باب پنجم فصل ۳۴

فصل تینتیس

سود

سودی قرضہ

یہ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ قرض پر سود لینے دینے کا ہندوستان میں کب سے رواج نکلا بارہویں فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ سود کا رواج پس اندازی کے رواج کے بعد پیدا ہوا ہوگا کیونکہ اندوختہ سے اصل نکلتا ہے اور بغیر پس اندازی کے اندوختہ کا وجود کیونکر ممکن ہے غالباً اول اول تو لوگوں نے اپنا اندوختہ خود ہی بطور اصل استعمال کیا ہوگا۔ یعنی کار و بار اپنے ہی ذمہ رکھا ہوگا۔ لیکن رفتہ رفتہ کچھ عرصہ میں سود پر زر اصل کے قرض لینے دینے کا رواج پھیل گیا۔ ہم بالتحقیق نہیں کہہ سکتے کہ ضرور ایسا ہی ہوا لیکن قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم رواج سود کی ایسی ہی ابتدا تصور کرکے ایک فرضی مثال پیش کرتے ہیں جس سے اُس کار و بار پر روشنی پڑے گی جو ہمارے پیش نظر ہے۔

فرض کرو کہ کسی کاشتکار کے ہل چلانے والے بیل یکایک مر گئے اور اس کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ اور بیل خرید لے۔ مگر اس کے ہمسایہ نے بہت سا غلہ بچا رکھا ہے۔ پس وہ اس سے درخواست کرتا ہے کہ کچھ غلہ مستعار دیدو تاکہ میں بیل خرید لوں۔ ہمسایہ عذر کرتا ہے کہ

اس کو خود اپنی ضروریات درپیش ہیں ۔ مثلاً ایک نیا مکان بنوانا ہے۔کاشتکار اصرار کرتا ہے کہ نئے مکان بنوانے کی کیا جلدی پڑی ہے، ایک سال میں قرض وصول ہو جائے تب مکان بنوا لینا۔ ہمسایہ جواب دیتا ہے کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ اُس وقت تک انتظار کروں ۔

باب پنجم فصل ۳۳

کاشتکار اس سوال کا دو طرح پر جواب دے سکتا ہے ۔ ایک تو یہ کہ بھئی ہم تم عزیز یا پرانے دوست ہیں ۔ مجھ کو سخت ضرورت ہے کھیت جوتے بغیر میری کیونکر گذر ہوگی ۔ اگر ہمسایہ مروت میں آکر قرض دے نکلا تو گویا یہ قرضِ حسنہ ہوگا اور سود خارج از بحث ہے ۔ اگر ہمسایہ مروّت نہ برتے تو کاشتکار دوسرا جواب یہ دے سکتا ہے کہ قرض دینے میں تم کو نفع ہوگا ۔ میں اگلے سال تم کو تمہارے غلہ سے زیادہ دیدوں گا ہمسایہ لالچ میں آکر قرض دینے پر آمادہ ہو جائے اور یہ قرار پائے کہ پچیس من غلہ دیکر اگلے سال تیس من غلہ وصول کر لے گویا اس طور سے اصل کے قرض لینے دینے کی ابتدا ہوئی ۔ اور شرح سود اس خاص معاملہ میں بیس فی صدی قرار پائی ۔

اس مثال کی تفصیل پر غور کرنا چاہئے ۔ کیونکہ اس سے قرض یا سود کے اساسی نکات واضح ہوتے ہیں قرض گیر کو کچھ دولت فوری استعمال کے واسطے درکار ہے ۔ اور اس احتیاج کو پوری کرنے کی غرض سے وہ اس بات پر رضامند ہو جاتا ہے کہ کچھ روز بعد قرض سے زیادہ مقدار ادا کرے ۔ یہ احتیاج بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ باب سوم میں بیان ہو چکی ہے ۔ اس کو پورا کرنے کے واسطے لوگ اسی طرح دولت ادا کرتے ہیں جیسے کہ کوئی روپیہ دیکر گھی خریدے ۔ قرض دہندہ کے پاس کچھ

باب پنجم دولت موجود ہے چاہے تو اس سے وہ اپنی احتیاجات پوری کرلے
فصل ۳۴ لیکن اس کا خیال ہے کہ سال بھر بعد جو زیادہ دولت قرض دار سے
وصول ہو گی اس سے بیشتر احتیاجات پوری ہوسکیں گی بہ مقابل اس
کے کہ موجودہ دولت ابھی صرف کردی جائے۔ بالفاظ دیگر سال بھر
بعد زیادہ احتیاجات پوری ہوں گی۔ اور اس وقت کم۔ پس انتظار کرنا
ہی بہتر ہے۔ اس وقت دولت صرف کرنے میں اتنا فائدہ نہیں ہے جتنا
کہ سال بھر انتظار کرنے کے بعد صرف کرنے میں ہوگا۔

تعین شرح سود اوپر کی مثال میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ شرح سود قرار پانے سے
قبل فریقین قرض کے معاملہ میں کچھ بات چیت کرتے ہیں۔ اور ان کی
حیثیت اس معاملہ میں بالکل وہی ہے جو کسی چیز کے خریدار اور فروشندہ
کی ہوتی ہے۔ قرض گیر کم سے کم سود ادا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور شرح
سود کی ایک حد ہے کہ اس سے بڑھ کر قرض گیر ادا کرنا گوارا نہیں
کر سکتا۔ خریدار کا بھی قیمت کے معاملہ میں یہی طرز عمل ہوتا ہے مثلاً
اگر قرض گیر دیکھے کہ قرض کا دوگنا بطور سود ادا کرنا پڑیگا تو غالباً وہ
قرض لینے کی جرأت نہ کریگا۔ اتنا سود بھلا کہاں سے لائیگا۔ البتہ ممکن
ہے کہ زیادہ سے زیادہ پچاس فی صدی تک سود کا متحمل ہو سکے
لیکن اگر کم شرح سے قرض ملنے کی امید ہو تو وہ پچاس فی صدی پر
بھی آمادگی ظاہر نہ کریگا۔ اس کے برعکس قرض دہندہ کی حالت
فروشندہ کی سی ہوگی۔ وہ زیادہ سے زیادہ سود وصول کرنے کی
کوشش کریگا۔ اور کم سے کم سود کی بھی اس کی نظر میں ایک
حد ہوگی۔ کہ اس سے کم پر وہ قرض دینا پسند نہ کریگا اور اس سے

زیادہ جتنا بھی سود مل سکے گا نہ چھوڑیگا۔

پس معلوم ہوا کہ پرانے زمانہ میں جو کبھی کبھار قرض کا لین دین ہوتا تھا اس کی بھی بعینہ وہی حالت تھی جو آج کل چیزوں کی خرید و فروخت کی ہے۔ اس زمانہ میں قرض کا کار و بار بہت کم رائج تھا اور چیزوں کی طرح اصل کا کوئی با قاعدہ بازار نہ تھا کہ وہاں لوگ قرض لیتے دیتے۔ بلکہ سچ پوچھو تو ہندوستان کے بہت سے دیہات میں اب تک ایسے بازار مفقود ہیں۔ اصل قرض لینے دینے کا کار و بار اب تک جو کچھ بھی پھیلا ہوا ہے وہ رسم و رواج کی بنا پر جاری ہے۔ اور اور گاؤں گاؤں میں اس کی نوعیت مختلف ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص قرض دے اور وہ اس کو ح سود وصول ہوتا رہے تو قرض دینے میں اس کی جرأت بڑھتی جائیگی۔ حتیٰ کہ کچھ عرصہ بعد یہی لین دین اس کا خاندانی پیشہ قرار پائیگا۔ جن کاشتکاروں کو قرض کی ضرورت ہوئی وہ بھی قدرتاً ان ہی قرض دہندوں سے درخواست کرینگے کہ جو ان کی جان پہچان ہوں۔ اور جن سے لین دین رہ چکا ہو۔ پس بہ حالت موجودہ گاؤں میں ایک طرف تو بہت سے لوگوں کو وقتاً فوقتاً قرض کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور دوسری طرف معدودے چند بلکہ بعض گاؤں میں صرف ایک ہی شخص قرض دینے پر آمادہ رہتا ہے اور وہ بھی بشرطیکہ اس کی نقطۂ نظر سے بشرح مناسب سود مل سکے۔ ان قرض دہندوں کی حالت ان خردہ فروشوں سے بہت ملتی جلتی ہے۔ جن کا اٹھائیسویں فصل میں ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بھی شرح سود اسی طرح پر معین کر دیتے ہیں جیسے

باب پنجم — فصل ۳۳

کہ دکان دار غلہ کا نرخ مقرر کرتے ہیں۔ البتہ اضافہ شرح پر ایک بندش ضروری قائم رہتی ہے۔ وہ یہ کہ قرض دہندوں کو خوف رہتا ہے کہ اگر شرح بہت بڑھائی تو لوگ قرض لینا چھوڑ دیں گے اور سود سے ان کو بہت کم آمدنی ہوگی۔ پس یہ لوگ ایک رسمی یا معمولی شرح مقرر کر رکھتے ہیں اور طلب اصل میں جو کمی بیشی نمو دار ہوتی ہے اس کے مطابق اس شرح کی ترمیم ہوتی رہتی ہے یعنی جب مانگ کم ہو تو روپیہ بیکار رکھنے کے بجائے وہ معمولی شرح سے کم پر قرض دے دیتے ہیں اور جب مانگ بڑھے تو معمول سے زیادہ شرح وصول کرنے لگتے ہیں۔

اصل کے بازار ساہوکار اور بنک

معمولی دیہات میں جس طرح کہ غلہ یا اور چیزوں کا کوئی باقاعدہ بازار نہیں اصل کا بھی نہیں ہوتا۔ اصل کا بازار دیکھنا ہو تو کسی شہر یا قصبہ میں جا کر دیکھنا چاہئے وہاں البتہ بازار کا رنگ نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو ان لوگوں کی جماعتِ کثیر جو قرض لینا چاہتی ہے اور کم سے کم شرح سود پر لینا چاہتی ہے۔ دوسری طرف قرض دینے والوں کا گروہ جو زیادہ سے زیادہ سود وصول کرنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ قرض دینے میں بنک خاص طور پر سرگرم رہتے ہیں۔ ان کا مختصر حال سولھویں فصل میں بیان ہو چکا ہے۔ بنکوں کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ عوام کا روپیہ جمع کریں اور لوگوں کو قرض دیں۔ اس لین دین سے جو منافع ہو اس کا ایک حصہ تو جمع کرنے والوں کو بطور سود دیا جاتا ہے کچھ کار و بار میں خرچ ہوتا ہے، اور کچھ بنک کو بطور منافع بچ رہتا ہے۔ جب بنک جمع شدہ روپیہ پر جمع کنندوں کو سود دیتا ہے تو لازم ہوا کہ

وہ قرض پر قرض گیروں سے اور بھی زیادہ سود وصول کرے ورنہ پھر اس کو منافع ملنا کیونکر ممکن ہے۔ پس ہر ایک بنک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ جہانتک ممکن ہو اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر جمع شدہ روپیہ لوگوں کو قرض دے۔ بس اتنی رقم اپنے پاس رکھ لے کہ جو لوگ اپنا جمع شدہ روپیہ فوراً واپس لینا چاہیں وہ لے سکیں۔ بنکوں کی حالت بھی اُن ہی لوگوں کی سی ہے جو بازار میں مال اور سامان فروخت کرتے ہیں وہ بھی اپنا روپیہ اسی طرح قرض دینا چاہتے ہیں، اور اول الذکر کو اعلےٰ سے اعلےٰ شرح سود مطلوب ہوتی ہے جیسے کہ آخرالذکر کو زیادہ سے زیادہ قیمت۔ اور خواہ دکان دار ہوں یا بنک، کاروباری ترقی کے جوش میں یہ اپنے اپنے حریفوں سے خوب مقابلے کرتے رہتے ہیں۔

قرض گیروں میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو کسی ضرورت کے واسطے روپیہ قرض لیں۔ ضروریات بہت قسم کی ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہر قرض گیر یہی چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے کم سود دینا پڑے۔ پس ایک طرف تو قرض گیروں میں مقابلہ ہے کہ جتنا قرض مل سکے اس کو منگوالیں۔ دوسری طرف بنک کوشاں ہے کہ جتنا روپیہ قرض دینا منظور ہو وہ سب کا سب قرض پر نکل جائے۔ پس اصل کا بازار بھی ہر لحاظ سے ویسا ہی باقاعدہ نظر آتا ہے جیسا گیہوں کا تھوک فروش بازار جس کا بیان گذشتہ باب میں درج ہو چکا ہے۔

اصل کے بازار

اصل کے بازار میں ایک بات خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ گیہوں کے بازار میں فروشندوں کو دوسرے مقامات کی حالتِ رسد و طلب پر بھی ہر وقت نظر رکھنی پڑتی ہے۔ کیونکہ گیہوں ایک جگہ سے دوسری جگہ

باب پنجم فصل ۳۳

بآسانی جا سکتا ہے اور جہاں سب سے زیادہ قیمت ملے وہیں فروخت ہو سکتا ہے لیکن اصل کو جگہ جگہ لے جانا گیہوں لے جانے سے بھی کہیں زیادہ سہل ہے۔ جب تک طلبا ساکھ یا اعتبار کے مضمون سے خوب واقف نہ ہو جائیں۔ اصل کی نقل پذیری پورے طور پر سمجھنی مشکل ہے لیکن اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ایک لاکھ روپیہ کلکتہ سے بمبئی بھیجنا بہت سہل ہے۔ حالانکہ ایک روپیہ کے گیہوں بھیجنے میں مقابلتہً بہت زیادہ دقت پیش آئیگی اور اس پر طرہ یہ کہ نوٹ کی شکل میں روپیہ بھیجنا بھی بہت ہی بھونڈا طریق ہے آج کل ساکھ اور بنکوں کے طفیل سے چند الفاظ کا تار دینا کافی ہے اور بڑی سے بڑی رقم کلکتہ سے کانپور۔ بمبئی۔ رنگون یا لندن پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح جس وقت بھی اعلیٰ منافع کی امید ہو فوراً کوئی رقم دور سے دور ملک تک بھیجی جا سکتی ہے۔ چنانچہ دہلی یا کانپور کے بنک والوں کو نہ صرف ہندوستان کے مختلف مقامات میں اصل کی رسد و طلب کی جو حالت ہو اس سے باخبر رہنا ضروری ہے بلکہ ان کو انگلستان، امریکہ، اور جاپان جیسے دور دراز ممالک کی حالت پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے کہ وہاں اصل کی رسد و طلب کا کیا حال ہے۔ گویا اصل کا بازار گیہوں کے بازار سے بھی زیادہ باقاعدہ اور انتظام یافتہ ہے۔ لیکن طریق وہی ایک ہے۔ ہندوستان میں اصل کے بازاروں کی جو حالت ہے اس کا قدرے مفصل بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اصل کی طلب اور رسد

اس سے قبل واضح ہو چکا ہے کہ عام چیزوں کے بازار کا قاعدہ

ہے کہ قیمت بڑھنے سے مانگ یا طلب گھٹتی ہے اور قیمت کی تخفیف سے مانگ میں اضافہ ہوتا ہے بس یہی حال اصل کا بھی ہے۔ لوگ طرح طرح کی اغراض کے واسطے قرض لیتے ہیں۔ لیکن بیشتر قرض کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس سے پیدائش دولت میں کام لیکر نفع کمائیں اور جتنے زیادہ نفع ملنے کی گنجائش ہوگی اسی قدر زیادہ زیادہ اصل سے لوگ کار و بار چلائیں گے۔ ہر کوئی آجر دل میں یہی سوال کرتا ہے کیا زیادہ اصل لگانے سے منافع میں اضافہ ہو سکتا ہے؟۔ مثلاً وہ حساب لگاتا ہے کہ اگر دس ہزار روپیہ کی لاگت سے چند نئی کلیں کارخانہ میں لگا دی جائیں تو آمدنی میں دو ہزار روپیہ سال کا اضافہ ممکن ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس فرید آمدنی میں سے ہزار روپیہ سال بطور مطالبات فرسودگی پس انداز کرنے ضروری ہیں۔ پس اب دیکھنا یہ ہے کہ ہزار روپیہ سال کی آمدنی کی خاطر نئی کلیں لگائی جائیں یا نہیں۔ اس سوال کے جواب کا دار مدار اصل مستعار کی شرح سود پر ہے۔ اگر چار فی صدی سود کے حساب سے قرض مل جاوے تو وہ یقیناً دس ہزار روپیہ قرض لیکر نئی کلیں خرید لیگا۔ کیونکہ اس کو صرف چار سو روپیہ سالانہ سود ادا کرنا پڑیگا اور ہزار روپیہ سال آمدنی بڑھ جاوے گی۔ گویا چھ سو روپیہ سال کی بچت رہیگی۔ لیکن اگر شرح سود دس فی صدی ہو تو کل فرید آمدنی سود کی نذر ہو جائیگی اس غریب کے پلے کچھ نہ پڑیگا۔ پھر وہ کیوں دردِ سر خرید نے لگا۔ لیکن اگر شرح سود دس فی صدی سے کچھ کم ہوتا کہ اس کو سو پچاس روپیہ بچ رہیں تب اس کا ارادہ مذبذب ہوگا۔ خواہ اتنے قلیل منافع

باب پنجم کی خاطر قرض لیکر کلیں خریدے یا نہ خریدے۔

فصل ۲۲ تاجر جو قرض لیتے ہیں اس کا دار مدار بھی سود کی شرح پر ہے۔ جو تاجر کہ فصل کے موقع پر کاشتکاروں سے غلہ خریدتے ہیں ان کو بالعموم نقد قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ پس کچھ رقم موجود رہنی چاہئے فرض کرو حساب سے معلوم ہوا کہ اگر غلہ دیہات سے خریدکر دور دراز بازاروں میں فروخت کیا جائے تو دو ماہ کے عرصہ میں دو فی صدی کے حساب سے منافع مل سکتا ہے۔ جس سے کار و بار کے اخراجات مثلاً غلہ لے جانے کا خرچ وغیرہ خارج ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اتنے منافع کی خاطر اصل قرض لیکر کار و بار چلانا چاہئے یا نہیں۔ دو ماہ میں دو فی صدی کے حساب سے بارہ فی صدی سالانہ منافع ہوا۔ اب اگر قرض پر بھی بارہ فی صدی سالانہ کے حساب سے سود دینا پڑے تو کار و بار لا حاصل بلکہ مفت کا درد سر ہے۔ لیکن اگر کہیں چار فی صدی سالانہ سود پر قرض ملجائے تو وہ بہت کچھ کار و بار پھیلائیگا۔ اور اگر شرح سود دس فی صدی ہو تو ممکن ہے کار و بار کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ اس میں منافع کی بہت کم گنجایش نظر آتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر قسم کے قرض گیروں کی ایک سی حالت ہے اعلیٰ سے اعلیٰ شرح سود کی ایک حد ہے کہ اس سے بڑھ کر ادا کرنے پر کوئی قرض گیر رضامند نہ ہوگا۔ کیونکہ منافع کی پھر کوئی گنجایش ہی نہیں رہ جاتی۔ سب قرض گیروں کے واسطے یہ حد کسی ایک معین مقدار پر عائد نہیں ہوتی بلکہ کار و بار کی نوعیت کے لحاظ سے

باب پنجم
فصل ۲۲

قرض گیروں کی نظر میں مختلف مقداروں پر عائد ہوتی ہے مگر ایک خاص توجہ طلب بات یہ ہے کہ خواہ کوئی مقدار ایسی حد قرار پائے شرح سود اس مقدار سے جس قدر کم ہو گی لوگ اسی قدر زیادہ قرض لیں گے۔ چنانچہ بڑے بڑے بازاروں میں شرح سود خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، کچھ لوگ تو مذبذب ہوتے ہیں کہ قرض لیں یا نہ لیں اور کچھ اس چہ کنم میں رہتے ہیں کہ قرض لیں تو کتنا لیں۔ شرح میں ذرا ذرا سی تبدیلیاں ہونے سے قرض گیروں کے ارادوں میں فرق آتا رہتا ہے۔ پس جہاں تک مانگ یا طلب کا تعلق ہے اصل کی حالت معمولی مال کی سی ہے اور قانون طلب اس پر صادق آتا ہے۔

اب اصل کی رسد کا پہلو لیجئے۔ جس قدر روپیہ قرض مل سکے وہ بیشتر یا تو بنکوں کے پاس رہتا ہے یا ان لوگوں کے پاس جو روپیہ کا لین دین کرتے ہیں، اور جو بالعموم سیٹھ یا مہاجن کہلاتے ہیں۔ اگر شرح سود بہت ہی ادنےٰ ہو تو ان میں سے کوئی بھی قرض دینا گوارا نہ کریگا اور شرح سود جس قدر اعلیٰ ہوگی اتنا ہی زیادہ زیادہ روپیہ قرض دینے پر یہ سب کے سب آمادہ ہو جائیگے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جس طرح قیمت بڑھنے سے گیہوں کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اُسی طرح شرح سود چڑھنے سے اصل کی رسد بڑھتی ہے بلکہ اصل کی رسد کا اضافہ بہت صاف نظر آ جاتا ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اصل بہ مقابل گیہوں کے بہت زیادہ سہولت اور سرعت کے ساتھ جگہ بہ جگہ پہنچ سکتا ہے۔ پس ایک طرف تو قرض گیر

باب پنجم کم سے کم شرح سود پر قرض لینے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری
فصل ۴۳ طرف قرض دہندے اعلیٰ سے اعلیٰ شرح وصول کرنے کی فکر میں
لگے رہتے ہیں۔ اور فریقین کی حیص بیص سے بالآخر خالص سود کی
ایک بازاری شرح قرار پاتی ہے۔ کہ جس پر موجودہ طلب اور رسد کا توازن
قائم ہو جاتا ہے۔

سود اور قیمت میں جو ایک بین فرق ہے سود خالص
کی اصطلاح سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اگلی فصل میں یہ فرق
بخوبی واضح ہو جائیگا۔

باب پنجم
فصل ۳۴

سود

سود خام وسود خالص

طلباء کو یاد ہوگا کہ چیزوں کے بازار کا حال بیان کرتے وقت اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ گو چیزوں کی قیمت جلد جلد بدلتی رہتی ہے۔تا ہم ایک وقت میں ایک ہی قیمت متوازنہ قائم رہ سکتی ہے مثلاً یہ ممکن نہیں کہ کسی بازار میں ایک ہی وقت ایک قسم کے گیہوں سولہ سیر اور بیس سیر کے نرخ سے فروخت ہوں اور اصل کے بازار کا اگر سرسری حال معلوم ہو تو فوراً خیال ہوتا ہے کہ سود کی حالت قیمت سے بالکل مختلف ہے۔ قیمت کی طرح سود کی شرح ایک وقت میں یکساں ہونی ضروری نہیں۔کوئی چار پانچ فی صدی کے حساب سے قرض لے رہا ہے توکسی کو دس بارہ فی صدی پر قرض مل رہا ہے اور بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اور چیزوں کی ایک بازاری قیمت ہوتی ہے سود کی کوئی بازاری شرح نہیں۔ اس فرق کا باعث یہ ہے کہ جو رقم روز مرہ کی بول چال میں سود کہلاتی ہے وہ اکثر کل کی کل اصل کی کار گذاری کا معاوضہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے علاوہ اس میں بعض اور بھی مدیں شامل ہوتی ہیں۔چنانچہ اس بنا پر سود کی دو قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔ **سود خالص**۔اور **سود خام**

باب پنجم فصل (۴۴)، سود کی آخرالذکر قسم سے تو وہ کل رقم مراد ہوتی ہے جو قرضدار قرض کے علاوہ ادا کرتا ہے اور جو کہ عرف عام میں سود کہلاتی ہے اور اول الذکر قسم سے سود خام کا وہ جزو مراد ہوتا ہے جو محض اصل کی کار گذاری کا معاوضہ ہو اور اس میں کوئی اور مد شامل نہ ہو۔

مطالبات بیمہ

سود خام میں سود خالص کے علاوہ بالعموم دو مدیں اور شامل ہوتی ہیں۔ ایک تو اس بات کے مطالبات بیمہ کہ وقت موعودہ پر شاید قرضدار قرض ادا نہ کرے۔ مال بیچنے والوں کو تو ایسا کوئی خطرہ پیش آ نہیں سکتا کیونکہ جب مال دیدیا اور قیمت لے لی تو معاملہ ختم ہوگیا۔ لیکن قرض کا معاملہ مدتوں تک چلتا ہے ممکن ہے کہ اسی دوران میں قرض دار کی حالت تباہ ہوجائے وہ قرض ادا نہ کرسکے اور کل رقم ماری جائے۔ فرض کرو کہ کوئی شخص قرض لیکر کارخانے کے واسطے کلیں خریدے مگر بدقسمتی سے وہ کلیں ناموزوں ثابت ہوں ان کے چلانے سے کچھ منافع نہ ہو یا قرض کے روپیہ سے غلہ خریدے مگر بعد کو قیمت اس قدر گھٹے کہ منافع کا تو ذکر کیا اُلٹی رقم ڈوب جائے۔ پس قرض دینے میں یہ جوکھم تھوڑا بہت ضرور لگا رہتا ہے کہ رقم واپس نہ ملے چنانچہ قرض دہندہ سود خالص کے علاوہ اس جوکھم کی بنا پر کچھ رقم مطالبات بیمہ کے طور پر بھی وصول کرتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص دس ہزار روپیہ کی بہت سی چھوٹی چھوٹی رقمیں لوگوں کو سود پر قرض دے اور اس خطرے کی بنا پر دو فی صدی زائد وصول کرے تو گویا سود خالص کے علاوہ خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو

باب پنجم
فصل (۴۴)

اس کو دوسو روپے بطور مطالبات بیمہ زائد وصول ہوں گے۔ اب اگر اس کو کل رقم یعنی دس ہزار روپیہ جو قرض دیا تھا وصول ہوگیا تو مطالبات بیمہ کے یہ دو سو روپیہ بچ رہے اور اگر قرض کے پانسو روپیہ وصول نہ ہوسکے تو دو سو تو مطالبات بیمہ سے وصول ہوگئے اور باقی تین سو روپیہ مارے گئے ؛

ہر قرض گیر کے متعلق قرض دہندے کو جس قدر جوکھم نظر آتا ہے اسی کے مطابق وہ مطالبات بیمہ کی مقدار تجویز کرتا ہے۔ اگر معلوم ہو کہ قرض گیر ایماندار اور خوش حال ہے تو مطالبات کی مقدار بہت قلیل ہوگی اگر مالی حالت اچھی نہ ہو تو قرض ادا نہ ہونے کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے اور مطالبات بیمہ میں بھی اضافہ ہونا لازمی ہے۔ اگر قرض گیر کہیں بد معاملہ بھی مشہور ہو تو پھر ممکن ہے کہ قرض ادا کرسکنے پر بھی وہ ادا نہ کرے۔ اس حالت میں جو کوئی بھی اس کو قرض دے گا مطالبات بیمہ بہت زیادہ طلب کرے گا کاروبار میں کسی کے ساکھ کی عمدگی سے مراد یہ ہے کہ لوگ اس کو خوش حال اور خوش معاملہ خیال کریں اور اس کے متعلق یہ خطرہ دل میں نہ گزرے کہ وہ قرض ادا نہ کرے گا اسکے برعکس ساکھ کی خرابی کے یہ معنی ہیں کہ لوگوں کو اُس کے متعلق یہ بدگمانی ہو کہ یا تو وہ قرض ادا نہ کرسکے گا یا ادا کرنا نہ چاہے گا۔ چنانچہ جس شرح سود سے کسی کو قرض ملے اس سے اس کے اعتبار کا اندازہ ہوسکتا ہے اچھی ساکھ والوں کو قرض کمتر شرح سود پر ملے گا اور خراب ساکھ والوں کو اعلیٰ شرح سے بھی ملنا دشوار ہوگا

باب پنجم فصل (۳۴)

ساکھ کے علاوہ مطالبات بیمہ کی کمی بیشی ضمانت کی نوعیت پر بھی بہت کچھ منحصر ہے۔ کبھی تو محض ذاتی ضمانت پر یعنی قرض گیر کے وعدۂ ادائیگی کے بھروسے پر قرض دیدیتے ہیں۔ ذاتی ضمانت پر صرف ان لوگوں کو قرضہ مل سکتا ہے جن کا اعتبار بہت بڑھا چڑھا ہو۔ تاہم ایسے قرضہ پر مطالبات بیمہ بشرح اعلیٰ وصول کئے جاتے ہیں کیونکہ قرض گیر کیسا ہی خوش معاملہ سہی ممکن ہے کہ اس کی مالی حالت یکایک خراب ہو جائے اور وہ قرض ادا نہ کر سکے البتہ اگر ایسے ہی عمدہ اعتبار والے دو چار لوگ اس کی ضمانت کر لیں تو کمتر شرح سے قرض مل سکتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر قرض دار معذور ہوجائے تو دوسرے ضامن قرض کے دیندار رہیں گے اور یہ خطرہ بہت ضعیف ہے کہ سب کے سب قرض ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ یا دوسرا طریق یہ ہے کہ قرض گیر کچھ مال یا جائداد بطور ضمانت پیش کرے۔ مثلاً زیور۔ جواہرات مکانات اور باغ تاکہ اگر قرض ادا نہ ہوسکے تو قرض خواہ مال ضمانت فروخت کرکے اپنا روپیہ وصول کرلے۔ اگر ضمانت سے روپیہ بآسانی وصول ہونا ممکن ہو تو مطالبات بیمہ آپ ہی کم ہوں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ لوگوں سے قرض کا جو معاوضہ وصول کیا جاتا ہے اسمیں سود خالص کے علاوہ تھوڑے بہت مطالبات بیمہ شامل ہوتے ضرور ہیں÷

اجرت تنظیم

سود خالص کے علاوہ ایک مد تو اوپر بیان ہوئی یعنی مطالبات بیمہ۔ دوسری مد جو قرض کے معاوضے میں شامل ہوتی ہے اُسے

باب پنجم
فصل (۳۴)

قرض دہندہ کا معاوضہ تنظیم سمجھنا چاہیئے یعنی قرض دینے اور وصول کرنے میں اس کو جو محنت اُٹھانی پڑتی ہے اس کی اجرت بھی وہ قرضدار سے وصول کرتا ہے۔ ہر معاملہ میں جس قدر محنت اس کو برداشت کرنی ہوگی۔ اسی کے لحاظ سے وہ اجرت تنظیم سود میں شامل کریگا۔ مثلاً اس کو یہ تحقیق کرنا پڑے کہ رہن نامہ قانوناً جائز ہے یا نہیں یا اس کو جواہرات مرہونہ کی نگہداشت کرنی پڑے کہ چوری نہ جاویں یا یہ پتہ لگانا پڑے کہ قرض گیر کی ساکھ کس پایہ کی ہے وقس علیٰ ہذا۔ پس سود خالص دریافت کرنیکا قاعدہ یہ ہے کہ قرض کے علاوہ جو معاوضہ قرض دہندہ کو ادا کیا جائے اس میں سے کچھ مقدار تو بمد مطالبات بیمہ منہا کردی جائے اور جو کچھ اجرت تنظیم کی مد میں باقی بچے وہی سود خالص سمجھنا چاہیئے

سود خالص اور سود عام کا تعلق ایک مثال سے اور بھی واضح کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ بنک مختلف لوگوں کو ۶ - ۸ - ۱۰- اور ۱۲ فی صدی کے حساب سے روپیہ قرض دے اور ان مختلف شرحوں میں اجرت تنظیم یکساں ۲ فی صدی شامل ہو۔ یہ ۲ فی صدی منہا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قرض گیر ۴ - ۶ - ۸ اور ۱۰ فی صدی جو معاوضہ ادا کرتے ہیں اس میں سود خالص اور مطالبات بیمہ شامل ہیں سود خالص کی شرح بھی سب قرضوں کے متعلق وہی ایک ہوگی مثلاً ۳ ½ فیصدی یہ مقدار منہا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہی مطالبات بیمہ سمجھے

باب پنجم فصل ۲۴

چاہئیں گویا اس مد میں بعض قرض گیروں سے صرف نصف فی صدی وصول کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی ساکھ بہت اعلیٰ درجے کی ہے یا انہوں نے کوئی عمدہ ضمانت داخل کردی ہے۔ باقی قرض گیر ۲ ½ - ۴ ½ اور ۶ ½ فی صدی کے حساب سے مطالبات ادا کرتے ہیں اور ان کا اعتبار بھی اسی نسبت سے ضعیف ہے بنک کے مینیجر نے سب قرض لینے والوں کی ساکھ پر نظر کرکے اسی کی عمدگی و خرابی کے لحاظ سے یہ مختلف شرحیں قرار دی ہیں اور اس نے اپنے تجربے سے اندازہ کرلیا ہو گا کہ اگر رقمیں وصول نہ بھی ہوں تو ان مطالبات سے ان کی تلافی ہوجاوے گی اور بحیثیت مجموعی بنک کو نقصان نہ پہنچے گا۔ گویا قرض وصول نہ ہونے سے جس قدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے بشکل مطالبات بیمہ اس کی تلافی کا پہلے ہی سے بندوبست کرلیا گیا ہے اور یہ تخمینہ مینیجر کے تجربے اور کاردانی پر منحصر ہے +

پس واضح ہوا کہ اصل کی طلب و رسد سے جو بازاری شرح قرار پاتی ہے وہ سود خالص کی شرح ہوتی ہے۔ اور سود خام جو قرضدار ادا کرتے ہیں اس میں سود خالص کے علاوہ اور دو مدیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ یعنی مطالبات بیمہ اور اجرت تنظیم سود خالص کی شرح کا پتہ لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ اخباروں میں تو سود خام کی شرحیں شائع ہوتی ہیں اور اس کے اجزا کی کوئی تفصیل نہیں ہوتی ہے۔ کہ سود خالص اسقدر ہے

اور مطالبات بیمہ و اجرت تنظیم اس اسقدر۔ لیکن جو شرح بنک کی طرف سے شائع ہوتی ہے اور جس کو شرح بنک کہتے ہیں اس میں جو جو تبدیلیاں مختصر دوران میں نمودار ہوتی ہیں انہی سے شرح سود خالص کی کمی بیشی کا پتہ چلتا رہتا ہے تینوں پریسیڈنسی بنکوں میں سے ہر ایک یعنی بنگال بنک۔ بمبی بنک مدراس بنک وقتاً فوقتاً کمترین شرح سود شائع کرتے ہیں کہ جس پر وہ قرض دینے کو آمادہ ہیں بشرطیکہ عمدہ ضمانت مل سکے۔ جب اصل کی افراط ہو اور قرض گیر کم نظر آئیں تو بنک ۴ بلکہ ۳ فی صدی تک شرح گھٹا دیتے ہیں۔ اور جب حالت بدلے یعنی قرض گیروں کی کثرت ہو تو شرح بڑھتے بڑھتے چھ سات فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ بنک کی شرحوں میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اس سے سود خالص کی بازاری شرح کی تبدیلیاں بھی ظاہر ہوجاتی ہیں سود خالص کی شرح بنک کی شرح سے کسی قدر گھٹی رہتی ہے کیونکہ آخرالذکر شرح میں سود خالص کے علاوہ کچھ اجرت تنظیم اور کچھ مطالبات بیمہ بھی شامل ہیں مگر مختصر دوران میں یہ دونوں مدیں زیادہ زیادہ تبدیل نہیں ہوتیں۔ پس اگر بنک کی شرح میں ایک فی صدی اضافہ ہو تو یہ نتیجہ نکالنا بیجا ہوگا کہ سود خالص کی بازاری شرح میں ایک فی صدی یا اس سے کچھ ہی کم اضافہ ہوا۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بازار میں ہر چیز کی ایک معمولی قیمت ہوتی ہے اور بازاری قیمت کا میلان اس کی طرف ہوتا رہتا ہے بعینہ سود خالص کی بھی ایک معمولی شرح ہوتی ہے جبکہ بازاری شرح چڑھی ہوتی ہے تو جو لوگ قرض لینے میں مذبذب

باب پنجم
فصل (۲۴)

ہوں گے وہ قرض کا ارادہ ترک کردیں گے۔ اور اس طرح پر شرح کے بڑھنے سے اصل کی مانگ میں تخفیف ہو جائے گی۔ اور ساتھ ہی اعلیٰ شرح کے لالچ سے قرض دہندے زیادہ زیادہ قرض دینے پر آمادہ ہوجائیں گے گویا شرح کے اضافہ سے اصل کی رسد تو بڑھ جائے گی اور طلب میں تخفیف ہوگی۔ بازاری شرح کے اضافے کا اصل کی رسد و طلب پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ شرح خود بخود گھٹ جاتی ہے۔ اس کے برعکس شرح میں تخفیف ہونے سے قرض گیروں کی جماعت بڑھ جاتی ہے اور قرض دہندے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔یعنی رسد گھٹتی ہے اور طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ بالآخر شرح بھی بڑھ جاتی ہے۔ پس واضح ہوا کہ بازاری اور معمولی شرح میں وہی تعلق ہے جو کہ بازاری اور معمولی قیمت میں +

معمولی شرح میں موسمی تبدیلیاں

البتہ شرح سود کی ایک خصوصیت قابل توجہ ہے وہ یہ کہ سال میں موسم بہ موسم وہ بدلتی رہتی ہے جہاں کہیں اصل وافر کا بڑا حصہ تجارت اور زراعت میں لگا ہوتا ہے بیشتر وہیں شرح میں ایسی موسمی تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں اور چونکہ ہندوستان میں زراعت اور تجارت دونوں کا زور ہے۔ شرح کی موسمی تبدیلیاں اور بھی نمایاں ہوجاتی ہیں قریب قریب ایک ہی وقت پر بہت سی فصلیں تیار ہوتی ہیں۔ کاشتکاروں کو عجلت ہوتی ہے کہ جہانتک جلد ممکن ہو اپنا مال فروخت کرکے کوڑے کریں ہر فصل کے موقع پر زرعی پیداوار خریدنے اور اس کو باہر روانہ

کرنے کے واسطے بہت روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے ہندوستان میں یہی زمانہ تجارت کے عروج کا ہوتا ہے جب بہت سا مال خرید و فروخت ہو چکتا ہے تو پھر تجارت کے واسطے روپیہ کی ضرورت بھی کم محسوس ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ کہ اصل دائر کی طلب ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ بعض مہینوں میں تو وہ بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور باقی مہینوں میں گھٹی رہتی ہے۔ مثلاً کلکتہ کو لو اوائل موسم بارش میں اصل کی طلب سست ہوتی ہے سود کم ملتا ہے اور بنک کی شرح بھی ادنی رہتی ہے۔ لیکن جونہی جوٹ یعنی سن کی فصل تیار ہوئی اس کی تجارت کے واسطے روپیہ کی ہر طرف سے مانگ شروع ہو جاتی ہے۔ اور شرح سود بھی چڑھنے لگتی ہے۔ اتنے میں بنگال اور برما میں چانول کی فصل تیار ہوئی تو روپیہ کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی۔ اور جاڑے کا موسم آیا کہ بمبئی میں روئی کا کار و بار چل نکلا اور وہاں بھی روپیہ کے واسطے لاؤ لاؤ ہونے لگی۔ چنانچہ بنک کی شرح حسب سے سود خالص کی شرح کا پتہ چلتا ہے۔ بالعموم جاڑے کے موسم میں بہت اعلیٰ رہتی ہے۔ اگر فصلِ ربیع اچھی ہو تو گیہوں اور روغندار تخم کی تجارت کے واسطے روپے کی الگ ضرورت پڑتی ہے لیکن فصلوں کا یہ دور ختم ہوتے ہی کچھ دنوں کے واسطے خصوصاً موسم برسات میں بنک کی شرح بہت گر جاتی ہے۔ حتیٰ کہ پھر وہی دور شروع ہو اور اصل دائر کی طلب بڑھے جن طلبار کو شرح سود کی ماہانہ تبدیلیاں مطالعہ کرنی ہوں ان کو

باب پنجم فصل ۱۴

یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ سال بھر موسم موسم کے لحاظ سے طلب اصل کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور نیز سال بسال فصلوں کی حالت کے مطابق اس میں تبدیلی ہوا کرتی ہے۔ بنک کی شرح میں جو کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس کا خاص باعث بھی یہی فصل اور موسم ہے چنانچہ کلکتہ۔ بمبئی جیسے تجارتی مرکزوں کے متعلق جو شرح سود اخباروں میں شائع ہوتی ہے۔ اس کی تبدیلیوں کی توجیہ یونہی فصل و موسم کی حالت سے کی جاتی ہے +

معمولی شرح میں دیرپا تبدیلیاں۔

آخر میں یہ بات جتانی بھی ضرور ہے کہ سود کی ایک معمولی شرح ہوتی ہے۔اور بازاری شرح کا میلان ہمیشہ اس کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ معمولی شرح عرصۂ دراز تک یکساں نہیں رہتی بلکہ کچھ کچھ مدت بعد ملک کی حالت بدلنے کے ساتھ یہ بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔اس مسئلہ پر مفصل بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ طلباء کو معمولی قیمتوں کی تبدیلیاں خوب سمجھ لینی مقدم ہیں چنانچہ تیسویں فصل میں) یہ بحث بھی آئندہ کے واسطے ملتوی ہو چکی ہے۔معمولی قیمت کی تبدیلیوں کے جو اصول تحقیق ہوئے وہی شرح سود کی ان تبدیلیوں پر بھی صادق آتے ہیں جو عرصۂ دراز پر حاوی ہوں۔ سردست صرف چند اسباب مختصراً بیان کئے جاتے ہیں جن سے معمولی شرح میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ان اسباب کی مفصل بحث آئندہ پیش کی جاویگی +

پیدائش دولت کے انتظام میں جوں جوں ترقی ہوتی ہے اصل کی طلب بھی بڑھتی جاتی ہے۔ باب دوم میں واضح ہو چکا

ہے کہ انتظام کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ زیادہ زیادہ اصل سے کام لیا جائے۔اور عمدہ انتظام کے واسطے اصل کی افراط ضروری ہے۔ اگر انتظام کی ترقی سے صرف اصل کی مانگ بڑہتی اور مزید نتائج پیدا نہ ہوتے تو شرح سود بڑہتی چلی جاتی۔ اور بالآخر پیدائش دولت کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مانگ بڑہنے کے ساتھ رسد بھی بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اصل کی رسد کا بیشتر دار و مدار لوگوں کی پس اندازی کی توفیق پر ہے۔ یعنی اس بات پر کہ ان کی آمدنی ان کے مصارف سے بڑھی رہے۔ پیدائش کے انتظام سے دولت بڑہتی ہے۔ زیادہ زیادہ پس انداز کرنے کا موقع نکل آتا ہے۔ اور نہ صرف موقع نکلتا ہے بلکہ پس اندازی کا شوق بھی پیدا ہوجاتا ہے لوگ آئندہ کی ضروریات کا زیادہ خیال کرنے لگتے ہیں اور پس اندازی کے فوائد ان کو صاف صاف نظر آجاتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اندوختہ کو بیکار ڈال رکھنے کے بجائے اس سے اصل کا کام لینا کہیں زیادہ فائدہ مند ہے پس انتظام کی ترقی سے اصل کی طلب بھی بڑہتی ہے اور رسد بھی۔ رہا یہ سوال کہ معمولی شرح میں اضافہ ہوگا یا تخفیف اس کا جواب اضافہ طلب و رسد کی رفتاروں کی باہمی نسبت پر ہے۔ یعنی اگر طلب کا اضافہ غالب رہا تو شرح بڑھے گی اور اگر رسد زیادہ بڑھی تو شرح گھٹ جائے گی۔ بعض معاشیین کو توقع ہے کہ کسی زمانے میں اصل کی اس قدر

باب پنجم
فصل ۱۳۴،

افراط ہوگی کہ اس کی کل مقدار سے کام لینا دشوار ہوگا لہذا اس پہ سود بھی نہ مل سکے گا۔ ممکن ہے کہ کبھی ایسا واقع ہو۔ لیکن معاشیات کے مطالعہ سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ جس قدر اصل دستیاب ہوسکے گا اس سے کام لینے کی گنجائش بھی نکلتی رہیگی۔ اور بالخصوص ہندوستان اور ایشیا کے دیگر ممالک میں اصل کی اس قدر شدید ضرورت ہے کہ یہ سوال بحالت موجودہ فضول سا معلوم ہوتا ہے کہ آیا کبھی اصل ضرورت سے زیادہ دستیاب ہوسکے گا یا نہیں ۔

فصل پینتیس ۳۵

سود

کاشتکار اور سود۔

اب ہم کو پھر وہی بحث شروع کرنی چاہیئے کہ ہندوستان کے دیہات میں شرح سود کیونکر قرار پاتی ہے۔ باب چہارم میں واضح ہوچکا ہے کہ بڑے بڑے بازاروں میں گیہوں جیسی چیزوں کی جو کچھ قیمت تھوک فروشی کے لحاظ سے قرار پاتی ہے خردہ فروشی کی قیمت بھی اسی پر منحصر رہتی ہے۔ اور ذرائع آمد و رفت کی ترقی و توسیع کی بدولت تھوک فروشی اور خردہ فروشی کی قیمتوں میں تعلق قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ لیکن دیہات میں ابتک شرح سود کی وہ حالت نہیں جو قیمت کے متعلق بیان ہوئی کہ تھوک فروشی اور خردہ فروشی کی قیمتوں میں قریبی تعلق ہے۔ چنانچہ سخت ضرورت ہے کہ بڑے اور چھوٹے قرضوں کے سود کی شرح میں ایسا ہی تعلق پیدا کیا جائے تاکہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جو اصل کے ذخیرے موجود ہیں کاشتکار بھی ان سے فائدہ اُٹھاسکیں ÷

واقعہ یہ ہے کہ ابتک زراعت کی ضروریات کے واسطے اصل کا کوئی باقاعدہ بازار قائم نہیں ہوا۔ ہر ایک گانوں یا چند چند

باب پنجم
فصل (۳۰)

دیہات کی ٹولیاں مقامی قرض دہندوں سے روپیہ قرض لیتی ہیں اور یہ قرض دہندے بالعموم ملک کے بنکوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رکھتے۔ ان کے پاس جو اپنا اندوختہ ہوتا ہے اسی کو زیادہ سے زیادہ شرح سود سے قرض پر چلاتے ہیں یہ نہیں کہ اگر اصل کی طلب زیادہ ہو اور موجودہ رسد کفایت نہ کرسکے تو بنک سے قرض لے لے کر رسد بڑھا دیں۔ بالعموم کاشتکار کسی ایک ساہوکار سے لین دین رکھتا ہے اور ایک ساہوکار کو چھوڑ کر دوسرے سے معاملہ کرنا اسکے لئے دشوار ہوتا ہے جیسا کہ بار بار بیان ہوچکا ہے۔ رسم و رواج کا ابتک دیہات پر بہت اثر ہے۔ دوسری دقت یہ ہے کہ اکثر کاشتکار مقروض رہتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی نئے ساہو کار سے لین دین شروع کرے تو موجودہ ساہوکار اپنے قرض کا فوراً مطالبہ کرے گا اور نالش دائر کرکے قرض دار کو تباہ کردے گا۔ شہر کے بازاروں میں جو سود خالص کی شرح جاری ہوتی ہے اس کا اثر دیہات میں سودِ خام پر بہت کم پڑتا ہے خواہ بڑے بڑے بازاروں میں شرح کچھ ہی کیوں نہو۔ کاشتکار تو اسی شرح سے سود ادا کرتا ہے جو اسکے اور ساہو کار کے درمیان قرار پا جائے۔ معاملہ کرتے وقت کاشتکار اور ساہو کار کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے کاشتکار کو روپیہ کی سخت ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ بیان ہوچکا ہے یہ بات مشکل ہے کہ وہ ایک ساہو کار کو چھوڑ کر دوسرے ساہوکار سے معاملہ کرلے یا تحقیق کرتا پھرے کہ سب سے کم شرح پر

باب پنجم فصل (۲۳)

اس کو کہاں سے قرض مل سکتا ہے اور پھر وہاں سے قرض لے۔پس غریب کاشتکار کو وہی شرح قبول کرنی پڑتی ہے۔ جو ساہوکار مانگے اور ساہوکار موقع محل دیکھکر زیادہ سے زیادہ شرح جو وصول ہوسکتی ہو طلب کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زراعت کے واسطے جو اصل قرض دیا جاتا ہے اُس کے سود کی شرح بہت اعلیٰ رہتی ہے شمالی ہندوستان کے بہت سے مقامات میں شرح سود پچیس سے لیکر پچاس فی صدی تک جاری ہے اور ملک کی مرفہ الحالی میں اس سے بڑی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ یہ واقعہ ہے۔کہ اگر کاشتکار کو ۱۲ فی صدی کے حساب سے بھی قرض مل جائے تو اس کی آمدنی میں معقول اضافہ ہوسکتا ہے مگر جبکہ سود کی شرح پچیس سے لیکر پچاس فی صدی ہو تو بھلا کاشتکار کو کیا بچ سکتا ہے۔ چنانچہ کاشتکار خستہ حال ہیں اور دولت بھی کم پیدا ہوتی ہے اگر قرض کمتر شرح سود پر مل سکے تو پیدایشِ دولت میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش ہے +

مطالبات بیراور معاوضہ تنظیم کی بیشی۔

کاشتکاروں کو جو سود کی بیشی سے زیرباری اُٹھانی پڑتی ہے تو یہ حالت کچھ ہندوستان ہی کے واسطے مخصوص نہین۔بلکہ کم وبیش یہی حال دوسرے ملکوں کا ہے جہاں چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کی کثرت ہے کہ جو نہ بنکوں سے قرض لے سکتے ہیں اور نہ جن کے واسطے اصل مہیا کرنے کا کوئی خاص بندوبست کیا گیا ہے۔اس سے قبل ایک فصل میں بیان ہوچکا ہے کہ بنک براہ راست کاشتکاروں سے لین دین نہیں کرسکتے۔لیکن فرض کرو

باب پنجم
فصل (۱۴۴)

کہ کوئی بنک ایسا بھی کرے اور ضلع کی ہر تحصیل میں ایک شاخ قائم کردے ہر شاخ کا منیجر حسب قاعدہ مذکورۂ بالا شرح مقرر کرے گا یعنی سود خالص کے علاوہ کچھ کچھ مطالباتِ بمیہ اور اجرت تنظیم کے طور پر بھی شرح میں شامل کرے گا تاکہ بنک کا خرچ بھی نکل آئے اور اگر کوئی قرض وصول نہ ہو تو بنک کو نقصان نہ پہنچے اب بیسیوں گانوں سے صدہا کاشتکار قرض لینے آویں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا حال منیجر کو کیونکر معلوم ہوسکتا ہے اور حال جانے بغیر منیجر مطالبات بمیہ کی مقدار کیونکر قرار دے گا۔ اگر حال معلوم کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔ تو اس کام کے لئے ملازموں کی ایک بڑی جماعت رکھنی ہوگی اور مروجہ کار و بار کے مقابلے میں ایسے لین دین میں بنک کو بہت اہتمام کرنا پڑیگا پس ایسے قرضوں کی شرح سود بھی لازماً اعلیٰ رہے گی۔ وجہ صاف ظاہر ہے اول تو مقدار قرض کے لحاظ مصارفِ تنظیم بہت بڑھ جائینگے دوسرے مطالباتِ بمیہ بھی لین دین کے مقابلے میں بڑھے رہینگے؛

اس فرضی مثال سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کو براہ راست قرض دینے میں مصارف بھی بڑھ جاتے ہیں اور جوکھم بھی زیادہ رہتا ہے۔ پس اگر سود خام کی شرح گھٹانی مقصود ہو تو ان لوگوں کو قرض دینے کا کوئی ایسا خاص انتظام ہونا چاہیئے کہ مصارف اور جوکھم دونوں کم ہو جائیں۔ چنانچہ **انجمنہائے امدادی باہمی** جو ہندوستان میں جا بجا قائم ہورہی ہیں ان کا یہی مقصد ہے۔ امداد باہمی کے مختلف طریق

باب پنجم فصل (۲۵۱)

طلباء آئندہ بالتفصیل مطالعہ کریں گے۔ یہاں پر قرضۂ امداد باہمی کے طریق کو تمثیلاً بیان کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ دیہات میں جو سود ادا کیا جاتا ہے اس کی نوعیت کیا ہے ؛

انجمنہائے قرضۂ امدادی باہمی۔

کاشتکاروں کی کوئی جماعت مل کر ایک انجمن قرضۂ امداد باہمی حسب ضابطہ قانون قائم کرلیتی ہے اور وہ انجمن کل ارکانوں کی ضروریات کے قابل ایک مجموعی رقم قرض لیکر ارکان میں تقسیم کردیتی ہے۔ مثلاً کسی انجمن میں پچاس رکن شریک ہوں اور ان سب کو قرض کی ضرورت ہو۔ کسی کو تیس روپیہ درکار ہوں۔ کسی کو پچاس۔ کسی کو اسی اور کسی کو سو غرض کہ سب ارکان کے قرضہ کی مجموعی مقدار بارہ سو روپیہ ہو۔ پس وہ انجمن اس کل رقم کو یکمشت قرض لیکر ان میں تقسیم کرنے کے مجاز ہوگی۔ بنک ہو یا ساہوکار فرداً فرداً پچاس کاشتکاروں کو قرض دینے کے مقابلہ میں ایک انجمن کو قرض دینے میں اس کو بھی زیادہ سہولت ہوگی۔ پچاس معاملے طے کرنے کے بجائے صرف ایک معاملہ طے کرنا کافی ہوگا اور پچاس قرض گیروں کے اعتبار کی حالت تحقیق کرنے کے مقابلے میں ایک انجمن کے اعتبار کا حال بآسانی معلوم ہوسکتا ہے مصارف تنظیم نسبتاً بہت گھٹ جاتے ہیں یعنی بیس روپیہ قرض دینے میں جتنا اہتمام کرنا پڑتا ہے اُتنا ہی اہتمام بارہ سو روپیہ قرض دینے کافی ہوتا ہے۔ پس اجرت تنظیم کی کمی سے سود خام کی شرح میں خاصی تخفیف ہوجاتی ہے۔ اور یہ انجمن ہی کا طفیل ہے علیٰ ہذا مطالبات بیمہ میں بھی کفایت ہوتی ہے ان انجمنوں کا خاص

باب پنجم فصل (۴۵)

قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک رکن فرداً فرداً انجمن کے کل قرضہ کا پورا پورا ذمہ وار شمار ہوتا ہے۔ یعنی اگر کچھ ممبر قرض ادا نہ کریں یا نہ کرسکیں تو اُن کے قرضے کی کُل رقم کسی ایک رکن سے بھی وصول کی جاسکتی ہے۔ پس جب یہ خطرہ لگا ہو تو لوگ اِس وقت تک انجمن کیونکر بناسکتے ہیں۔ جبتک ان میں سے ہر ایک کو باقی سب پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد نہ ہو کہ سب اپنا اپنا قرض ادا کرتے رہیں گے۔ پس ایسی انجمنوں کا قیام ہی ان کی عمدہ اعتبار کی دلیل ہے۔ مزید براں کچھ اور بھی قیود اور شرائط ان انجمنوں پر عائد کی گئی ہیں کہ ان کی پابندی کے بعد ان کا ہمیشہ قابل اعتماد بنا رہنا قریب قریب یقینی ہوجاتا ہے پس ان انجمنوں کو قرض دینے میں رقم وصول نہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں اور ان سے قرضے پر مطالباتِ بیمیہ کم لئے جاتے ہیں۔ پس سود خام کی جو شرح انجمن سے وصول کی جاتی ہے وہ اس شرح کے مقابلے میں بہت ادنیٰ ہوتی ہے جو انجمن کے ارکان سے فرداً فرداً جداگانہ قرضوں پر طلب کی جاتی۔ کمی کی وجہ یہ ہے کہ مطالباتِ بیمیہ اور اجرت تنظیم دونوں مدوں میں بہت تخفیف ہو جاتی ہے +

ایسی انجمنوں کی دوسری خصوصیات سرِ دست قلم انداز کی جاتی ہیں جن کا اصلی مقصد یہ ہے کہ انجمن کا اعتبار مستحکم ہو اور اس کو بآسانی اصل دائر کے بڑے بڑے ذخیروں میں سے جو بنک میں جمع ہوں قرض مل سکے اس طرح سے

باب پنجم فصل (۳۵)

کاشتکاروں کو جو قرض ملے گا اس کے سود کی شرح بازاری شرح پر اسی طرح منحصر رہے گی جیسے گیہوں کی قیمت جو کاشتکار کو وصول ہوتی ہے اس کا دار و مدار بازاری قیمت پر ہوتا ہے ان انجمنوں کے ذریعہ سے کاشتکاروں کو بھی قرض اسی سہولت سے ملنے لگے گا جیسے شہر کے تاجروں وغیرہ کو ملتا ہے۔ ان کے قرض کی شرح میں سود خالص کے علاوہ مطالبات بیمہ اور اجرتِ تنظیم بھی شامل ہوں گے۔ مگر بقدار مناسب اور ر اصل کے دیہاتی اور قصباتی بازاروں میں ایک قسم کا تعلق پیدا ہوجاوے گا۔ یہ نہیں کہ شہروں میں تو شرح سود کم ہو اور دیہات میں ساہوکار غریب کاشتکاروں سے جس قدر چاہیں سود وصول کریں۔ ہمنے مانا کہ ابھی تک دیہات میں شرح سود اس طرح قرار نہیں پاتی جیسے کہ چیزوں کی قیمت ملک کے بڑے بڑے بازاروں کے اثر سے قرار پاتی ہے لیکن اب ایسے اسباب پیدا ہورہے ہیں کہ دیہات کی شرح سود پر بھی اصل کے بڑے بازاروں کا اثر پڑنے لگے گا۔ زمانے کے رجحان پر نظر کرتے ہوئے تو امید بندھتی ہے کہ کچھ عرصے میں اصل کی حالت بھی مال و اسباب کی سی ہو جائے گی اور قیمت اشیاء اور شرح سود میں جو مشابہت ہے وہ بھی زیادہ زیادہ نمایاں ہوگی +

دستکار اور سود

اس فصل میں یہانتک ہم نے یہ دکھایا کہ دیہات میں اصل وائر کیونکر مہیا ہوتا ہے۔ لیکن ابتک شہروں میں بھی دستکار

باب پنجم
فصل (۴۵)

اور چھوٹے چھوٹے کاروبار والے کاشتکاروں کی طرح ساہوکاروں سے قرض لیتے ہیں اور ان کے سود کی شرح بازاری شرح سے بے تعلق اور بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ لیکن کاشتکاروں کی طرح وہ بھی اگر انجمنہائے قرضۂ امداد باہمی قائم کرلیں تو ان کو بھی مناسب شرح سے قرض مل سکتا ہے۔ یعنی ان کو بھی قریب قریب اسی شرح سے سود ادا کرنا پڑے گا جو اصل کے بازاروں میں رسد وطلب کے اثر سے قرار پائے یہ نہیں کہ ساہو کار جو شرح چاہے مقرر کردے اور ان کو بحالت مجبوری وہی ادا کرنی پڑے۔ حاصل کلام یہ کہ عوام کو چیزوں کی خرید و فروخت میں جو سہولت اور آزادی ہے وہی قرض کے لین دین میں ہونی چاہیے اور مذکورہ بالا انجمنوں کے ذریعہ سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور ہورہا ہے۔

خلاصہ

کن کن اسباب کے اثر سے شرح سود قرار پاتی ہے اب ہم اس بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ ابھی تک ہندوستان میں اصل کی حالت بجنسہ مال و اسباب کی سی نہیں مگر کچھ کچھ ہوتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں اصل کے بازار قائم ہورہے ہیں جہاں پر سودِ خالص کی شرح اسی طرح رسد وطلب کے اثر سے قرار پاتی ہے جیسے چیزوں کی قیمت۔ اور قرض داروں سے جو سود وصول کیا جاتا ہے اس میں سود خالص کے علاوہ کچھ مطالبات بیمہ اور اجرت تنظیم بھی شامل ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کاشتکار۔ دستکار اور

باب پنجم
فصل (۳۵)

کارو بار والے ابتک ساہو کاروں سے قرض لیتے ہیں۔ اصل کے بازاروں تک ان کی رسائی نہیں اور جو کچھ سود ان کو ادا کرنا پڑتا ہے وہ ساہو کار اپنی مرضی سے مقرر کر دیتے ہیں۔ بازاری شرح سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ لیکن اب بتدریج یہ حالت بدل رہی ہے۔ اور امید ہے کہ کچھ عرصہ بعد بازاری شرح کا اثر اس قدر پھیل جائے گا کہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے قرض گیر اسی کے لحاظ سے سود ادا کریں گے سود کی من مانی شرح وصول نہ ہوسکے گی۔ پس جب طلبا توازن رسد و طلب کے مسئلہ پر حاوی ہوجائیں تو وہ اس کے نتائج کو شرح سود پر منطبق کرسکتے ہیں۔ چنانچہ انگریزی تصانیف میں شرح سود کی بحث میں یہی طریق برتا گیا ہے۔ یہ خصوصیت پیشِ نظر رکھنی ضروری ہے۔ کہ ابھی تک ہندوستان میں چھوٹے چھوٹے قرضوں پر جو سود ادا کیا جاتا ہے وہ قانون رسد و طلب کے مطابق قرار نہیں پاتا بلکہ بہت کچھ قرض دینے والوں کے قابو اور مرضی پر منحصر ہے لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا ہے ایسے ساہوکاروں کا زور ٹوٹ رہا ہے جو حسب دلخواہ سود طلب کرتے ہیں۔ چھوٹے قرضوں کے سود پر بھی بازاری شرح کا کم و بیش اثر پڑنے لگا ہے اور کچھ عرصہ بعد قانون رسد و طلب کے نتائج ہندوستان کی شرح سود پر بھی بہت کچھ صادق آنے لگیں گے۔ اور بالخصوص انجمنہائے قرضہ امداد باہمی کے ذریعہ سے یہ کایا پلٹ ہوگی۔ چنانچہ اکثر بہی خواہانِ ملک ان انجمنوں کے اجرا اور ترقی میں کوشاں ہیں +

فصل چھتیس ۳۶

لگان

لگان

اصل کی بحث تو ختم ہوچکی اب ہم دوسرے عامل پیدائش یعنی زمین کو لیتے ہیں۔ دیکھیں اس کی کار گزاری کا جو معاوضہ دیا جاتا ہے یعنی لگان آیا وہ بھی قانون رسد و طلب کے اثر سے اسی طرح قرار پاتا ہے جیسے چیزوں کی قیمت۔ اس بحث میں اول ہم صرف زرعی زمین کو پیش نظر رکھیں گے۔ جو زمین دوسرے طور پر کام آرے اس کا لگان گو بہت کچھ زرعی زمین کے لگان کی طرح قرار پاتا ہے تاہم اس کی چند خصوصیات بھی ہیں جو کہ آگے چل کر بیان ہوں گی۔ واضح ہو کہ معاشیات میں لگان سے مراد لازماً وہ معاوضہ نہیں جو کاشتکار زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایک خاص قسم کی آمدنی ہے جو زراعت سے حاصل ہوتی ہے خواہ زمیندار اپنی زمین خود کاشت کرے یا کسی کاشتکار کے سپرد کرے اور یہی وہ آمدنی ہے جس کی بنار پر زرعی زمینوں کی قیمت قرار پاتی ہے۔ کاشتکار جو کچھ معاوضہ زمیندار کو دیتا ہے اور جو

باب پنجم فصل (۳۶)

عرف عام میں لگان کہلاتا ہے اس کا دار مدار بھی اسی معاشی لگان پر ہے۔ معاشی لگان کی ماہیت اور مروجہ لگان کا اس سے تعلق بحث مابعد سے بخوبی واضح ہوجائے گا +

زمین کے بازار۔

سب سے اول تو یہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ زرعی زمینوں کے بازار ابھی حال میں جاری ہوئے ہیں۔ اور وہ زرعی پیداوار مثلاً گیہوں وغیرہ کے بازاروں کے مقابلے میں بلحاظ انتظام بہت ادھورے ہیں۔ جبتک مسلمانوں نے شمالی ہندوستان فتح نہیں کیا۔ کاشتکار جو راجہ کی زمین کاشت کرتا تھا ہر فصل پہ اپنے کھیت کی پیداوار کا ایک حصہ اس کو ادا کردیتا تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ یہ کل مقدار محض زمین پر قابض رہنے اور اس کو کاشت کرنے کا معاوضہ تھی جو مالکِ زمین یعنی راجہ وصول کرتا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کاشتکار جو کچھ ادا کرتا تھا اس میں سے کچھ تو لگان ہوتا تھا اور کچھ ٹکس یا محصول۔ راجہ ملک میں حکومت قائم رکھتا تھا اس کی بدولت کاشتکاروں کو لٹیروں اور دغابازوں سے کم و بیش امن ملتا تھا کاشتکار جو کچھ ادا کرتے وہ سرکاری محاصل میں شامل ہوکر سلطنت کے صرف میں آتا تھا۔ کاشتکار نسلاً بعد نسلاً ایک ہی قطعۂ زمین پر قابض رہتے تھے اور حسبِ رواج پیداوار کا ایک حصہ مالک زمین کو ادا کرتے تھے۔ اس حصے کا تعین معاشیات کی بحث سے خارج تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے بھی یہی طریق برقرار رکھا کہ کاشتکار سلطنت کی مملوکہ زمین جوتیں بوئیں

باب پنجم فصل ۶ ۳۴۶

اور پیداوار کا ایک حصہ بادشاہ کی نذر کریں البتہ اس حصہ کی مقدار میں اکثر کمی بیشی ہوتی رہی۔ کبھی تو وہ گھٹتے گھٹتے پیداوار کا صرف دسواں حصہ رہ جاتی تھی اور کسی بادشاہ کے زمانے میں وہ بڑھ کر ایک ربع ایک ثلث بلکہ نصف تک پہنچ جاتی۔ ان تبدیلیوں کا دار مدار محض بادشاہ کی رائے اور مرضی پر تھا۔ معاشی اسباب کو کچھ دخل نہ تھا۔ چنانچہ اب بھی محصول بیشتر حکومت کی مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن محصول کی طرح ان تبدیلیوں سے بھی گا ہے گا ہے بہت اہم معاشی نتائج نمودار ہوتے تھے مثلاً اگر کاشتکار کو اپنی اور اپنے کنبے کی پرورش اور مصارفِ کاشت کے واسطے نصف پیداوار سے زیادہ درکار ہو مگر حکومت نصف پیداوار خود منگوالے اور نصف اس کے پاس چھوڑ دے تو صاف ظاہر ہے کہ کاشتکار کی اس شکل سے گذر نہوسکے گی اور مجبوراً کاشت چھوڑ کر وہ کوئی اور کام شروع کر دے گا۔ پس اس زمانے میں تجربے سے ثابت ہوگیا کہ جو حصہ سرکار لے سکتی ہے اس کی مناسب مقدار کم و بیش مقرر ہے۔ اس سے تجاوز کرنے کا نتیجہ کاشتکاروں اور ملک کے حق میں تباہی ہوگا بالآخر اضافہ لگان میں مقدار مناسب کی حد کا خیال رہنے لگا۔ اصول یہ قرار پایا کہ لگان اس قدر زیادہ طلب نہ کرنا چاہئے کہ کاشتکار مایوس ہوکر زمین چھوڑ بیٹھے۔ لیکن اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوے جو مقدار بھی سرکار اپنے واسطے مقرر کرتی تھی وہ اپنی خوشی اور مرضی سے کرتی تھی معاشی اسباب کا

باب پنجم
فصل (۲۶)

کوئی مزید لحاظ نہیں کیا جاتا تھا +

غالباً یہ قول بحیثیت مجموعی درست ہے کہ اُس زمانے میں شمالی ہندوستان میں موجودہ قسم کے زمینداروں کی کوئی جماعت نہ تھی کہ وہ زمین کے مالک ہوں۔ خواہ اس کو خود کاشت کریں یا کسی کاشتکار کو لگان پر اُٹھا دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں جو ہندوستان پر بد امنی کا دور دورہ رہا تو بہت سے لوگ زمیندار بن بیٹھے اس کے بعد زرعی زمین خرید و فروخت ہونے لگی۔ لگان بہت سے لوگوں کا ذریعہ معاش بن گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ زمین کے بازاروں میں کیونکر اراضیات کی خرید و فروخت کا کار و بار چلتا ہے اور کیونکر لگان کے مدارج قرار پاتے ہیں +

لگان کے مدارج۔

ہم کو لگان کے مدارج سے بحث کرنا ہے۔ کیونکہ لگان کی کوئی ایسی عام شرح نہیں ہوسکتی جیسے سود خالص کی ہوتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ اصل کا تو روپیہ روپیہ برابر ہوتا ہے ہر ایک یکساں کام دے سکتا ہے۔ لیکن زمین کے تمام ایکڑ کیونکر یکساں ہوسکتے ہیں۔ باب دوم میں بیان ہو چکا ہے کہ بعض زمین بہت زرخیز ہوتی ہے بعض متوسط درجہ تک اور بعض بہت کم۔ پس ہر زمین کا لگان بھی اس کی قوت پیدا آوری یعنی زرخیزی کے مطابق ہوگا۔ جس ایکڑ کی پیداوار زیادہ ہو اس کا لگان بھی زیادہ ہوگا اور جس کی پیداوار کم ہے اُس کا لگان بھی کم رہے گا۔ جو لوگ دیہات میں

باب پنجم فصل (۳۶)

لگان وصول کرتے ہیں ان کو یہ حال بخوبی معلوم ہے۔ ہر گانوں میں صدہا کھیت ہوتے ہیں لیکن ہر ایک کی حالت بہ لحاظ پیداوار کم و بیش مختلف ہوتی ہے اور بمشکل چند کھیت ایسے ملیں گے کہ جن کے لگان کا اوسط فی ایکڑ مساوی ہو۔ چنانچہ شمالی ہندوستان میں جو کھیت بہت زرخیز ہیں اور عمدہ موقع پہ واقع ہیں اُن کا لگان آٹھ روپے سے لیکر پندرہ روپے فی ایکڑ تک مل رہا ہے۔ اور باقی کھیتوں کے لگان کی شرح حسب حیثیت گھٹتی جاتی ہے حتیٰ کہ اُن بنجر کھیتوں کی نوبت آتی ہے جن کا لگان روپیہ آٹھ آنے ایکڑ بھی بمشکل وصول ہوتا ہے اور بعض کو تو مفت اُٹھا دیتے ہیں کہ بلا سے لگان نہ ملے زمین تو آباد رہے گی۔ پس جب اضافہ یا تخفیف لگان کا ذکر ہو تو ہم لگان کی کسی ایک بازاری شرح کا حوالہ نہیں دے سکتے کیونکہ زمین زمین کا لگان زرخیزی اور موقع کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اضافہ لگان سے صرف یہ مراد ہوتی ہے کہ لگان کے کل مدارج چڑھ گئے اس کے برعکس تخفیف لگان میں سب مدارج اتر جاتے ہیں۔ لگان کی کوئی ایک بازاری شرح نہیں ہوتی کہ وہی بڑھے وہی گھٹے۔

زمین کی مانگ

بازاروں میں زمین کی طلب ان لوگوں کی طرف سے پیش ہوتی ہے جو کہ کاشت کرنی چاہیں۔ شمالی ہندوستان میں بیشتر لوگوں کا ذریعۂ معاش زراعت ہے۔ اور ہر ایک خاندان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کاشت کے واسطے اسکو

باب پنجم فصل (۳۶)

بسر اوقات کے قابل زمین مل جاوے۔ کاشتکار لوگ بالطبع قدامت پسند اور لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ جبتک بھی کسی نہ کسی حال میں گزر ہو سکے وہ کاشتکاری پر جمے رہیں گے۔ اور زیادہ آمدنی کے لالچ سے کوئی نیا کام کرنے کا خیال دل میں نہ لائیں گے۔ دیہاتی مزدور بھی یہی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو اپنے ہی گانوں میں تھوڑی سی زمین مل جائے تاکہ وہ کھیتی باڑی شروع کر دیں۔ قصبات میں جاکر محنت مزدوری کرنے سے وہ بہت جان چراتے ہیں۔ کاشتکاروں کو بھی تلاش رہتی ہے کہ کہیں پاس زمین مل جائے خواہ لگان زیادہ دینا پڑے اور اگر کہیں دور عمدہ سے عمدہ زمین بھی تھوڑے لگان پر ملے تو وہ اس کے خواہاں نہیں ہوتے۔ لوگوں کی ان عادات کا نتیجہ یہ ہے کہ زمین کا کوئی بڑا اور باقاعدہ بازار نہیں۔ بلکہ زمین کی خرید و فروخت بہت سے چھوٹے چھوٹے مقامی بازاروں میں منقسم ہے اور بازار بازار میں لگان کے مدارج مختلف رہتے ہیں جہاں آبادی بڑھتی ہے وہیں زمین کی طلب میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ باب دوم میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ کسی رقبۂ اراضی سے جس قدر چاہیں پیداوار حاصل کریں۔ بلکہ ہر زمین کی پیداوار کی ایک حد ہے کبھی نہ کبھی قانون تقلیل حاصل کے عملدرآمد کی نوبت آجاتی ہے۔ حتیٰ کہ مزید اصل اور محنت صرف کرنے سے نفع کے بجائے نقصان ہونے لگتا ہے۔ شمالی ہندوستان کے بہت بڑے حصے میں

باب پنجم فصل (۳۶) دیہات کی آبادی اس درجہ گنجان ہوچلی ہے کہ زمین کی طلب بہت بڑھی رہتی ہے۔ اگر کوئی کھیت خالی ہوجائے تو زمیندار کو کاشتکار ملنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔ بہت سے کاشتکاروں کے پاس تو کافی زمین نہیں اور بہت سے سراسر محروم ہیں اور اسی تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی کھیت ملے تو کاشت شروع کردیں۔ طلب کا خاصہ تو پہلے بھی کئی مرتبہ بیان ہوچکا ہے۔ کسی خاص قسم کی زمین کا جس قدر زیادہ لگان مانگا جائے گا اسی قدر اس کی طلب گھٹے گی۔ بالفاظ دیگر لگان بڑھنے سے زمین کی طلب گھٹتی ہے اور لگان گھٹنے سے زمین کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے؛

زمین کی رسد لگان بڑھنے سے کچھ عرصے تک تو زمین کی رسد میں بھی اضافہ ہوتا ہے کچھ قطعات ابتک غیر مزروعہ پڑے تھے۔ یا تو ان پر خود رو درخت کھڑے تھے یا بیل ڈھور چرتے تھے۔ اب زمیندار ان کو بھی لگان کے لالچ سے کاشتکاروں کے حوالے کردیتے ہیں اور جبتک مزید زمین دستیاب ہوسکے لگان بھی بعینہ چیزوں کی قیمت کی طرح قرار پاتا رہتا ہے یعنی اس کی مقدار ایسی رہتی ہے کہ زمین کی طلب و رسد میں توازن قائم رہے لگان کی اس حد تک تو زمین کی حالت بالکل معمولی چیزوں کی سی ہے یہ صحیح ہے کہ زمین کے بازار بہت با قاعدہ اور انتظام یافتہ نہیں اور ان میں لگان متوازنہ کے ٹھیک ٹھیک مدارج قرار پانے دشوار ہیں لیکن ہر جگہ لگان کا رجحان یہی رہتا ہے کہ وہ

زمین کی رسد و طلب ہیں توازن رکھے۔ اس حالت میں بھی جبکہ زمین کی رسد میں بیشی ممکن ہو۔ لگان کے چند معمولی مدارج ہونگے جن کی طرف لگان کی بازاری شرحیں مائل ہوتی رہیں گی ؛

مذکورۂ بالا حالت کہ زمین کی رسد میں اضافہ کی گنجائش ہو دائمی نہیں بلکہ عارضی ہے۔ چنانچہ زمین کی ایک خصوصیت یہی قرار پاچکی ہے کہ اس کی وسعت محدود ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس خصوصیت کی بدولت زمین کے بازاروں میں کیا خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے آبادی بڑھتے بڑھتے یہ نوبت آرہی ہے کہ کل قابلِ کاشت زمین اُٹھ جاتی ہے اور پھر یہ ممکن نہیں کہ طلب کے ساتھ ساتھ رسد میں اضافہ ہوتا رہے یہ نوبت آنے پر زمین کی حالت عام چیزوں کی حالت سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔ زمین کی رسد محدود ہوجاتی ہے حالانکہ اور چیزوں کی رسد میں بہت کچھ اضافہ ہوسکتا ہے شمالی ہندوستان کے اکثر حصوں میں یہ نوبت آچکی ہے۔ قابلِ کاشت زمین قریب قریب کل اُٹھ چکی ہے اور اُس کی رسد میں اضافہ کی گنجائش نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ بہت سا روپیہ خرچ کرکے بنجر زمین زرخیز بنائی جائے۔ مثلاً پنجاب میں آبپاشی کی نہریں۔ نالے بنا بنا کر بہت بڑا قطعہ آباد کیا گیا ہے۔ اب وہاں خوب کاشت ہوتی ہے بنجر زمینوں میں سے زائد از ضرورت ریت یا چکنی مٹی نکالدینے سے ان کی زرخیزی بڑھ سکتی ہے۔ لیکن آبادی بھی برابر بڑھ رہی ہے۔ اور ان ترکیبوں سے زمین میں کوئی قابلِ لحاظ

باب پنجم
فصل (۳) (۴)

اضافہ نہیں ہوسکتا۔

ایسی حالت میں لگان جس طرح قرار پاتا ہے اس کو سمجھنے کے واسطے ضروری ہے کہ گذشتہ باب میں جو بحث پیش ہوچکی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ یعنی یہ کہ جب رسد بالکل محدود ہو تو سودا کیونکر قرار پاتا ہے۔ فرض کرو ایک پرگنہ ہے اور وہاں جس قدر بھی قابل کاشت زمین ہے وہ سب اُٹھ چکی ہے۔ یہ بھی مان لو کہ کاشتکاروں کو بس گزر کے لائق آمدنی حاصل ہورہی ہے۔ نہ وہ فاقہ کش ہیں اور نہ وہ مرفہ الحال۔ صرف ان کے معیار زندگی کے مطابق بسر اوقات ہوئے جاتی ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کی حالت میں سکون ہے البتہ بعض بعض افراد اپنی ہوشیاری اور محنت کی بدولت مقابلتہً دوسروں سے زیادہ خوش حال ہیں اور بعض کام چور اور اناڑی مفلس وخستہ حال اس حالت میں اگر کوئی شخص از سر نو کاشتکاری شروع کرنا چاہئے یا موجودہ کاشتکار مزید زمین کے خواہاں ہوں تو دوسروں سے واپس لئے بغیر ان کو زمین ملنی محال ہے۔ صرف ایک گانوں کو پیش نظر رکھکر فرض کرو کہ ایک نو وارد جو کاشتکاری شروع کرنا چاہتا ہے ایک کھیت کا تیس روپیہ لگان پیش کرے۔ حالانکہ موجودہ کاشتکار صرف پچیس روپئے ادا کرتا ہے یہ تو پہلے ہی فرض ہوچکا ہے کہ گانوں میں کوئی خالی زمین موجود نہیں جس کو یہ کاشتکار جاکر گھیر لے۔ اندھے کی لکڑی کی طرح وہی زمین جو وہ کاشت کرتا ہے۔ اُس کا ذریعۂ معاش ہے۔ پس لازم ہوا کہ

وہ لگان تین روپئے سے بھی بڑھادے ورنہ کھیت ہاتھ سے جاتا ہے۔ غرض کہ نو وارد جس قدر لگان پیش کرے یا تو اس سے کچھ بڑھ کر کاشتکار ادا کرے یا زمین چھوڑ دے اس حالت میں جبکہ طلب تو بڑھتی جائے اور رسد ختم ہو چکی ہو اور زمیندار کو اختیار ہو کہ جو سب سے زیادہ لگان پیش کرے زمین اُسی کے سپرد کروے لگان اس حد تک بڑھ جائے گا کہ اس کے بعد کاشتکار کھیت چھوڑنے پر آمادہ ہوجائیں گے +

ہندوستان میں لگان

دیکھنا یہ ہے کہ لگان کی مقدار کیا رہے گی جو لوگ زمین لینے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کی کاشت سے روزی کمائیں۔ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اس قدر لگان ادا کرنا گوارا نہ کریں گے کہ اس کو منہا کرنے کے بعد ان کی آمدنی معمولی گزران تک کے واسطے کفایت نہ کرے۔ البتہ اس حد کے اندر اندر کہ انکی گزر ہوئے جائے لگان حتی الوسع بڑھتا رہے گا۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں کاشتکار کو کھیتی باڑی کے سوا بہت کم ذرائع معاش حاصل ہیں اور لوگ قدیم رسم ورواج کے اثر سے زراعت ہی کو قدرتی پیشہ خیال کرتے ہیں۔ نیتجہ یہ ہے کہ لوگ کاشتکاری کو بُری طرح سے چپٹے ہوئے ہیں۔ لگان میں اضافہ پر اضافہ ہوتا ہے مگر زمین نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ لگان میں سے مزدوروں کی اجرت اور اصل کا سود ادا کرنے کے بعد بمشکل ان کے پاس اس قدر بچتا ہے کہ زندگی بسر کرسکیں +

باب پنجم
فصل (۳۶)

ایسی معاشی حالت میں مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد جو کچھ پیداوار بچے گی وہ کل کی کل لگان کی نذر ہوگی۔ اور لگان کی معمولی شرح یہی قرار پائے گی۔ واضح ہو کہ مصارفِ کاشت میں کاشتکار اور اس کے خاندان کی ضروریاتِ زندگی بھی داخل ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ فاقہ کشی سے تنگ آکر چند ہی روز میں کاشتکار کھیتی باڑی چھوڑ دیں گے لگان میں اس درجہ اضافہ ہو سکنے کا باعث یہی ہے کہ زمین کی طلب تو برابر بڑھ رہی ہے لیکن اس کی رسد بالکل محدود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر قانونِ لگان کاشتکاروں کی حمایت نہ کرتا تو شمالی ہندوستان کے اکثر حصوں میں لگان اس حد تک بڑھ چکا ہوتا۔ یعنی لگان ادا کرنے کے بعد کاشتکار کو صرف مصارف بچ رہتے اور کیا ممکن تھا کہ وہ کچھ پس انداز کرسکتا یا ادنیٰ ضروریات زندگی کے علاوہ اس کو اور کوئی چیز میسر آسکتی +

فصل سینتیس

لگان

مختلف تمدنی حالت میں لگان۔

گزشتہ فصل میں واضح ہوچکا ہے کہ شمالی ہندوستان میں زرعی زمین کے بازار کیونکر قائم ہوئے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بحالت موجودہ جبکہ زمین کی طلب بمقابل رسد بہت زیادہ ہے اگر قانونی قیود عائد نہ کی جائیں تو لگان اس درجہ بڑھ جاتا کہ کاشتکار کو گزر کرنی مشکل ہوجاتی۔ یعنی کھیتی باڑی کا خرچ اور کاشتکار اور اس کے خاندان کے ضروری مصارف ادا ہونے کے بعد جو کچھ پیداوار بچتی وہ سب کی سب لگان کی مد میں زمیندار سنکوالیتا لیکن ممکن ہے کہ دوسرے مقامات اور دوسرے زمانوں میں حالات زراعت مختلف رہے ہوں چنانچہ ہم اب مختلف حالات کے تحت میں مسئلہ لگان سے مزید بحث کرتے ہیں وہ حالات فرض کرو جو اُن انگریزی معاشیین کے پیش نظر تھے جنہوں نے اول اول لگان کا مسئلہ تحقیق کیا مثلاً کچھ باخبر اور سمجھدار لوگ کاشت شروع کریں ان کو بقدر ضرورت اصل اور نیز محنت یعنی مزدور معمولی شرح سود وا جرت پر

باب پنجم فصل (۲۳) مل جاویں یہ لوگ جگہ جگہ جانے پہ آمادہ ہوں اور اگر ان کو کسی دوسرے کام میں زیادہ منافع ملنے کی امید ہو تو کاشتکاری ترک کرنے میں کچھ تامل نہ کریں۔ بحث کو اور بھی سہل بنانے کی غرض سے ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ کاشتکار اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کا کام نہیں کرتے بلکہ مزدوروں سے کام لیتے ہیں اور صرف انتظام اور نگرانی اپنے ذمہ رکھتے ہیں۔ ہر کھیت کی آمدنی اور مصارف کا وہ بہت مفصل حساب تیار کرتے ہیں تاکہ ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم رہے کہ کس کھیت سے کتنا نفع مل رہا ہے جو زمین ہمارے پیش نظر ہے اُس میں مختلف قطعات کی زرخیزی مختلف ہے بعض میں تو زرخیزی اس درجہ کم ہے کہ اس سے کوئی لگان ہی وصول نہیں ہوتا۔ یعنی پیداوار مصارف کاشت کے برابر رہتی ہے۔ البتہ باقی قطعات سے حسب مدارجِ زرخیزی کم یا زیادہ لگان حاصل ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو حالات یہاں بیان ہوئے ان کی موجودگی میں لگان کیونکر قرار پائے گا۔

کاشت کی انتہائی حد جو زمین کہ زیر کاشت ہو مگر جس سے کچھ لگان حاصل نہو بزبان اصطلاح انتہائی زمین کہلاتی ہے گویا وہ کاشت کی انتہائی حد کو پہنچ گئی ہے۔ یعنی اس کی کاشت ہمیشہ خاتمہ کے قریب رہتی ہے اگر حالات میں ذرا سا بھی ناموافق ردّوبدل ہوا تو کاشت فوراً ختم ہوجائے گی یعنی کاشتکار اس کو جوتنا بونا چھوڑ دے گا۔ ایسا بے لگان کھیت اسی حالت میں کاشت

ہو سکتا ہے جبکہ اس کی پیداوار سے کم از کم ذیل کی مدیں وصول ہوتی رہیں +

(۱) کل اصل دائر جو کھیتی باڑی میں لگا ہو۔ اور نیز اصل قائم کا ایک مناسب جزو بطور مطالباتِ فرسودگی +

(۲) جس قدر اصل لگا ہو اس کا پورا پورا سود +

(۳) جتنی محنت صرف ہوئی ہو یعنی مزدوروں نے کام کیا ہو ان کی اجرت اور کاشتکار نے خود جس قدر کام کاج اور دیکھ بھال کی ہو اس کا مناسب معاوضہ یعنی معاوضۂ تنظیم

اگر زمین کی پیداوار سے یہ چاروں مدیں پوری پوری وصول نہ ہوں تو کاشتکار مجبوراً کھیت چھوڑ بیٹھے گا۔ پس واضح ہوا کہ زرعی پیداوار کی قیمت گھٹنے سے بے لگان زمینیں یعنی جو کاشت کی انتہائی حد پر ہوں کاشت سے خارج ہوجاتی ہیں جب ان کھیتوں کی کاشت بند ہوئی تو صاف ظاہر ہے کہ زرعی پیداوار کی رسد بھی گھٹ جائے گی۔ تخفیف رسد کی بدولت بشرطیکہ طلب میں بھی تخفیف نہ ہو قیمت پھر چڑھے گی اور یہ زمینیں اضافہ قیمت کے اثر سے پھر کاشت ہونے لگیں گی مزید براں اگر قیمت خود بخود بڑھے تو اختتام کاشت کی حد اور آگے بڑھے گی۔ یعنی اور زمینیں بھی جو اس حد کے باہر تھیں اس میں داخل ہو جاوینگی بالفاظ دیگر جو زمینیں بوجہ ادنیٰ زرخیزی کے ابتک کاشت نہوتی تھیں اضافۂ قیمت کے طفیل سے ان کی بھی کاشت شروع ہوجاوے گی کیونکہ قیمت بڑھنے پر ان کی قلیل پیداوار سے

باب پنجم فصل (۳۷)

مصارف ـ کاشت وصول ہونے لگیں گے۔ بلکہ اگر کچھ زائد مقدار وصول ہو تو عجب نہیں لیکن صاف ظاہر ہے کہ جب یہ زمینیں بھی کاشت ہوں تو رسد بڑھے گی اور اضافۂ رسد تخفیفِ قیمت کا باعث ہوگا حاصل کلام یہ کہ حالتِ مفروضہ بالا میں اختتام کاشت کی حد کسی خاص درجے کی زرخیز زمین پر قائم نہیں رہتی۔ اگر زرعی زمین کی پیداوار کی قیمت بڑھے تو ادنیٰ ادنیٰ درجے کی زرخیز زمینیں بھی کاشت ہونے لگیں گی اور اگر قیمت گھٹے تو موجودہ مزروعہ زمینوں میں سے بھی ادنیٰ درجے کی زمینوں کی کاشت بند ہوجاویگی اور خواہ قیمت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مزروعہ زمینوں میں کچھ ایسی بھی ہوں گی جن کی پیداوار سے صرف مصارف کاشت وصول ہوں۔ کچھ زائد نہ بچے جس کو لگان کہہ سکیں۔ ایسی زمینیں اصطلاحاً بے لگان زمینیں کہلاتی ہیں اور انہی کی بابتہ کہاجاتا ہے کہ وہ اختتام کاشت کی حد پر واقع ہیں ؎

مشہور مسئلہ لگان۔

کسی قسم کی خواہ کتنی بھی پیداوار ہو سب کی بازاری قیمت ایک ہوتی ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کس کس درجے کے زرخیز کھیت میں پیدا ہوتی ہے۔ خریداروں کو تو صرف پیداوار سے غرض ہوتی ہے۔ زمین کی کم یا بیش زرخیزی سے کیا سروکار۔ صاف ظاہر ہے کہ جو جو زمینیں بے لگان زمینوں سے زیادہ زرخیز ہیں مصارفِ کاشت منہا کرنے کے بعد ان کی پیداوار میں سے کچھ مقدار زائد بچے گی۔ اور زمین جتنی ہی زیادہ زرخیز ہو اسی قدر اس ماحصل زائد کی مقدار بھی زیادہ رہے گی۔ معروضۂ بالا حالت

میں یہ کل کا کل ماحصل زائد زمیندار بطور لگان وصول کرے گا
اس کا قابو بڑھا ہوا ہے اور باقی لوگ جو کاشت میں شریک
ہیں بے بس ہیں۔ مزدور اور اصلدار تو حسب مفروضہ پہلے ہی
سے مناسب اجرت اور سود پا رہے ہیں۔ اگر وہ اس سے
زیادہ معاوضہ طلب کریں تو کاشتکار ان کو چھوڑ کر دوسرے
لوگوں سے معاملہ کرے گا تاکہ سود و اجرت کی مروجہ شرح میں
اس کو اضافہ نہ کرنا پڑے۔ کاشتکار کو بھی اپنی محنت اور
کوشش کا کچھ معاوضہ مل ہی جاتا ہے۔ یہ تو اس کی دلی
خواہش ہوگی کہ اس ماحصل زائد میں سے بھی کچھ حصہ بانٹے
مگر وقّت یہ آن پڑی ہے کہ زمین کا رقبہ تو محدود ہے
اور زراعت کے واسطے لوگوں میں بہت کچھ کشمکش جاری ہے
پس اگر موجودہ کاشتکار ماحصل زائد میں سے کچھ بھی حصہ نکالیگا
تو فوراً دوسرے حریف کاشتکار زمیندار سے کل ماحصل زائد دینے کا
وعدہ کرنے کو آمادہ ہو جائیں گے۔ پس یہ بھی اس خوف کے
مارے بے چون و چرا کل ماحصل زائد بطور لگان ادا کر دیتا
ہے۔ اور اپنے واسطے اس میں سے کچھ نہیں بچاتا۔ اگر قابلِ
زراعت زمین کا رقبہ لا محدود ہوتا تب تو ممکن بلکہ اغلب
تھا کہ ماحصلِ زائد حسبِ قرار داد اور زمیندار اور کاشتکار میں
تقسیم ہو جایا کرتا لیکن زمین کا رقبہ محدود ہے اور اس کی طلب
رسد سے بڑھی رہتی ہے۔ پس زمیندار بلا تکلف کل ماحصل زائد
وصول کرلیتا ہے اور کاشتکار لاچار ہے اگر اس قدر دینے سے

باب پنجم فصل (۳۷) انکار کرتا ہے تو زمین ہاتھ سے جاتی ہے۔ دوسرے کاشتکار اس کی تاک میں لگے ہوئے ہیں +

یہ ہے لگان کا قدیم اور مشہور مسئلہ جس کو ہم نے نہایت سادہ طور پر بیان کیا ہے۔ پیداوار کی قیمت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو بعض زمینیں ایسی ہوں گی کہ ان کی پیداوار سے صرف مصارفِ کاشت یعنی اصل دائر سود، اجرت اور اجرت تنظیم وصول ہوگی۔ ایسی زمینوں کو اختتامی زمین سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی وہ کاشت کی انتہائی حد کو پہنچ جاتی ہے ان سے ادنیٰ درجے کی زمینیں کاشت نہیں ہوتیں ان اختتامی زمینوں سے مصارفِ کاشت کے سوا کوئی ماحصلِ زائد بطور لگان وصول نہیں ہوتا۔ البتہ جو زمینیں ان سے زیادہ زرخیز ہیں ان کی پیداوار میں سے مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد بھی کچھ مقدار جس کو ماحصلِ زائد کہتے ہیں بچ رہتی ہے اور یہی ماحصل زائد معاشی لگان کہلاتا ہے۔ جو لگان زمیندار کاشتکار سے وصول کرتا ہے۔ وہ معاہدے سے قرار پاتا ہے۔ اگر وہ معاشی لگان سے زائد ہے تو کاشتکار جلد کھیت چھوڑ دے گا یا خود تباہ ہو جائے گا۔ اگر معاشی لگان کے مساوی ہے تو کاشتکار گذر کئے جائے گا اور اگر معاشی لگان سے کچھ کم ہے تو یہ کاشتکار کی خوش قسمتی ہے اور اس کی حالت کچھ عرصے میں سنبھل جائے گی +

پیداوار کی معمولی قیمت سے معاشی لگان قرار پاتا ہے

باب پنجم فصل (۳۸)

اگر قیمت بڑھے تو موجودہ اختتامی زمین سے بھی ادنیٰ درجے کی زمینوں پر کاشت پھیل جاوے گی یہ نئی زمینیں تو بے لگان قرار پائیں گی اور جو زمینیں ان سے زیادہ زرخیز ہیں ان سے لگان وصول ہونا شروع ہوگا گویا سابق بے لگان زمین سے بھی کچھ تھوڑا بہت لگان وصول ہونے لگے گا۔ حاصل کلام یہ کہ اضافہ قیمت سے اختتامی زمین کی حد آگے بڑھ جاتی ہے یعنی ادنیٰ تر زمین کاشت ہونے لگتی ہے اور تمام سابق زمینوں کا لگان بھی بڑھ جاتا ہے اس کے برعکس اگر قیمت گھٹے تو موجودہ اختتامی زمین کی کاشت بند ہو جاتی ہے۔کیونکہ انکی کاشت سے سراسر نقصان ہونے لگتا ہے۔ جو زمین ذرا بہتر تھی اب وہ بے لگان زمین قرار پائے گی۔ اور باقی تمام اعلیٰ زمینوں کے لگان میں تخفیف ہو جاوے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر اضافہ لگان پر قانونی بندشیں قائم نہ ہوتیں تو بحالت موجودہ معاشی لگان کا اس لگان سے کیا تعلق ہوتا جو کاشتکاروں کو ادا کرنا پڑتا ؟

مسئلہ لگان اور ہندوستان

ہندوستان میں بھی اختتام کاشت کی انتہائی حد کی مثالیں نظر آتی ہیں یعنی یہاں پر بھی گانوں میں بہت سی زمینیں ہیں جن کی پیداوار سے مصارف کاشت کے علاوہ کوئی ماحصل زائد یعنی لگان وصول نہیں ہوتا۔ چنانچہ بہت سی زمینوں کو جو خودکاشت کہلاتی ہیں زمیندار محض اس وجہ سے اپنے طور پر کاشت کرتے ہیں کہ ان سے مصارف کاشت کے سوا کوئی لگان وصول

باب پنجم فصل (۳،۴)

نہیں ہوتا۔ اور زمیندار اُن کو بلا لگان اُٹھانا نہیں چاہتے ان بے لگان زمینوں کے علاوہ جو دیگر مزروعہ زمینیں ہیں وہ رواج مختلف زیادہ زرخیز ہیں اور زرخیزی کی کمی بیشی کے مطابق ان سے لگان بھی تھوڑا یا بہت وصول ہوتا ہے۔ مشہور مسئلہ لگان میں کاشتکار کی جو حالت پیش نظر رکھی گئی ہے ہندوستانی کاشتکار کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے کیونکہ وہ نہ صرف کھیتی باڑی اور اس کے کام کاج کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتا ہے بلکہ وہ اور مزدوروں کی طرح بونے جوتنے میں بھی ہاتھ بٹاتا ہے کچھ اصل بھی اپنی گرہ سے لگاتا ہے اور اس کو جو آمدنی حاصل ہوتی ہے اس میں وہ ان مدوں کی کوئی تفریق نہیں کرتا کہ فلاں مقدار سود ہے فلاں اجرت اور فلاں معاوضۂ تنظیم۔ وہ دل میں یہ نہیں سوچتا کہ آیا اس کو اپنے اصل پہ مناسب سود مل رہا ہے، محنت کی مناسب اجرت ملتی ہے اور آیا معاوضۂ تنظیم کی مقدار بھی مناسب ہے یا نہیں حتیٰ کہ اس کو یہ فکر تک نہیں ہوتی کہ اصل قائم جو بتدریج کہنہ اور از کار رفتہ ہوتا جاتا ہے اس کو دوبارہ مہیا کرنے کے واسطے بھی کچھ رقم بطور مطالبات فرسودگی پس انداز ہورہی ہے یا نہیں۔ مسئلہ لگان میں فرض کیا ہے کہ کاشتکار مصارف کاشت کا پورا پورا حساب کرکے ان کو پیداوار میں سے منہا کرتا ہے جس سے اس کو معلوم ہوجاتا ہے کہ آیا کچھ ماحصل زاید بچا یا نہیں اور اگر بچا تو کتنا۔ لیکن ہندوستان کا غریب اور جاہل کاشتکار یہ سب اہتمام کہاں

باب پنجم فصل پر ۳۸

کرسکتا ہے کہ ہر کھیت کا پورا پورا حساب تیار رکھتے مصارفِ کاشت میں کبھی وہ نقد خرچ کرتا ہے اور کبھی غلہ۔ مثلاً مزدوروں کی اجرت ہے یا تخم کی قیمت ہے پس محض تجربے سے وہ سرسری اندازہ کرلیتا ہے کہ مصارف نکلنے کے بعد آیا اس قدر پیداوار بچ رہتی ہے کہ اسکی بھی گذر ہوجائے اور لگان بھی ادا ہوتا رہے پس ہندوستان کی حالت ایسی ہے کہ یہ دریافت کرنے کے بجائے کہ آیا پیداوار میں سے مصارفِ کاشت منہا ہونے کے بعد کچھ لگان باقی رہتا ہے یہ سوال کرنا چاہیے کہ پیداوار میں سے کاشتکار کے اخراجات نکلنے کے بعد کچھ باقی بچتا ہے یا نہیں +

ہندوستان کی حالت پر غور کرو شمالی ہندوستانی کے اکثر حصوں میں کاشتکاروں میں باہم زرعی زمین کے واسطے بہت کشمکش جاری ہے۔ کاشتکاروں کو پیشہ بدلنے میں بہت دقت پیش آتی ہے اور اپنا قدیم پیشہ یعنی زراعت چھوڑنا ان کو بہت گراں بھی گزرتا ہے، پس اگر قانون ان کی حمایت نہ کرتا تو جو کچھ لگان وہ ادا کرتے معاشی لگان سے کبھی کم نہ ہوتا بلکہ عجب نہ تھا کہ اس سے زیادہ ہوتا، زمین کے واسطے اس درجہ کشمکش ہے کہ جس زمین سے کاشتکار کو کچھ بھی معمول سے زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے دوسرے کاشتکار اس کا لگان بڑھانے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔حتیٰ کہ اس کی آمدنی بھی گھٹ کر دوسری زمینوں کی معمولی آمدنی کے برابر آرہتی ہے۔ بالفاظ دیگر زمیندار کو پورا پورا معاشی لگان تو ضرور ہی مل جاتا ہے لیکن کاشتکاروں کو کھیتی باڑی

باب پنجم فصل (۳۷)

کچھ ایسی عزیز ہے کہ وہ معاشی لگان سے زیادہ ادا کرنا بھی گوارا کر لیتے ہیں مگر ان کو کھیت چھوڑنا منظور نہیں مزدور گھٹا کر خود جان کھپاتے ہیں تاکہ کم اجرت دینی پڑے، اپنی بعض ضروریات ترک کر دیتے ہیں۔ اصل قائم کے مطالبات فرسودگی چھوڑ دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو تنگدستی برداشت کرتے ہیں مگر لگان بڑھانے سے نہیں ہٹتے حاصل کلام یہ کہ کاشتکاروں میں وہ کشمکش پھیلی ہے کہ معاشی لگان سے بڑھکر لگان ادا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ ان کو پورے پورے مصارف کاشت بھی وصول نہیں ہوتے نہ اصل کا مناسب سود ملتا ہے نہ محنت کی پوری اجرت اور نہ کافی معاوضہ تنظیم واقعہ یہ ہے کہ جو ضروریات لوازمات زندگی شمار ہوتی ہیں وہ میسر ہونیکے بعد جو کچھ بچتا ہے کاشتکار بطور لگان زمیندار کی نذر کر دیتا ہے یہ ضرور نہیں کہ زمیندار خواہ مخواہ زیادہ سے زیادہ لگان وصول کرے بعض رحمدل اور مآل اندیش زمیندار اپنے آسامیوں کی خوشحالی کی خاطر لگان ہلکا رکھتے ہیں لیکن اگر وہ چاہتے تو اس قدر لگان ضرور وصول کر سکتے تھے اور بعض اس قدر وصول کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ پیٹ پالنے کے سوا کاشتکار کو اور کچھ میسر نہ ہو چنانچہ اسی احتیاط سے اضافۂ لگان کے متعلق قانون نے قواعد مقرر کر دیئے ہیں کہ کاشتکاروں پر بیجا بار نہ پڑ سکے ۞

لگان اور قیمت پیداوار

مغربی معاشیین نے جو مسئلہ لگان کے متعلق تحقیق کی ہے۔ وہ ہندوستان پر بھی بہت کچھ صادق آتی ہے۔ جہاں زمین

باب پنجم
فصل (۳۸)

کم ہو اور طلب زیادہ کاشتکاروں کی کشمکش کے طفیل سے زمیندار چاہے تو سالم معاشی لگان وصول کرسکتا ہے بلکہ غریب اور جاہل کاشتکاروں سے اور بھی زیادہ وصول کرنا ممکن ہے۔ اگلی فصل میں اس بحث کی تفصیل درج ہے کہ سرکار نے یہ اصول کیوں برتا کہ جو لگان ادا ہو وہ زمین کی طلب و رسد کے اثر سے قرار نہ پائے بلکہ قانون کا پابند رہے۔ مسئلہ لگان کا بیان ختم کرنے سے بیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زرعی پیداوار کی قیمتوں اور زمینوں کے لگان میں جو تعلق ہے وہ بھی واضح کردیا جائے لوگ اکثر بیان کرتے ہیں بلکہ اخباروں میں لکھتے ہیں کہ لگان بڑھنے کی وجہ سے زرعی پیداوار کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر قیمتوں کا دار مدار لگان پر ہے لیکن حقیقتاً معاملہ بالکل برعکس ہے۔ یعنی لگان خود قیمتوں پر منحصر ہے۔ چنانچہ پیداوار کی قیمت سے اختتامی کاشت کی حد قرار پاتی ہے بے لگان زمین کی پیداوار کی قیمت سے محض مصارف کاشت وصول ہوتے ہیں اور یہی قیمت لگان کا باعث ہوتی ہے، اگر قیمت بڑھی تو ادنیٰ تر زمین بھی کاشت ہونے لگتی ہے اور قیمت گھٹی تو ادنیٰ زمینوں کی کاشت بند ہو جاتی ہے۔ بحالت اول لگان بڑھتا ہے۔ بحالت دوم اس میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ بہر صورت قیمت کی تبدیلی سے لگان میں تبدیلی ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ لگان کا دار و مدار قیمت پر ہے نہ کہ قیمت کا لگان پر۔ اس واقعے کو ایک قانون کی شکل میں

باب پنجم
فصل (۳،۲)

یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ لگان مصارفِ پیدائش کا کوئی جزو نہیں مصارفِ کاشت جن کی رو سے قیمت پیداوار قرار پاتی ہے وہ مصارف ہیں جو اختتامی زمین کی کاشت میں پیش آئیں کہ جس سے کوئی لگان وصول نہ ہوتا ہو اور ان مصارف کا اس لگان سے کوئی تعلق نہیں جو اعلیٰ زمینوں سے وصول ہوتا ہے۔ بالفاظِ مختصر لگان کا باعث اعلیٰ قیمتیں ہیں نہ کہ اعلیٰ قیمتوں کا باعث لگان ÷

فصل اٹھتیس ۳۸

لگان پر قانونی بندشیں

قانونی بندشوں کی ضرورت۔

گذشتہ فصل میں بیان ہوچکا ہے کہ اگر شمالی ہند میں تعینِ لگان محض معاشی اسباب پر چھوڑ دیا جاتا اور قانون کی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہوتی تو پیداوار کا جزوِ اعظم تو زمیندار لگان کی مد میں سنگوا لیتے اور غریب کاشتکار کے پاس اگر کچھ بچتا تو بس اسی قدر کہ گزر ہوسکے اور وہ بھوکوں نہ مرے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ قانون نے تقرر اور بالخصوص اضافہ لگان پر چند قیود لگا دئے ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ پیداوار کا کچھ حصہ جو قانون کی مداخلت بغیر زمیندار وصول کرلیتا کاشتکار کے پاس بچ رہے تاکہ وہ بھی اپنی حالت سدھار سکے یہ قانونی مداخلت عام پالسی میں ایک استثنا سمجھنی چاہئے۔ کیونکہ سرکار قانوناً چیزوں کی قیمت مزدوروں کی اجرت یا اصل کا سود تو کبھی مقرر نہیں کرتی بلکہ ان کا تعین معاشی اسباب پر چھوڑ دیتی ہے۔ پس لگان کے معاملے میں قانونی مداخلت کی جاتی ہے اس کا باعث کیا ہے اس مختصر

باب پنجم فصل (۷، ۳)

کتاب میں اس سوال کے تفصیلی جواب کی تو گنجائش نہیں البتہ مختصر تشریح یہ ہے کہ تعین و اضافۂ لگان میں قانونی مداخلت کرنے سے سرکار کے کئی مقصد ہیں اور ان کا سیاسیات سے بہت قریبی تعلق ہے۔ ان میں سے، ایک مقصد ملک کی مرفہ الحالی بھی ہے۔ اور گو یہ بہت مقدم ہے تاہم کچھ مقاصد اور بھی ہیں جن کو بعض وقت مرفہ الحالی پر بھی ترجیح دینی پڑتی ہے۔ قانونِ لگان کی تائید اور حمایت میں جو بہت سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے ہم صرف وہی بیان کرنا چاہتے ہیں جن کا بلا واسطہ معاشی مقصد یعنی عام مرفہ الحالی سے تعلق ہے۔ معاشی نقطۂ نظر سے قانون لگان کی سب سے زیادہ موئید یہ دلیل ہے کہ اگر لگان بلا روک ٹوک بڑھتا رہا تو بالآخر تمام قوم کی کمائی گھٹ جائے گی *

زمین کی زرخیزی

مذکورۂ بالا دلیل کے سمجھنے کے واسطے ضرور ہے کہ ہم زمین کی زرخیزی پر مزید غور کریں۔ ساتویں فصل میں اس کا مختصر بیان موجود ہے۔ یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ زمین ایک مال گودام ہے اس میں سے جتنی پیداوار چاہیں نکال لیں بلکہ اس کی حالت گھوڑے یا بیل کی سی سمجھنی چاہیئے گھوڑا یا بیل اُسی حالت میں خوب کام دے سکتا ہے جبکہ اس کی غور و پرداخت اچھی طرح کی جائے کچھ تھوڑے عرصے تک تو اس سے زائد از معمول کام لینا ممکن ہے لیکن اگر زیادہ دنوں تک اس پر کام کا بیجا بار ڈالا گیا تو وہ تھک کر پہلے سے بھی کم

باب پنجم فصل (۴۸۰)

کام کرنے لگے گا زمین کی حالت بھی بہت کچھ ایسی ہی ہے جب اس کی کاشت بیجا طور پر ہوتی ہے تو زرخیزی یعنی قوت پیداوار بھی بہت جلد گھٹ جاتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس وقت کچھ فائدہ ہو جائے۔ لیکن زرخیزی گھٹنے سے آئندہ آمدنی میں ضرور کمی آجائے گی۔ اس کے برعکس عمدہ اور با قاعدہ کاشت کے ذریعہ سے مستقل طور پر کھیت کی زرخیزی بڑھ سکتی ہے پس زرعی پیداوار کی مقدار جو ملک کی آمدنی کا جزو اعظم ہے بہت کچھ طریق کاشت پر منحصر ہے۔ اگر لوگ یہ ٹھان لیں کہ اس وقت کھیتوں سے جتنی آمدنی بھی حاصل ہوسکے وصول کی جائے تو کچھ عرصے بعد ضرور پیداوار گھٹ جاوے گی۔ اس کے برعکس اگر پیداوار بڑھانی مقصود ہو تو ضرور ہے کہ کاشتکار اپنی اپنی زمینوں کی زرخیزی بڑھانے اور قائم رکھنے میں گہری دلچسپی لیں اور ذاتی منفعت کو ملحوظ رکھیں ؎

مدت کاشت

اگر قانون لگان نہ ہو تو پھر کیونکر کاشتکار کو کھیت کی درستی اور ترقی میں کوئی دلچسپی ہوسکتی ہے۔ اگر وہ جان کھپاکر کھیت کی زرخیزی کو ترقی دے تو اندیشہ ہے کہ مزید پیداوار لگان کے بہانے سے زمیندار وصول کرلے کاشتکار کو تو بس ہی گزر کے قابل حصہ ملے گا۔ اور اگر زمین کی پیداوار گھٹی تو لگان میں بھی تخفیف ہوجائے گی۔ کاشتکار کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔ گویا کھیت کی زرخیزی بڑھنے گھٹنے سے کاشتکار کو نفع نقصان نہیں پہنچتا اس کے حق میں دونوں حالتیں برابر ہیں

باب پنجم فصل (۱۳۸)

جبکہ کاشتکار کو ہر وقت یہ خوف لگا رہے کہ زمیندار اضافہ لگان کی لالچ میں آکر اس سے کھیت نکال کر کسی دوسرے کو نہ دے دے۔ تو پھر کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ کاشتکار اپنے کھیت میں دل لگاکر محنت کرے اور اس کی زرخیزی بڑھائے یا برقرار رکھے۔ ایسی حالت میں تو کاشتکار موجودہ وقت کو غنیمت سمجھکر بس یہی کوشش کرے گا کہ جتنی پیداوار بھی کھیت سے مل سکے۔ حاصل کرے۔ زمین کی آئندہ زرخیزی سے اس کو کوئی دلچسپی اور تعلق محسوس نہ ہوگا۔ اگر یہ منظور ہو کہ کاشتکار آئندہ زرخیزی کا بھی لحاظ رکھے تو ضرور ہے کہ اول اس کو اطمینان دلادیا جائے۔ کہ معقول عرصے تک وہ کھیت اس کے تصرف میں رہےگا تاکہ وہ اپنی محنت کا پھل پائے۔ دوم اس کی کوشش سے پیداوار میں جو اضافہ ہوگا کم ازکم اس کا ایک جزو اس کو بھی چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ نہیں کہ کاشتکار کو جس وقت چاہا نکال دیا یا کل مزید پیداوار لگان میں داخل کرلی+

جو بحث اوپر پیش ہوئی وہ صرف مسئلہ لگان سے اخذ نہیں کی گئی بلکہ جن ملکوں کی معاشی حالت ہندوستان سے ملتی جلتی ہے وہاں کے تجربے اور واقعات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ایسے تمام ممالک میں قرار پاچکا ہے کہ اگر زرعی پیداوار کے ذریعے سے ملک کی آمدنی بڑھانی مقصود ہو تو کاشتکار کی مدتِ کاشت کافی طویل ہونی چاہیئے۔ طویل مدتِ کاشت سے وہی حالت مراد ہے جو ابھی بیان ہوئی یعنی

باب پنجم
فصل (۱۳۸)

کاشتکار اُتنے عرصے تک کھیت پر قابض رہے کہ اس کی درستی اور ترقی سے خود بھی فائدہ اُٹھا سکے۔ ایسی اطمینانی حالت میں وہ خود بخود کھیت کی پیداوار بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ مدتِ کاشت طویل ہونے کے علاوہ یہ بھی ضرور ہے کہ کاشتکار سے مناسب لگان وصول کیا جاوے۔ مناسب لگان کی کوئی شرح معین کرنا تو دشوار ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لگان ادا کرنے کے بعد کاشتکار کے پاس پیداوار کی اتنی مقدار بچ رہے کہ اس کے لالچ سے وہ اپنی زمین کی حالت سدھارنے پر آمادہ ہوجائے۔ پس قانون لگان سے سرکار کے دو مقصد وابستہ ہیں۔ اول کاشتکار کی مُدّت کاشت بڑھانا دوسرے زمیندار کو صرف مناسب لگان لینے کا موقع دینا۔

قانون لگان

شمالی ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں جو قوانین لگان جاری ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ گو صوبہ صوبہ کے قانون میں بہت سے تفصیلی اختلافات موجود ہیں تاہم سب قوانین میں دو باتیں عام اور مشترک ہیں۔ ایک طویل مُدّت کاشت دوسرے مناسب لگان۔ قانون نے کاشتکاروں کی جو حمایت کی ہے اس کے مدارج مختلف ہیں سب کاشتکاروں کو یکساں حمایت حاصل نہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی کاشتکاروں کی جماعتِ کثیر کو قانون سے دونوں رعایتیں حاصل ہوجاتی ہیں نہ تو وہ جلد جلد کھیت سے بیدخل ہوسکتے ہیں اور نہ زمیندار ہمیشہ حسب دلخواہ ان سے لگان وصول کرسکتا ہے۔ ہر صوبہ میں

باب پنجم فصل ۳

کچھ کاشتکار دخیل کار کہلاتے ہیں جو کہ کبھی بیدخل نہیں ہوسکتے بشرطیکہ وہ مقررہ لگان وقت پر ادا کرتے رہیں۔ بعض کاشتکاروں کا دخل کسی خاص وقت تک محدود ہوتا ہے۔ لیکن یہ وقت بھی عموماً کافی طویل ہوتا ہے۔ مثلاً سات سال۔ علاوہ بریں لگان پر بھی طرح طرح کی بندشیں قائم کی گئیں ہیں۔ چنانچہ اودھ میں اضافہ لگان ایک خاص نسبت تک محدود ہے مثلاً فی روپیہ ایک آنہ علی ہذا صوبۂ متحدہ میں کاشتکار کا لگان عدالت بھی تجویز کرسکتی ہے لیکن قوانین لگان کا عام اصول وہی ایک ہے یعنی زمیندار کو کاشتکار کے بلا وجوہ معقول بیدخل کرنے سے روکنا اور زمیندار کے لگان کی مقدار محدود کردینا تاکہ کاشتکار اطمینان سے کھیتی باڑی کریں اور ملک کی پیداوار اور آمدنی میں اضافہ ہو۔

لگان کا تعین

ابتدائی مطالعہ کے واسطے قانون لگان کی طویل بحث بے محل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اوپر کے بیان سے واضح ہوگیا ہوگا کہ زمینداروں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ جس قدر چاہیں لگان طلب کریں اور اگر لگان پر قانونی بندشیں قائم نہ ہوتیں تو زمیندار موجودہ لگان سے کہیں زیادہ وصول کرسکتے تھے پس ہندوستان میں لگان مقرر کرنے کا جو طریق ہے وہ چند مختصر الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ اب زرعی زمین کے بازار پیدا ہوگئے ہیں اور طلب و رسد کی ایسی حالت ہے کہ لگان نہ صرف معاشی لگان کی مقدار تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ سکتا ہے حتیٰ کہ کاشتکار کو بس اتنی پیداوار بچ رہے کہ وہ بسر اوقات

کر سکے لیکن سرکار بذریعہ قانونِ لگان کو اس حد تک نہیں بڑھنے دیتی باب پنجم فصل (۳۸)
اول تو کاشتکار کو ضروری اخراجات سے کچھ زیادہ حصہ مل جاتا ہے
دوسرے اس کو قبضہ زمین کے متعلق اطمینان رہتا ہے کہ وہ
کھیت درست کرکے اس کی زرخیزی سے مستفید ہوسکے گا حاصل کلام
یہ کہ کاشتکاروں کو کھیتی باڑی میں محنت کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے
اور زراعت کی ترقی سے کل ملک کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جب کبھی یہ
بحث چھڑے کہ آیا فلاں صوبہ کے واسطے قانونِ لگان موزوں
اور کافی ہے یا نہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ آیا قانون
کاشتکار کو عمدہ طور پر کھیتی باڑی کرنے کی پوری پوری ترغیب
دیتا ہے یا نہیں +

فصل اُنتالیس ۳۹

اُجرت

دیہات میں رواجی اجرت

گزشتہ فصلوں میں بیان ہو چکا ہے کہ کس حد تک اصل اور زمین کے بازار قائم ہو چکے ہیں اور وہاں کیونکر سودا اور لگان کی شرح قرار پاتی ہے۔ اب اسی نقطۂ نظر سے محنت کا مطالعہ کرنا مقصود ہے۔ اول ہم عام محنت کی اجرت سے بحث کرتے ہیں اس کے بعد وہ پیشے بیان ہوں گے جن کے واسطے خاص مہارت درکار ہوتی ہے۔ اور جنکی اجرت پر خاص خاص باتوں کا اثر پڑتا ہے۔

اگر کسی کاشتکار سے جو قصبے سے دور کسی گاؤں میں رہتا ہو دریافت کیا جائے کہ مزدوروں کی اجرت کیونکر قرار پاتی ہے تو بلاشبہ وہ یہی جواب دیگا کہ اجرت رواج پر قائم ہے۔ مثلاً کھیتی باڑی کے مزدوروں کو دن بھر کی اجرت دو سیر غلہ ملتا ہے یا اس سے کچھ کم و بیش اسی طرح لوہار بڑھئی وغیرہ کی شرح اجرت بھی رواج پر جاری ہے۔ آج سے کچھ دنوں پہلے تک کاشتکار کا یہ بیان بالکل درست تھا اور اب بھی دور افتادہ دیہات میں یہی حال ہے کہ اجرت رواج پر مبنی ہے اور رواج جلد جلد نہیں بدل سکتا۔ لیکن پھر بھی رواج کبھی

نہ کبھی بدلتا ضرور ہے۔ ممکن نہیں کہ سدا ایک سا رواج رہے۔پس باب پنجم ہم کو اس زمانہ پر نظر ڈالنی چاہئے جبکہ رواج نہ تھا تاکہ معلوم فصل ۳۹ ہو کہ کن اسباب کی بنا پر اجرت کی شرح کا رواج پڑا۔گویا ہندوستان کی قدیم معاشی تاریخ مطالعہ کرنی چاہئے۔ ہندوستان کی قدیم معاشی تاریخ ابتک بہت کچھ تحقیق طلب ہے۔تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزدوروں کو اجرت دینے کا طریق رسم غلامی سے نکلا۔غالباً دیہاتی مزدوروں کے آبا و اجداد جو کہ ادنیٰ ذات کے لوگ تھے کسی زمانہ میں کاشتکاروں کے غلام تھے۔بالفاظ دیگر نہ تو وہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاکر مزدوری کر سکتے تھے اور نہ وہ ہر کسی کے یہاں جو ان کو سب سے زیادہ اجرت دیتا کام کرسکتے تھے بلکہ وہ اپنے ہی مالک کے ہاں کام کرتے تھے اور جو اجرت مالک تجویز کرتا تھا وہی قبول کرلیتے تھے۔ ایسی حالت میں محنت کا بازار کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر مزدور غلاموں کے طور پر خرید و فروخت بھی ہوتے تب مویشیوں کی طرح محنت کا بازار لگ سکتا تھا لیکن ہندوستان میں خرید و فروخت کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ مزدور صرف کام کرنے اور اجرت لینے میں رسم و رواج کے پابند تھے کاشتکار کا بھی فائدہ اسی میں تھا کہ اس کے مزدور توانا و تندرست رہیں۔ اگر وہ بیمار پڑتے یا مرجاتے یا تنگ آکر آس پاس کے جنگلوں میں بھاگ جاتے تو اس کی کھیتی باڑی کا ناس ہو جاتا پس اسی اندیشے سے کاشتکار اپنے مزدوروں کو کافی غلہ وغیرہ دیتے تھے تاکہ وہ اچھی طرح پر کام کاج کرتے رہیں۔کم از کم اتنی

اجرت ضرور دیتے تھے کہ زندہ اور تندرست رہ سکیں اگر اس میں کمی کی جاتی تو وہ فاقوں کے مارے بیکار ہو جاتے بلکہ مر جاتے عجب نہیں اگر مزدوروں کو خوش رکھنے کے خیال سے کسی قدر زیادہ اجرت بھی دی جاتی ہو۔ اس زمانہ میں مزدوروں کی ضروریات گنی چنی ہوں گی۔ ان کو سب سے زیادہ تو پیٹ بھر کھانیکی ضرورت ہوگی۔ جبکہ دیہات کے درمیان بھی سلسلۂ آمد و رفت نہ تھا تو بھلا نئی ضروریات کیونکر پیدا ہو سکتی تھیں۔ پس جبکہ کاشتکاروں کو تجربہ سے معلوم ہو گیا کہ اجرت کی فلاں مقدار سے مزدور خوش ہیں اور ان کی گذر ہوئی چلی جاتی ہے تو بس وہی مقدار مدتوں اجرت کے طور پر مزدوروں کو ملتی رہی۔ اور مزدور بھی سال ہا سال تک بس انہی ضروریات پر قانع رہے۔ نہ اجرت بڑھی نہ ضروریات میں اضافہ ہوا حتیٰ کہ ان دونوں کا ایک رواج سا پڑ گیا لیکن بالآخر خارجی تبدیلیوں نے دیہات پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ اب رسم و رواج دوبھر معلوم ہونے لگے۔ لوگوں کو ان کی ابتدا تو یاد نہیں رہی، ان کی تائید میں صرف یہ کہنے لگے کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

ہندوستان کی قدیم معاشی تاریخ اس قدر تفصیل سے معلوم نہیں کہ کوئی قطعی طور سے کہہ سکے کہ مزدوروں کی حالت ایک حد تک غلاموں کی سی تھی اور اجرت کی ابتدا یونہی ہوئی جیسے کہ اوپر بیان کی گئی۔ البتہ جو کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہے اس سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو بیان ہوا۔ اور اس کی مزید تائید

باب پنجم
فصل ۳۹

اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ملک کے پس ماندہ حصوں میں ابتک مزدوروں کی حیثیت بہت کچھ غلاموں کی سی ہے۔ قانوناً تو اب وہ اپنے مالک کا کام کرنے کے واسطے مجبور نہیں ہیں۔ رسم و رواج کا اب بھی ان پر اتنا اثر ہے کہ وہ قدیم پیشوں پر قائم ہیں۔ وہی رواجی اجرت لیتے اور اسی قدیم طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب ان کو کچھ کچھ محسوس ہونے لگا ہے کہ وہ آزاد ہیں جہاں چاہیں اور جو چاہیں کام کریں اور اچھی سے اچھی اجرت کمائیں۔

رواجی اجرت میں تبدیلی

پس معلوم ہوا کہ غالباً رواجی اجرت کی ابتدا یوں ہوئی کہ مزدوروں کو خوش اور تندرست رکھنے کے واسطے جس قدر ضروریات درکار تھیں دی گئیں۔ مگر اس زمانہ میں ضروریات انگلیوں پر گنی جاسکتی تھیں اور سب سے بڑی ضرورت شکم سیری تھی پس تھوڑی سی مقدار بھی ان کے واسطے کافی ثابت ہوئی۔ اور وہی مقدار مدتوں اجرت کے طور پر چلتی رہی۔ اُس زمانہ میں بھلا محنت کے بازار کہاں ابتک بہت سے دیہات میں ان بازاروں کا پتہ نہیں۔ البتہ قصبات اور شہروں میں اصل کے مانند محنت کے بھی بازار قایم ہو رہے ہیں قصبات میں جماعت کثیر پیدائش دولت میں مصروف رہتی ہے اور ہاتھ بٹانے کے واسطے بہت سے مزدور درکار ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی گاؤں ترقی کرتے کرتے قصبہ بن جائے اور پیدائش دولت کا کاروبار پھیلے زیادہ زیادہ مزدوروں کی ضرورت پڑے گی اور قرب و جوار کے دیہات سے مزدور بلائے جائیں گے۔ لیکن دیہاتی مزدور قدیم طرز کی زندگی اور اپنے گاؤں کے شیدا ٹھیرے

باب پنجم فصل ۳۹

کسی خاص لالچ بغیر وہ گاؤں سے نہ ٹلیں گے۔ یعنی لازم ہے کہ گاؤں کی اجرت سے زیادہ اجرت ان کو پیش کی جائے پس واضح ہوا کہ قصبہ آباد ہونے سے محنت کا بازار بھی قائم ہوتا ہے۔ اب مزدوروں کی دیہات میں بھی ضرورت ہے اور قصبہ میں بھی، اُجروں میں کشمکش شروع ہوتی ہے اور زیادہ زیادہ اجرت کا لالچ دیکر ہر کوئی مزدوروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اب گویا اجرت رواج کی پابند نہیں بلکہ مزدوروں کی طلب و رسد کی حالت کے مطابق قرار پاتی ہے۔ طلب تو ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو کار و بار جاری کریں اور رسد میں قرب و جوار کے دیہاتی مزدور شامل ہیں۔

محنت کے بازار

اول اول تو محنت کے چھوٹے چھوٹے مقامی بازار قائم ہونگے لیکن جوں جوں ذرائع آمد و رفت بڑھیں گے اور مزدوروں کے طبقوں میں تعلیم اور سمجھ بوجھ بڑھیگی محنت کے بازار بھی وسیع ہوتے جائیں گے۔ بازار کی خصوصیات نویں فصل میں بیان ہو چکی ہیں محنت کے بازار ابھی تک ہندوستان میں بہت کم با قاعدہ نظر آتے ہیں۔ اگر بازار پورے پورے با قاعدہ ہوتے تو کل مزدوروں کو خبر ملتی رہتی کہ کہاں کہاں مزدوروں کی ضرورت ہے اور کیا کیا اجرت مل رہی ہے اور بیشی اجرت کی خبر ملتے ہی مزدور ملک کے ہر حصہ میں جا پہنچتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت تھوڑے مزدور دوسری جگہ جانے پر آمادہ ہو سکتے ہیں اور وہ بھی ایسی جگہ کہ جہاں

کا حال ان کو پہلے سے خوب معلوم ہو۔ پس شرح اجرت پر باب پنجم
طلب و رسد کی حالت کا اس درجہ اثر نہیں پڑتا جتنا کہ ایک فصل ۳۹
باقاعدہ بازار میں پڑنا چاہیئے ۔ محنت کے بازاروں کی حالت
زرعی زمین کے بازاروں سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے یعنی محنت
اور زرعی زمین کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مقامی بازار ہیں
جن میں طلب و رسد کا شرح اجرت یا لگان پر خاصا اثر
پڑتا ہے ۔ اور ان مقامی بازاروں میں باہم تھوڑا بہت رشتہ
قائم ہے گویا گرد و نواح میں طلب و رسد کی جو حالت ہو
تھوڑا سا اثر اس کا بھی شرح اجرت پر پڑتا ہے ۔ لیکن ان
بازاروں میں اتنا قوی تعلق نہیں جتنا کہ گیہوں یا روئی کے
بازاروں میں نظر آتا ہے ایک بازار کا دوسرے بازار پر
اثر پڑنا ضرور ہے مگر کم ۔ نہ اس قدر جتنا کہ اور چیزوں کے
بازاروں کا ایک دوسرے پر پڑتا ہے ۔ دوسری چیزوں اور
محنت میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ محنت میں مرضی بھی داخل
ہے ۔ اور چیزوں کو جہاں چاہے بھیجد یجئے ۔ لیکن مزدور چاہے
تو کہیں جائے چاہے نہ جائے بہت کچھ اس کی مرضی پر منحصر
ہے ۔ گیہوں کی بوری کو اپنے صرف میں کوئی دخل نہیں
مالک جہاں چاہے اور جس کے ہاتھ چاہے اس کو فروخت
کردے لیکن محنت تو انسان سے جدا نہیں ہو سکتی ۔ اور انسان
کو گیہوں کی بوری کی طرح جہاں چاہیں اپنی خوشی سے نہیں بھیج سکتے ۔ بلکہ
وہ مختار ہے کہ کیا کام کرے اور کہاں کرے ۔ پس محنت کے

باب پنجم بازار پر مزدوروں کے عادات و خیالات کا بہت اثر پڑتا ہے اور
فصل ۲۹ اجرت سے بحث کرتے وقت یہ خیال رکھنا ضرور ہے کہ ہم کو
جیتے جاگتے انسانوں سے سابقہ ہے نہ کہ بے جان چیزوں یا
غیر مختار حیوانوں سے ۔ محنت اور عام مال و سامان میں جو مرضی
کی موجودگی اور عدم موجودگی کا اہم فرق ہے اسکی تفصیل اگلی
فصل میں پیش کی جاتی ہے ۔

فصل چالیسم

اجرت

محنت کے بازار جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان ہوا ہندوستان موجودہ شرح میں جا بجا قائم ہو رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بازار چلتے اجرت کیونکر ہیں۔ محنت کی طلب کیونکر پیدا ہوتی ہے اور اس کی رسد کہاں سے آتی ہے اور طلب و رسد میں توازن کیونکر قائم ہوتا ہے سب سے اول شرح اجرت کا مفہوم واضح کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان کے قصبوں میں ہمیشہ معمولی مزدوروں کی اجرت کی کچھ عام شرح رہتی ہے۔ یعنے اگر ہم کوئی معمولی مزدور رکھیں تو اسکو مروجہ شرح کے مطابق دو تین آنے یا اس سے زیادہ اجرت دینگے اسی طرح دیہات میں بھی شرح اجرت کا بہت کچھ دار و مدار رواج پر ہے۔ ہر گاؤں میں شرح مختلف ہو سکتی ہے جو مزدور کام کرتے ہیں وہ اپنے گاؤں کی مروجہ شرح کے مطابق کچھ دام یا غلہ بطور اجرت پاتے ہیں۔ مروجہ شرح سے یہ مراد نہیں کہ ہر ایک مزدور کو بلا کم و بیش اجرت کی ایک ہی مقدار دی جاتی ہے۔ اگر کوئی مزدور معمول سے زیادہ یا بہت عمدہ کام

کرے تو اس کو اجرت بھی زیادہ ملیگی۔ اس کے برعکس اگر کوئی مزدور بوجہ کمزوری یا بد شوقی تھوڑا یا ادنیٰ درجہ کا کام کرے تو اس کی اجرت بھی گھٹ جائیگی۔ لیکن یہ ہر دو قسم کے مزدور مستثنیات شمار ہوں گے۔ ہمیشہ اور ہر جگہ کام اور کارکردگی کا ایک معیار سا مسلم ہوتا ہے۔ اور مروجہ شرح سے اجرت ان مزدوروں کو ملتی ہے جو اس معیار کے مطابق ہوں اور ایسے ہی مزدوروں کی کثرت بھی ہوتی ہے۔

غالباً قدیم ہندوستان کے مزدوروں کو اجرت میں ایسی چیزیں ملتی تھیں جن سے براہِ راست ان کی احتیاجات پوری ہو جاتیں اور ان کو خرید و فروخت کی ضرورت نہ پڑتی۔ مزدوروں کو کھانا یا کپڑا ایندھن وغیرہ ملتا تھا بلکہ مالک ہی ان کو رہنے کے واسطے مکان بھی دیتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ طریق بدل گیا۔ مزدورونکو اجرت میں صرف غلہ ملنے لگا۔ جس کا بڑا حصہ تو وہ خوراک کے کام میں لاتے اور باقی فروخت کرکے اس کی قیمت سے کپڑا اور دیگر ضروریات خریدتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ان کو اجرت میں نقد رقم ملنے لگی جس سے وہ جو چیز چاہیں خریدیں لیکن اب بھی قدیم طریق کا کچھ نہ کچھ رواج باقی ہے اور کسی طبقے کی اجرت کا تخمینہ کرتے وقت صرف زر موصولہ پر نظر نہ رکھنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا بھی ضرور ہے کہ آیا مزدوروں کو کسی اور شکل میں بھی معاوضہ ملتا ہے یا نہیں۔ مثلاً کھیتی باڑی کے مزدوروں کو جو رقم یا غلہ بطور اجرت ملتا ہے اس کے علاوہ انکو

چاہنے کے واسطے کچھ بھنے ہوئے دانے اور پینے کے واسطے باب پنجم
تھوڑا سا تمباکو بھی ملتا ہے۔ مزدوروں کی اجرت میں یہ چبینا فصل ۴
اور تمباکو بھی شمار ہونا چاہئے۔ علی ہذا فصل تیس میں بیان
ہو چکا ہے کہ سائیس کو جو ماہانہ تنخواہ ملتی ہے وہ اس کی اجرت
کا صرف ایک جزو ہوتی ہے۔ چند روپیہ ماہوار کے علاوہ اس کو
اور چیزیں بھی اجرت میں ملتی ہیں۔ رہنے کو مکان، جلانے کو
گھانس، اور کبھی کبھی پہننے کو وردی۔ اجرت کی مختلف شکلوں
میں ادا کرنے کا جو طریق مروج ہے اس سے کبھی کبھی مجموعی
اجرت کے تخمینے میں دھوکا ہو سکتا ہے۔

جوں ہی اجرت بہ شکل زر ملنی شروع ہوئی اجرت کی اجرت کی
دو قسمیں قرار پا گئیں اجرت زر، جس کو اجرت متعارفہ بھی کہتے دو قسمیں ہیں
ہیں۔ دوسری اجرت صحیحہ۔ ان ہر دو قسم کا فرق سمجھنا ضروری
ہے۔ اجرت متعارفہ سے تو وہ اجرت مراد ہے جو زر کی مقدار
میں بیان کی جائے، مثلاً چار آنے روز یا دس روپیہ ماہوار
لیکن اجرت صحیحہ سے مراد چیزوں کی وہ مقدار ہے جو مزدور کو
حاصل ہو سکے۔ مثلاً غلہ یا کپڑے وغیرہ کی فلاں مقدار۔ مزدور تو
اپنی ضروریات کی خاطر محنت کرتا ہے پس اس کو بیشتر اپنی
ضروریات کی مقدار سے سروکار ہے نہ کہ روپیہ پیسہ کی تعداد
سے۔ اگر کہیں اجرت دو آنے سے بڑھکر تین آنے روز
ہو جائے تو گویا اجرت متعارفہ میں پچاس فی صدی اضافہ ہوا
لیکن اگر اجرت صحیحہ کی حالت دریافت کرنی مطلوب ہو تو مزدوروں کی

باب پنجم
فصل ۴

ضروریات کے نرخ دریافت کرنے چاہئیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کو کس قدر ضروریات میسر ہیں۔ اگر نرخوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو اجرت متعارفہ میں پچاس فی صدی اضافہ ہونیکے ساتھ ساتھ اسی قدر اضافہ اجرت صحیحہ میں ہوگا۔ جب اجرت دو آنے کی بجائے تین آنے روز ہو جائے تو صاف ظاہر ہے کہ مزدور ڈیوڑھا سامان خرید سکے گا۔ لیکن اگر اسی دوران میں نرخ بھی پچاس فی صدی چڑھ جائے تو اجرت متعارفہ کے پچاس فی صدی اضافہ سے مزدور کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ جس قدر ضروریات اس کو دو آنے اجرت ملنے پر میسر تھیں اُتنی ہی بوجہ گرانی تین آنے ملنے پر حاصل ہیں۔ پس آنوں کی تعداد بڑھنے سے کیا فائدہ جبکہ سامان کی مقدار میں کوئی اضافہ نہ ہو گنے کو اجرت متعارفہ بڑھ گئی لیکن اجرت صحیحہ وہی ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا اگر مدت سے کسی گاؤں میں شرح اجرت دو آنے روز چلی آتی ہو تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اجرت صحیحہ میں بھی کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ غلہ، نمک، کپڑا اور دیگر ضروریات روز بروز گراں ہو رہی ہیں پس جبکہ اجرت متعارفہ برقرار رہے تو بوجہ گرانی اجرت صحیحہ میں بہت تخفیف ہو سکتی ہے حالانکہ مزدوروں کو اب بھی وہی دو آنے ملتے ہیں لیکن ان کو بمقابل سابق ضروریات کی کمتر مقدار میسر ہوتی ہے۔

اجرت صحیحہ میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا آسان نہیں۔ مزدوروں کی ضروریات بہ تفصیل تمام

دریافت کرنی پڑتی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کن کن چیزوں کی کتنی مقدار مزدوروں کے صرف میں آتی ہے اور ان ہی کی قیمتوں کے حساب سے اجرت صحیحہ کا پتہ چلتا ہے ۔ پس ماندہ دیہات میں مزدورونکی ضروریات انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں اور وہاں مدتوں تک ان میں تبدیلیاں نہیں ہوتیں ۔ ان کے متعلق تو ایسی تحقیقات کرنی زیادہ مشکل نہیں ۔لیکن سخت دشواری اس وقت پیش آتی ہے جبکہ مزدوروں کی ضروریات میں جلد جلد اضافہ اور تبدیلیاں نمودار ہوں اور وسائل رسد بھی بدلتے رہیں چنانچہ شہر اور قصبات میں یہی حالت نظر آتی ہے ۔ جبکہ کسی ملک کی معاشی حالت کا مطالعہ کرنا مطلوب ہو تو باوجود دقتوں کے اجرتِ متعارفہ دریافت کرنی ضرور ہے ۔ کیونکہ مالی حالت کا پتہ اسی سے چلتا ہے ۔اس کام کے واسطے محض اجرتِ متعارفہ کا جاننا بیکار ہے ۔ بغرض سہولت سر دست ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ چیزوں کے نرخ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور اجرت متعارفہ کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ اجرت صحیحہ میں بھی تخفیف و اضافہ ہوتا ہے ۔ ایسی حالت میں ہم البتہ شرح اجرت کی کمی بیشی بلا خوفِ مغالطہ زر کی مقدار میں بیان کر سکتے ہیں ۔لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ مزدور کو در اصل ضروریات کی مقدار سے غرض ہے روپیہ پیسہ کی تعداد سے فی نفسہٖ اس کو کچھ مطلب نہیں ۔ بالفاظ دیگر اجرت میں اس کو زر کی مقدار خواہ کم ملے یا زیادہ لیکن ضروریات کی مقدار کافی بلکہ وافر ملنی چاہئے ۔ سچ پوچھو تو مزدور کھانے پینے کی

باب پنجم
فصل ۴

خاطر محنت کرتا ہے نہ کہ تانبے چاندی کے سکے جمع کرنے کی لالچ سے۔ بیان میں تو اجرت متعارفہ زیادہ آتی ہے، لیکن مزدور کے حق میں اجرت صحیحہ غور طلب ہے۔

محنت کے بازار

شمالی ہندوستان میں محنت کے جیسے کچھ بازار ہیں دیکھیں وہ کیونکر چلتے ہیں، اور مروجہ شرح اجرت کیونکر قرار پاتی ہے۔ جن جن لوگوں کو کام کاج کے واسطے مزدوروں کی ضرورت ہو ان سب کی طرف سے طلب پیش ہوتی ہے۔ مزدوروں کی بیسیوں جگہ ضرورت رہتی ہے۔ کارخانوں میں، مال گوداموں میں، تعمیرات میں، کھیتی باڑی، باربرداری، خدمتگاری، اور طرح طرح کے کاموں میں اور ان تمام شعبوں میں جتنے مزدور درکار ہوں ان سب کی مجموعی طلب بازار میں پیش ہوتی ہے۔ طلب کی کوئی مقدار معین نہیں ہوتی بلکہ اجرت کی کمی بیشی سے اس میں بھی اس طرح تبدیلی ہوتی رہتی ہے جیسے کہ قیمت کے گھٹنے بڑھنے سے چیزوں کی طلب میں اضافہ و تخفیف ہوتی ہے۔ گویا قانون طلب کا چیزوں اور محنت پر یکساں اثر پڑتا ہے۔ طالب علموں کو مزدور رکھنے کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا، پس ممکن ہے کہ یہ نکتہ اچھی طرح پر ان کی سمجھ میں نہ آئے کہ قانون طلب کا محنت پر بھی اثر پڑتا ہے پس احتیاطاً اس کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

طلب محنت کی حد

چیزوں کی طلب سے بحث کرتے وقت معلوم ہوا تھا کہ ہر صرف کرنے والے کی نظر میں قیمت کی ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ اگر قیمت اس حد سے بڑھے تو وہ اس چیز کو صرف کرنا ہی

باب پنجم
فصل ۴

چھوڑ دیگا۔ محنت سے جس قدر دولت پیدا ہو اسی کے حساب سے اجرت کی حد قرار پاتی ہے۔ بعض سادہ مثالوں سے یہ امر بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گھسیارے کو دو آنے روز اجرت دے تو یقیناً وہ کم از کم دو آنہ کی گھاس کھود کر لاتا ہوگا یہ تو ممکن ہے کہ گھسیارے کو گھاس کی قیمت سے کم اجرت ملے۔ لیکن وہ زیادہ کسی حالت میں نہیں پا سکتا۔ پس گھسیارہ کو دو آنہ دئے جاتے ہیں، ممکن ہے کہ اس کی گھاس کی قیمت تین آنے ہو مگر دو آنہ سے کم نہیں ہو سکتی ورنہ اس کو دو آنہ اجرت ملنی محال ہے۔ جہاں کار و بار اعلیٰ پیمانہ پر جاری ہو وہاں بھی مزدوروں کی اجرت یونہی قرار پاتی ہے۔ البتہ چونکہ مزدوروں کی محنت ہوتی ہے اور آجر کا اصل اور یہ دونوں عامل ملکر دولت پیدا کرتے ہیں، یہ دریافت کرنا ذرا دشوار ہے کہ محنت سے کتنی دولت پیدا ہوئی اور اصل سے کتنی۔ لیکن آجر کو یہ فیصلہ کرنا لابد ہے اور یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ مزدور کو جتنی اجرت ملے کم از کم اسی قدر بلکہ اس سے کچھ زیادہ دولت وہ اپنی محنت سے پیدا کردے المختصر آجر مزدور کو زیادہ سے زیادہ اس قدر اجرت دے سکتا ہے جس قدر کہ اس کے کام سے دولت پیدا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ محنت کی جدول طلب میں بھی ایک اعلیٰ حد ہوتی ہے اگر اجرت اس مقدار سے بڑھے تو لوگ مزدوروں سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں۔

طلب محنت اور سیح اجرت

جیسے کہ اجرت کی ایک اعلیٰ حد ہے اسی طرح ایک ادنیٰ حد

بھی ہے وجہ یہ کہ محنت کی طلب بہ تمام و کمال پوری ہونی ممکن ہے اگر ایک پیسہ روز اجرت پر بھی مزدور محنت کرنے کو آمادہ ہوں تب بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ بیشمار مزدور کام سے لگ جائیں۔ البتہ کام کرنے والے مزدوروں کی جماعت میں اضافہ ضرور ہو جائیگا۔ پس محنت کی جدول طلب میں ایک ادنیٰ حد بھی ہے کہ اگر اجرت اس سے بھی گھٹے تو محنت کی طلب میں اضافہ نہ ہو۔ کیونکہ اس حد پر اس کی احتیاج بہ تمام و کمال اس طرح پر پوری ہو جاتی ہے جیسے کہ اور چیزوں کی ہوتی ہے۔ ان ہر دو حدود کے مابین شرح اجرت کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی طلب میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ شرح گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے اور بڑھنے سے گھٹتی ہے بعینہ جس طرح کہ قیمت کے ساتھ چیزوں کی طلب میں تبدیلی ہوا کرتی ہے۔ گھر کے کام کاج پر بھی اجرت کا اثر پڑتا ہے مثلاً گھاس کھدوانا ہو یا باغ میں کام کرانا ہو تو مزدور رکھتے وقت اجرت کا خیال رہے گا۔ اور اگر اجرت زیادہ ہوئی تو کم مزدور رکھے جائیں گے۔ اور بعض ایسے کام ملتوی کردئے جائینگے جو اجرت کم ہونے کی حالت میں مکمل کرادئے جاتے۔ علیٰ ہذا کاشتکاروں کو یہ پس و پیش رہتا ہے کہ مزدور رکھے جاویں یا نہیں اور اگر رکھے جاویں تو کتنے۔ اور بعض وقت اجرت میں صرف ایک پیسہ گھٹنے بڑھنے سے آجروں کے فیصلہ پر اثر پڑتا ہے ٹھیکہ داروں کو بھی اجرت کا خاص خیال رہتا ہے۔ اگر کم ہوئی تو زیادہ مزدور لگا کر کام جلد ختم کرالیا اور اگر زیادہ ہوئی تو مزدور

گھٹا کر کام زیادہ دنوں تک چلتا رکھا۔ جہاں پیدائش دولت بڑے پیمانہ پر جاری ہو اور اصل کی بڑی بڑی مقداریں کام کر رہی ہوں وہاں بھی مثلاً کارخانوں میں شرح اجرت پر بہت توجہ رہتی ہے کارخانہ دار کو جو چند دشوار مرحلے پیش آتے ہیں ان میں سے بعض کا باعث یہ اصول ہے کہ موقع ملنے پر کل یا مشین کو دستی محنت کا جانشین بنادیتے ہیں۔ کارخانہ دار فیصلہ کرتے وقت کل کے مطالبات فرسودگی اور اصل کے سود کے مجموعہ کا مزدوروں کی اجرت سے مقابلہ کرتا ہے۔ تب کہیں پتہ چلتا ہے کہ کل سے کام لینا زیادہ مفید ہے یا مزدوروں سے کام کرانا۔ اگر اجرت کم ہے تو مزدوروں سے زیادہ کام لیا جائیگا مثلاً سامان لانا لیجانا۔ لیکن اجرت بڑھنے پر ممکن ہے کہ یہ کام بھی کل سے لیا جائے اور مزدوروں کی تعداد گھٹ جائے۔

باب پنجم فصل ۴

قانون طلب کا عمل

پس واضح ہوا کہ اجرت بڑھنے پر ہر قسم کے آجر اپنے کام میں مزدوروں کی تعداد گھٹا دیتے ہیں اور ہر قصبے میں کچھ ایسے آجر موجود ہیں جو خواہ شرح اجرت کچھ ہی کیوں نہ ہو اسی جو کھم میں رہتے ہیں کہ کتنے مزدور رکھنے چاہئیں۔ اجرت کی خفیف تبدیلی سے ایسے مذبذب آجروں کے فیصلہ پر بہت کچھ اثر پڑ سکتا ہے یعنی ذراسی تخفیف سے طلب بڑھ جاتی ہے اور اضافہ سے طلب میں کمی آجاتی ہے۔ چیزوں کی طلب کے مانند محنت کی طلب کا بھی جدول تیار ہو سکتا ہے۔ جس میں کسی قصبے کے بازارِ محنت پر قانون طلب کا اثر نمایاں ہو کہ کیونکر اجرت بڑھنے

باب پنجم
فصل ۱۴
کارکردگی
اور اجرت

سے محنت کی طلب گھٹتی ہے اور اجرت گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے۔
طلب محنت کی بحث ختم کرنے سے قبل ایک ضروری بات اور جتا دینی چاہئے وہ یہ کہ جدول طلب میں جو اجرت کی اعلیٰ حد ہوتی ہے اس کا مقام خاصکر مزدوروں کی کارکردگی پر منحصر ہے۔ دسویں فصل میں کارکردگی کی مفصل بحث پیش ہو چکی ہے جس سے واضح ہوا کہ پیداوار کی مقدار کا دار و مدار مزدوروں کی کارکردگی پر ہے۔ پیداوار کی قدر و قیمت کے لحاظ سے اجرت کی اعلیٰ حد قرار پاتی ہے۔ گویا اس کا دار و مدار بھی خود مزدوروں کی کارکردگی پر ہے۔ آجر کارکردگی کی اہمیت سے خوب واقف ہیں۔ مثلاً ٹھیکہ دار مشقت طلب کاموں میں اودھ کے رہنے والے مزدوروں کو مقابلتاً زیادہ اجرت دیتے ہیں اور متوسط ہند کے رہنے والوں کو کم۔ وجہ یہ ہے کہ اول الذکر مزدور زیادہ مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں اور زیادہ کام کر سکتے ہیں جہاں تعمیر کے بڑے بڑے کام جاری ہیں وہاں پنجاب سے سکھ بڑھئی بلائے جاتے ہیں۔ یا کلکتہ سے چینی بڑھئی۔ عام ہندوستانی بڑھیوں کے مقابلہ میں چینی اور پنجابی بڑھیوں کو اجرت زیادہ ملتی ہے اور یہ کچھ بیجا نہیں کیونکہ وہ زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں اور عمدہ کام کرتے ہیں۔ مزدوروں کا کام جس قدر قیمتی ہو اس سے زیادہ ان کو اجرت نہیں مل سکتی۔ البتہ اگر ان کی کارکردگی میں ترقی ہو یعنی وہ زیادہ قیمتی کام کرنے لگیں تو انکی اجرت میں ضرور اضافہ ہو جائیگا۔

باب پنجم
فصل ۴۱

فصل اکتالیس ۴۱

اجرت

رسد محنت

جب ہم رسد محنت کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو معمولی چیزونکی رسد کے مقابلہ میں اس میں کہیں زیادہ پیچیدگیاں نظر آتی ہیں محنت کی رسد سے مزدوروں کی وہ جماعت مراد ہے جو کام کرنیکے واسطے موجود اور آمادہ ہو۔کام کرنے سے ان کی یہی غرض ہوتی ہے کہ ان کی ضروریات پوری ہوں ۔ اب اگر چیزوں کی قیمتوں میں تو کوئی اضافہ نہ ہو اور اجرت متعارفہ بڑھے تو گویا ان کی اجرت صیحیح بھی بڑھ گئی ۔ یعنی ان کو زیادہ زیادہ ضروریات میسر ہوسکتی ہیں پس جو لوگ کہ اجرت ناکافی سمجھنے کی وجہ سے کام کرنے کے لئے پس و پیش کر رہے ہوں وہ بھی اجرت بڑھنے پر کام سے لگ جاویں گے گویا محنت کی رسد میں اضافہ ہوگا ۔ یہاں تک تو محنت کی حالت عام چیزوں کی سی ہے کہ قیمت بڑھنے سے رسد بھی بڑھتی ہے لیکن رسد محنت کے اضافہ کا عمل بہت زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے ۔ اس کی وجہ محنت کی وہی خاص باتیں ہیں جو بیان ہوئیں ۔ یعنی یہ کہ مزدور اپنی مرضی کا مختار ہے اور اس کی زندگی

باب پنجم بہت کچھ عادات اور رسم و رواج کے تابع ہوتی ہے۔
فصل ۱۴ پہلی خاصیت تو یہ ہے کہ محنت مزدور سے جدا نہیں ہو سکتی یعنی مزدور اپنے کام سے الگ نہیں رہ سکتا۔ گیہوں کی بوری خواہ کہیں جائے فروشندہ کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ اسکو تو بس قیمت سے غرض ہے۔ لیکن مزدور اپنی محنت کے معاملہ میں اس قدر بے تعلق کیونکر رہ سکتا ہے اس کو تو محنت کے ساتھ خود جانا لابد ہے پس کہاں جانا اور کن کن حالتوں میں کام کرنا، یہ باتیں مزدور کے حق میں بہت توجہ طلب ہیں۔ اور اگر وہ اپنی طرز زندگی بدلنے پر آمادہ نہ ہو تو ممکن ہے کہ بہت زیادہ اجرت ملنے پر بھی وہ گھربار چھوڑ کر کہیں نہ جائے عام مشاہدہ ہے کہ دیہات سے چند چند میل کے فاصلہ پر قصبات میں شرح اجرت بہت بڑھی رہتی ہے۔ اگر مزدوروں کی حالت بھی مال و سامان کی سی ہوتی تو دیہات و قصبات کی اجرت میں یہ فرق کیونکر ممکن تھا۔ زیادہ اجرت کی خبر پاکر مزدور دیہات سے قصبات میں جا پہنچتے۔ گویا دیہات میں رسد گھٹنے سے اجرت میں کچھ اضافہ ہوتا اور قصبات میں رسد بڑھنے سے کچھ تخفیف اور اسطرح پر دیہات اور قصبات کی شرح اجرت ایک سطح پر آ رہتی۔ مزدور قصبات میں جاتے ضرور ہیں مگر نہ اس قدر جتنے کہ آجروں کو مطلوب اس وجہ یہ ہے کہ دیہات کی زندگی ان کو زیادہ پسند اور عزیز ہے۔ قصباتی زندگی میں ان کو اس قدر لطف و آرام نہیں ملتا۔ گاؤں میں مزدور کا اپنا گھر ہوتا ہے۔ اس کے ارد گرد کچھ افتادہ زمین ہوتی ہے۔ وہ

باب پنجم
فصل ۱۱

اور اس کا خاندان آرام اور چین سے رہتا ہے۔ لیکن جب وہ قصبے میں جاتا ہے تو اس کو تنگ گلیوں میں کوئی چھوٹا سا مکان کرایہ پر لینا پڑتا ہے۔ جہاں اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور اس کو گاؤں کی صاف اور کھلی ہوا یاد آتی اور دل کو بیچین کر دیتی ہے۔ اسکے علاوہ کار خانہ میں کام کرنا بھی اس کو دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ جب ذرا تھکے سستائے حقہ پانی کیا۔ حالانکہ گاؤں میں وہ جب چاہیں آرام لے لیں۔ کوئی معترض نہیں ہوتا۔ اس پر طرّہ یہ کہ کارخانوں میں نگران کار ہر وقت سر پر سوار رہتے ہیں اور جن مزدوروں کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے وہ اجنبی اور مختلف ذات کے لوگ ہوتے ہیں۔ حالانکہ گاؤں میں کوئی ایسی سخت نگرانی نہیں ہوتی۔ اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ساتھ ملکر کام کرتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں دیہاتی مزدوروں کو ان باتوں کا بہت خیال ہوتا ہے۔ اور ان میں اکثر کو اپنے گاؤں کے دو آنے روز قبول ہیں مگر تین چار آنے روز کی خاطر قصبہ میں جانا منظور نہیں۔

کام کی دلپسندی وناگواری اور خالص فوائد۔

پس معلوم ہوا کہ کام کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی یہ ایسا پسند خاطر ہوتا ہے کہ لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ اور کبھی اس درجہ ناگوار کہ لوگ اس سے بچتے ہیں۔ لیکن کام کی یہ خاصیت کچھ ہندوستان ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ دوسرے ممالک میں بھی معاشیین کو اس سے سابقہ پڑتا ہے۔ البتہ کسی کام کی دل پسندی یا ناگواری کے متعلق ہر قوم کے خیالات اور معیار جدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں تو آجروں کو یہ شکایت ہے کہ اعلیٰ اجرت ملنے پر

باب پنجم فصل ۱۴

بھی مزدور گاؤں چھوڑکر شہر میں نہیں آتے۔ بعض ممالک میں اس کے برعکس یہ نوبت ہے کہ سب اچھے اچھے مزدور گاؤں چھوڑکر قصبات میں جمع رہتے ہیں۔ جہاں ان سب کو کام ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ گاؤں میں کام کرنے کو کافی مزدور نہیں ملتے۔ بہ ہر حال واقعہ یہ ہے کہ ہر قوم کے لوگ بعض بعض کام زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور بعض ان کو ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ اور اپنی پسند کا کام وہ کم اجرت پر بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ناگوار کاموں کو زیادہ اجرت ملنے پر بھی ہاتھ نہیں لگاتے پس ثابت ہوا کہ کسی بازار میں محنت کی رسد محض اجرت پر منحصر نہیں بلکہ قوم کے خیالات اور کام کی حالت کا بھی رسد پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ مزدور نہ صرف اجرت کا خیال کرتا ہے بلکہ وہ کام کی دل پسندی اور ناگواری کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ اور جو کام بحیثیت مجموعی اس کو بہترین نظر آئے اُسی کو اپنے واسطے منتخب کرلیتا ہے۔ کام سے کام کا مقابلہ کرتے وقت معاشیین **خالص فوائد** کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔ فوائد خالص سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کی سب خوشگوار باتیں جن میں اجرت بھی شامل ہے۔ ایک طرف شمار کی جاویں۔ اور کل ناگوار باتیں دوسری طرف اور اول الذکر مد میں سے آخر الذکر منہا کر کے دریافت کریں کہ فلاں کام میں **فوائد خالص** کی مقدار کیا ہے اب ہر کام کے فوائد خالص اسی طرح معلوم کرکے ان کا باہم مقابلہ کیا جائے۔ جس کام میں ان کی مقدار سب سے زیادہ نظر آئے وہی کام شروع

کردیا جائے ۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مذکورۂ بالا مقابلوں میں سب مدوں کا ٹھیک ٹھیک حساب تیار ہو ۔ مثلاً آب و ہوا اور طرز معاشرت کے فرق کا صحیح صحیح مقابلہ کرنا دشوار ہے ۔ لیکن اوپر کے بیان سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ کام کے انتخاب میں مزدور کم و بیش انجان پنے میں کس اصول پر عمل کرتا ہے اس کو ایسا کام کرنے کی خواہش ہوتی ہے جو اس کو اور اس کے خاندان کو سب سے زیادہ دلپسند معلوم ہو ۔ اور جہاں تک ہو سکتا ہے وہ تمام ذرایع معاش کا مقابلہ کرکے ان میں سے ایک اپنے واسطے منتخب کرلیتا کبھی محض اجرت کا فرق انتخاب کی بنا قرار پا جاتا ہے ۔ کیونکہ مزدور کے نزدیک اجرت کی بیشی کام کی دوسری ناگوار باتوں کی پوری تلافی کردیتی ہے ۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ وہ کام کی مجموعی حیثیت پر نظر ڈالتا ہے ۔

باب پنجم فصل ۱۴

دوسری خاصیت جس کا رسد پر اثر پڑتا ہے یہ ہے کہ محنت کو بطور ذخیرہ پس انداز کرکے نہیں رکھ سکتے ۔ اگر قیمت بہت گھٹ جائے تو تاجر اپنا مال روک سکتا ہے چند ماہ بعد بھی اس کا مال اسی طرح کام آسکے گا جیسا کہ اب آتا ۔ لیکن اگر مزدور کسی روز کام نہ کرے تو بس اس کا دن غارت ہوا ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اگلے روز وہ دو دن کا کام کرلے پس مزدور کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ روز کے روز اپنی محنت فروخت کرتا رہے ۔ اگر کسی روز اسکی محنت فروخت نہ ہو یعنی اس کو کام نہ ملے تو بس اس روز کی محنت برباد ہوئی ۔ آج کی محنت کل فروخت نہیں ہو سکتی محنت

محنت کا ذخیرہ ممکن نہیں

باب پنجم
فصل ۴

کا حال اُن مچھلیوں کا سا ہے جو گرمی کے زمانہ میں کسی روز فروخت نہ ہوں اور رات بھر میں سڑکر بیکار ہو جائیں۔ کبھی کبھی جب اجرت بہت ہی کم ملے تو کام چھوڑ بیٹھنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسی ترکیب سے اجرت بڑھنے کی قوی امید نہ ہو۔ جب تک مزدوروں کی بڑی جماعت میں اتفاق نہ ہو دو چار مزدوروں کے کام چھوڑنے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ جب اجرت بڑھوانے یا اور کوئی شکایت رفع کروانے کی غرض سے مزدوروں کی کوئی جماعت کام چھوڑ بیٹھے تو ان کا یہ فعل اصطلاحاً **اسٹرائک یا ہڑتال** کہلاتا ہے۔ اکثر ملکوں میں اس کا بہت رواج ہے اور ہندوستان میں بھی بعض صنعت و حرفت کے مزدور کبھی کبھی ہڑتال کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن ہڑتال جبھی چل سکتی ہے جب کہ مزدوروں کے پاس بیکاری کے زمانہ میں اپنے اور اپنے کنبہ کی گذر کے لائق اندوختہ موجود ہو۔ ورنہ اگر حالت یہ ہو کہ وہی کنواں کھودنا اور وہی پانی پینا تو کام چھوڑتے ہی فاقہ کشی کی نوبت آجائیگی۔ حاصلِ کلام یہ کہ بیچارے مزدور میں اتنی سکت نہیں کہ دو ایک روز سے زیادہ کام چھوڑ بیٹھے۔ حالانکہ بہت سے آجر کہیں زیادہ مدت تک کار و بار بند رکھ سکتے ہیں پس اجرت طے کرنے میں مزدور تو ضعیف ہے اور آجر قوی۔ چنانچہ اکثر مزدور ایسی اجرت پر کام کرتے رہتے ہیں کہ اگر وہ کچھ عرصہ کیواسطے کام چھوڑ بیٹھیں یعنی محنت کی رسد گھٹادیں تو آجر خود انکی اجرت میں اضافہ کردے۔ آگے چلکر طالب علم کو معلوم ہوگا کہ

مغربی ممالک میں ہڑتال ایک اہم مسئلہ بن گئی ہے۔ وہاں پر مزدوروں باب پنجم
نے اتفاق کر کے **انجمن ہائے اتحاد** قائم کر رکھیں ہیں۔ جن کا منشا فصل (۱۴)
یہ ہے کہ مزدوروں کو اجرت طے کرنے میں آجر کے مقابلہ میں مدد
دیں اور ہڑتال کے زمانہ میں مزدوروں کے خورد و نوش کا سامان بہم
پہنچائیں تاکہ وہ ہڑتال پر جمے رہیں۔ اگر ہندوستان میں ہر طرف کارخانے
جاری ہوئے جیسا کہ قرینہ نظر آرہا ہے تو یہاں بھی ہڑتال ایک توجہ
طلب مسئلہ بن جائیگی۔ لیکن ابھی تک نہ تو مزدوروں کو یہ شعور ہے
کہ ہڑتال کرنی مفید ہوگی، نہ ان میں ایسا ایکا کہ سب ملکر کام
چھوڑ دیں اور نہ ان کے پاس کچھ اندوختہ کہ بیکاری میں گذر سکیں۔ نتیجہ
یہ ہے کہ جسقدر اجرت مل سکتی تھی اس سے کم مقدار پر ان کو اکثر
کام کرنا پڑتا ہے۔

اب یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ کارکردگی کا محنت کی رسد پر کیا کارکردگی کا
اثر پڑتا ہے۔ ایک قسم کے گیہوں کا جیسا ایک من کارآمد ویسا ہی فرق اور رسد
دوسرا من۔ ہر ایک من سے اتنی ہی غذا تیار ہوگی۔ لیکن مزدور محنت
مزدور سب برابر نہیں۔ کوئی کام زیادہ کرتا ہے کوئی کم۔ کوئی
عمدہ قسم کا کام کرتا ہے کوئی ادنیٰ قسم کا۔ اگر کارکردگی میں
اضافہ ہو مثلاً تین آدمی اس قدر کام کرنے لگیں جتنا کہ چار آدمی
کرتے تھے تو اس اضافہ کارکردگی کا محنت کی رسد پر وہی اثر
پڑیگا جو بقدر ایک ثلث مزدور بڑھنے سے پڑتا۔ مدت دراز کے
اندر رسدِ محنت میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اُن پر غور کرتے
وقت کارکردگی کی حالت بھی پیش نظر رکھنی ضرور ہے البتہ مختصر

باب پنجم
فصل ۱۴
دوران میں بازار کے توازن پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ خود کارکردگی میں اس قدر جلد جلد تبدیلیاں نہیں ہو سکتیں۔ بہت اہتمام کے ساتھ تعلیم اور تربیت دینے اور اخلاقی حالت سدھارنے سے کہیں کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ کام مدتوں میں سرانجام پاتا ہے۔

اضافہ آبادی
ایک خاصیت یہ بھی قابل غور ہے کہ آبادی بڑھنے سے محنت کی رسد میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کے واسطے بھی مدت درکار ہے۔ اگر کسی چیز کی بازاری قیمت بڑھے تو لوگ اسکی زیادہ زیادہ مقدار تیار کرنے لگتے ہیں اور رسد بڑھ جاتی ہے۔ اس تبدیلی میں مختلف عرصے لگتے ہیں۔ مثلاً دو ایک ہفتہ ہی میں کار خانے چاہیں تو سوت یا کپڑے کی مقدار بڑھادیں۔ البتہ گیہوں وغیرہ کی پیداوار بڑھانے میں چند ماہ لگیں گے۔ لیکن بہر حال ان چیزوں کی پیداوار بڑھانے میں اس سے کہیں کم وقت لگتا ہے جو رسد محنت کے اضافہ کیواسطے درکار ہے کہ بچے پیدا ہوں، پلیں، بڑھیں، جوان ہوں تب کہیں مزدور بنیں۔ حاصل کلام یہ کہ اضافہ آبادی کے ذریعہ سے محنت کی رسد جلد نہیں بڑھ سکتی۔ البتہ ممکن ہے کہ کوئی مرض یا وبا پھیل کر آبادی کا صفایا کردے اور چند ہی ماہ میں رسد بہت گھٹ جائے۔ واقعہ یہ کہ رسدِ محنت میں جو تبدیلیاں جلد جلد ہوتی ہیں وہ اسی توطن سے ہوسکتی ہیں جس کا ذکر کسی گذشتہ فصل میں آچکا ہے۔ یعنی یہ کہ لوگ دوسری جگہ جا جا کر آباد ہوں۔ موت یا پیدائش کی شرح اس قدر جلد نہیں بدلتی کہ اس کی وجہ سے رسد میں کوئی

باب پنجم
فصل ۴

نمایاں فرق پڑ سکے ۔ مسئلہ توطن نویں فصل میں باتفصیل بیان ہو چکا ہے ۔ ہندوستان میں بھی توطن بڑھ رہا ہے ۔ گرچہ ابھی اسکی ترقی میں بہت سی دقتیں حائل ہیں تاہم قرائن یہی ہیں کہ آئندہ توطن کے ذریعہ سے محنت کی رسد میں جلد جلد اصلاح ہوتی رہیگی گو اس قدر جلد نہ سہی جتنی کہ اور چیزوں کی رسد میں ہوتی ہے ۔

شرح اجرت کی تبدیلی سستی

رسدِ محنت کے کل خواص اب تک بیان نہیں ہوئے صرف چند ضروری مختصراً پیش کردئے گئے ہیں ۔ کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد طالب علم کو یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنا ہوگا ۔ تاہم اوپر کے بیان سے یہ توبخوبی واضح ہوگیا کہ محنت کے بازار اتنی سہولت اور سرعت سے نہیں چلتے جتنے کہ اور چیزوں کے شرح اجرت بڑھنے سے محنت کی طلب گھٹنے لگتی ہے ۔ اور ساتھ ہی محنت کی رسد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ گویا توازن پیدا کرنے کا رجحان محنت کے بازار میں بھی موجود ہے ۔ یعنی اجرت کی بازاری شرح ایک ایسی مقدار قرار پاتی ہے کہ اس پر محنت کی رسد و طلب میں توازن قائم ہو جائے ۔ لیکن جیسا کہ ابھی واضح ہوچکا ہے رسد کی تبدیلی چند در چند اسباب کی پابند ہے ۔ پس وہ جلد جلد شرح اجرت کے مطابق تبدیل نہیں ہوسکتی اور توازن نامکمل رہتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے عام بازاروں میں اجرت کی شرح جو قرار پا جاتی ہے مدتوں تک تبدیل نہیں ہوتی ۔ آجر اور مزدور وہی مقدار دینے لینے کے عادی ہو جاتے ہیں ۔ طلب یا رسد میں معمولی تبدیلی ہونے سے شرح میں فوراً کوئی فرق نہیں آتا ۔ حتیٰ کہ سرسری طور پر ایسا

باب پنجم
فصل (۱۴)

معلوم ہوتا ہے کہ گویا شرح اجرت بالکل معین ہے اور محنت کی رسد و طلب کا اس پر کچھ اثر پڑتا ہی نہیں ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ رسد و طلب کی صرف معمولی معمولی تبدیلیوں کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ عرصۂ دراز میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا اثر اجرت پر ضرور پڑتا ہے اور بہت زیادہ پڑتا ہے ۔

خاص تبدیلیوں کی مثال

لیکن یہ خیال کہ محنت کی طلب و رسد کا شرح اجرت پر کچھ اثر نہیں پڑتا پورے طور پر صحیح نہیں ہے ۔کیونکہ عرصۂ دراز کے اندر جو تبدیلیاں شرح میں نمودار ہوتی ہیں وہ اس طلب و رسد کا نتیجہ ہیں ۔جب بخار پھیلتا ہے تو اجرت بڑھتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بہت سے مزدور بیمار پڑجاتے ہیں اور تندرست مزدور جو کام کرسکیں کم ملتے ہیں ۔جب ہیضہ یا پلیگ پھیلتا ہے تب بھی کچھ مزدور بیمار پڑتے ہیں تو بہت سے بھاگ جاتے ہیں لیکن اجرت اس وجہ سے نہیں بڑھتی کہ کار و بار بھی ساتھ ہی بند ہو جاتے ہیں اور مزدوروں کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔پس معمولی بیماریوں کے زمانہ میں تو اجرت بڑھتی ہے لیکن وبا کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ جب فصل خراب ہوتی ہے تو قصبات میں شرح اجرت بھی گھٹ جاتی ہے ۔ فصل ہی آجروں کی آمدنی کا ذریعہ ہے اول تو وہ خراب ہوئی ، دوسرے سامان خوراک گراں ہوا۔ آجروں کے پاس اب اتنا روپیہ کہاں کہ پہلا سا کار و بار چلائیں ۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ دیہات کے بھوکے اور بیکار مزدور بھی قصبات میں آکر جمع ہونے لگے کہ شاید وہیں کچھ مزدوری مل جائے ۔ اس حالت میں شرح جس قدر بھی گھٹے عجب

نہیں۔جب یہ نوبت آجاتی ہے تو سرکار مزدوروں کی پرورش کی خاطر کوئی کام شروع کردیتی ہے۔مثلاً ریل کی سڑک بنانا یا نہر کھودنا تاکہ کام بڑھنے سے اجرت میں اضافہ ہو۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اجرت کی بازاری شرح پر بھی طلب و رسد کی تبدیلیوں کا ایسا ہی اثر پڑتا ہے جیسا کہ چیزوں کی بازاری قیمت پر۔البتہ یہ ضرور ہے کہ تبدیلی محض خفیف سی نہ ہو بلکہ بڑی ہونی چاہئے۔

باب پنجم فصل ۱۴

اجرت کی معمولی شرح

یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عارضی تبدیلیاں نمودار ہوتی ہیں تو ساتھ ہی ایسے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ شرح اجرت پھر حالت سابق اسی طرح پر آجائے جس طرح کہ بازاری قیمت معمولی قیمت کی طرف مائل ہوتی رہتی ہے۔جب اجرت میں اضافہ ہو تو محنت کی طلب گھٹتی ہے اور رسد بڑھ جاتی ہے اس کے برعکس اجرت میں تخفیف ہونے سے طلب بڑھتی اور رسد گھٹتی ہے۔غرض کہ ہر تبدیلی کے بعد اجرت اسی معمولی شرح کی طرف لوٹ آتی ہے چیزوں کے متعلق تو یہ تحقیق ہوچکا ہے کہ ان کی معمولی قیمت قریب قریب مصارف پیدائش کے برابر رہتی ہے۔اگر اس کی مقدار گھٹے تو لوگ نقصان کے خوف سے پیداوار گھٹا دیتے ہیں اور اگر بڑھے تو زیادہ منافع کے لالچ سے پیداوار بڑھا دیتے ہیں دونوں صورتوں میں قیمت پھر اسی مقدار پر آرہتی ہے۔علیٰ ہذا معمولی اجرت بھی وہ مقدار قرار پاتی ہے کہ جس پر مزدور اور اس کے کنبہ کی مروجہ طرز معاشرت کے مطابق گزر ہوسکے اگر اجرت میں کچھ عرصہ کے واسطے زیادہ تخفیف ہوگئی تو مزدور کام چھوڑ کر دوسری جگہ چلے

باب پنجم جائیں گے ۔ اور یہاں مزدوروں کی رسد بہت گھٹ جائیگی ۔ اور اگر کچھ
فصل ۱۴ مدت تک اجرت بہت بڑھی رہی تو سب مزدور کام سے لگ جائینگے
بلکہ بہت سے باہر سے آکر مزدوری کرنے لگیں گے گویا رسد بڑھ جائیگی
ہندوستان کی جو حالت ہے اس کے ہوتے ہوئے تو ایسی تبدیلیاں جلد
ظاہر نہیں ہوسکتیں ۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ مزدور جگہ تبدیل کرنے کے
بجائے اپنی طرز معاشرت ہی بدل دے ۔ یعنی معمولی اجرت کی شرح
خود تبدیل ہو جائے

معیار زندگی مزدوروں کا کوئی طبقہ جس طرز معاشرت کا عادی ہو وہ اس کا
معیار زندگی کہلاتا ہے ۔ ہر جگہ کا معیار زندگی بآسانی معلوم ہو جاتا
ہے ۔ اور یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ جابجا اور وقتاً فوقتاً اس میں
کیا کیا تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ۔ مثلاً ہر قصبے میں اور ہر ضلع کے
دیہات میں مزدور ایک ہی قسم کے مکانات میں رہتے ہیں ۔ ایک
ہی طرح کا لباس پہنتے ہیں ۔ اور ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے ہیں لیکن
اگر بلحاظِ طرزِ معاشرت بنارس کے مزدوروں کا دہلی کے مزدوروں سے
مقابلہ کیا جائے یا بہار کے کسی ضلع والوں کا پنجاب کے کسی ضلع
والوں سے تو واضح ہوگا کہ آخر الذکر مقامات کے مزدوروں کا معیار زندگی
مقابلتہً اعلیٰ ہے ۔ ان کی غذا زیادہ مقوی اور وافر ہوتی ہے ۔ ان
کے کپڑے زیادہ آرام دہ اور اجلے ہوتے ہیں اور وہ ادنیٰ درجہ
کی تفریح اور تعیشات میں بھی کچھ خرچ کرسکتے ہیں ۔ پس معلوم ہوا کہ
معیار زندگی درحقیقت ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم بآسانی پہچان سکتے
ہیں ۔ اگر برا وقت آجائے اور مزدوروں کی کمائی معمول سے بہت

گھٹ جائے تو پھر معیار زندگی برقرار رکھنا محال ہے۔ تھوڑا سا ادنیٰ قسم کا کھانا اور موٹے جھوٹے بلکہ پرانے کپڑے انہیں پر ان کو قناعت کرنی پڑتی ہے۔ البتہ جب اُن کے دن پھریں اور اجرت میں اضافہ ہو تو پھر معمولی معیارِ زندگی اُن میں رائج ہو جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ مصارف پیدائش کی طرح معیارِ زندگی میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لوگوں کی عادات و رسوم گو دیر دیر میں تبدیل ہوں مگر بدلتی ضرور ہیں۔ اور ہندوستان میں تبدیلی کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ اگر زیادہ عرصہ تک اجرت کا اضافہ برقرار رہے تو مزدور اعلیٰ معیارِ زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً موٹے اناج کھانے کے بجائے وہ گیہوں کھانے لگتے ہیں۔ اور جب معیار زندگی ایک مرتبہ یوں بڑھ جائے تو پھر جہاں تک بھی ہو سکے گا وہ گیہوں کھانا ترک نہ کرینگے اسی طرح اگر مدت تک اجرت گھٹتی رہے تو مزدوروں کا معیار زندگی ادنیٰ ہو جائیگا اور وہ تکلیف اٹھائینگے حتیٰ کہ وہ پورے طور پر اس کے عادی ہو جائیں۔ معیار زندگی اور معمولی شرح اجرت میں جو جو تبدیلیاں ہوتی ہیں انہیں سے ہم اگلی فصل میں بھی بحث کریں گے۔

باب پنجم
فصل ۴۲

فصل بیالیس ۴۲

اجرت

معمولی شرح میں تبدیلیاں

اجرت کی معمولی شرح میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ہم ان پر مزید غور کرتے ہیں۔طلب و رسد کے اثر سے معمولی شرح اجرت ایک ایسی مقدار قرار پاتی ہے کہ مروجہ میعارِ زندگی کے مطابق مزدو اور اس کے کنبے کی گذر ہو جائے۔لیکن میعارِ زندگی خود وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے اور ہندوستان میں اس کی تبدیلی کی رفتار بڑھ رہی ہے انتالیسویں فصل میں بیان ہوچکا ہے کہ قصبات سے دور افتادہ دیہات میں مدتوں تک اجرت کی ایک ہی شرح قائم رہتی ہے۔کیونکہ وہاں عادات اور رسوم بھی جن پر میعارِ زندگی کا دارو مدار ہے مدتوں تک تبدیل نہیں ہوتیں۔جس مروجہ شرح کا ہم نے وہاں ذکر کیا ہے وہ درحقیقت یہی معمولی شرح ہے اور اس کی بناپر مروجہ میعارِ زندگی قائم رہتا ہے لیکن صَرفِ دولت کے تحت میں بیان ہوچکا ہے کہ۔ ہندوستان میں بمقابل سابق عادات و رسوم جلد جلد بدل رہی ہیں۔اور ان کی تبدیلی کا اجرت کی معمولی شرح پر اثر پڑنا لازمی ہے۔اجرت کی معمولی شرح کی تبدیلیوں کا مسٔلہ پورے طور پر مطالعہ کرنے سے قبل

باب پنجم
فصل ۴۴

ضرور ہے کہ محنت کے بازار کا توازن اور اس کی شرائط خوب ذہن نشیں ہو جائیں۔ لیکن یہ مسئلہ اس قدر غور طلب ہے کہ یہاں پر علمی بحث کئے بغیر ہم صرف مثالوں کے ذریعہ سے معمولی شرح کی تبدیلیاں اور ملک کی معاشی حالت پر ان کا جو اثر پڑتا ہے واضح کریں گے

موجودہ معیار زندگی

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ موجودہ زمانہ میں شمالی ہندوستان کے مزدوروں کا میعارِ زندگی بہت ادنیٰ ہے۔ جو کچھ کھانا ان کو ملتا ہے وہ بقاء حیات کے واسطے تو کافی ہے لیکن اگر انکو زیادہ مقوی غذا دیجائے تو ان کی کار کردگی میں ترقی ہونی یقینی ہے۔ علی ہٰذا ان کا لباس اور مکان ایسا آرام وہ نہیں کہ ان کی صحت عمدہ رہ سکے۔ نہ تو ان کو اتنی استطاعت کہ اپنے بچوں کو کچھ پڑھائیں یا کام سکھائیں اور نہ ان کے پاس کچھ اندوختہ کہ بیماری یا بڑھاپے میں کام آئے۔ ان کی اجرت بہت تھوڑی ہے اور ان کی کار کردگی بھی ادنیٰ درجہ کی ہے اگر ان مزدوروں کی اجرت بڑھائی جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

اضافہ اجرت کے نتائج

جن مصنفین کے خیالات یورپ اور امریکہ کے تجربوں پر مبنی ہیں وہ تو مندرجہ بالا سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نتیجہ کا دارو مدار اس بات پر ہے کہ مزدور اس مزید اجرت کو کیونکر صرف کرتے ہیں صرف کرنے کے دو طریق ہوسکتے ہیں۔ ایک وہ کہ جس سے کار کردگی میں ترقی ہو اور دوسرے وہ جس سے اس میں تنزل ہو لیکن ہندوستان میں ایک تیسرا نتیجہ بھی پیدا ہونا ممکن ہے جو ممالک مغرب میں کبھی صاف طور پر نمودار نہیں ہوا۔ وہ یہ کہ اجرت بڑھنے پر

باب پنجم
فصل ۴۲

لوگ کام کا وقت گھٹادیں یعنی تھوڑی دیر کام کریں۔ ان ہر سہ نتائج سے ہم ذیل میں بالتفصیل بحث کرتے ہیں۔

کارکردگی کا تنزل

اول فرض کرو کہ اجرت بڑھنے پر بھی مزدور حسب سابق کام کرتا رہے۔ یعنی کام میں کمی نہ کرے۔ اور جو کچھ مزید اجرت ملے اُس کو بُری طرح پر صرف کرے۔ مثلاً شراب پینے لگے۔ شراب خواری سے چند ہی روز میں صحت تباہ ہوجائے گی اور کارکردگی میں بہت تنزل ہوگا۔ نہ صرف جسم ضعیف ہوجائے گا۔ بلکہ اخلاقی صفات بھی جن کا کارکردگی پر گہرا اثر پڑتا ہے خاک میں مل جائیں گے۔ بالآخر اجرت میں جو اضافہ ہوا تھا وہ بھی غائب ہوجائے گا۔ جب آجر دیکھے گا کہ تباہ حال مزدور کا کام اب ایسا عمدہ نہیں جیسا کہ پہلے تھا تو وہ اجرت بھی گھٹادے گا لیکن مصیبت یہ ہے کہ نشہ کا عادی ہونے کے بعد آمدنی گھٹنے پر بھی مزدور شراب نہیں چھوڑے گا۔ البتہ اس کی خاطر وہ دوسرے خرچ کم یا بند کردے گا۔ گویا اس کا معیار زندگی اور بھی ادنیٰ ہوجائے گا یہ ادنیٰ ہوا تو کارکردگی میں مزید تنزل ہوگا۔ اور اس کے تنزل سے اجرت میں پھر تخفیف ہوگی۔ حاصل کلام یہ کہ تباہی کا ایک چکر بندھ جائے گا اور مزدور کی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن یہ آفت یہیں ختم نہ ہوگی۔ میعارِ زندگی جوں جوں گرے گا مزدور کے بال بچوں کو کھانے کپڑے کی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ انکی صحت خراب ہونی شروع ہوگی۔ اور جب وہ جوان ہوکر کام کرنے کے قابل ہونگے تو بوجہ ناطاقتی و کمزوری ان کی کارکردگی اپنے باپ دادا کے مقابل بہت ادنیٰ ثابت ہوگی۔ اور اگر خدا نخواستہ جیسا کہ قوی

اندیشہ ہے اگر وہ بھی نشہ میں پڑ گئے تو پھر تو کچھ ٹھکانا نہیں۔ دوسری نسل بھی اسی تباہی کا شکار ہوگی اور یہ سلسلہ نسل بہ نسل جاری رہیگا حتےٰ کہ لوگ اس قدر ضعیف اور ناکارہ ہو جاویں گے کہ ان کو پیٹ پالنا دشوار ہوجائیگا ابتک یہ فرض کیا گیا کہ اس دوران میں آبادی کچھ نہ بڑھے گی۔ اگر آبادی میں بھی اضافہ ہوتا رہا جیسا کہ ہونا چاہئے تو پھر اجرت میں اور بھی سرعت سے تخفیف ہوگی۔ کیونکہ ادنیٰ درجہ کی کارکردگی کے مزدوروں کی جماعت بڑھ جائے گی اور وہ سب کام کے متلاشی ہوں گے اگر آبادی گھٹی تو اجرت میں کم تخفیف ہو سکے گی۔ کیونکہ مزدور کم رہ جائیں گے۔ لیکن جبکہ کارکردگی میں تنزل ہوا تو اجرت میں تخفیف ضرور ہوگی خواہ کم خواہ بیش۔ یہ تو ایک انتہائی قسم کی مثال تھی۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ کارکردگی کے تنزل سے مزدوروں پر کیسی مصیبت آتی ہے۔ تنزل کا باعث خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس کی نوعیت کا نتیجہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کارکردگی میں تنزل شروع ہوتا ہے تو وہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کارکردگی گھٹنے سے اجرت گھٹتی ہے۔ اور اجرت کی تخفیف سے کارکردگی میں مزید تنزل ہوتا ہے۔ غرض کہ یونہی دور بندھ جاتا ہے۔ اس کے روکنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ جن عادتوں کی بدولت کارکردگی میں تنزل شروع ہوا ہو وہی عادتیں چھڑائی جائیں۔

کارکردگی کی ترقی

اب اس کے برعکس اس مزدور کی حالت پر غور کرو جو اپنی مزید اجرت اس طرح پر صرف کرے کہ اس کی کارکردگی میں ترقی ہو۔ اول اول تو مزید آمدنی عمدہ کھانے اور کپڑے میں

باب پنجم فصل ۴۲

صرف ہوگی۔ اس سے مزدور کی طاقت و توانائی بڑھے گی۔ اور اس کی کارکردگی میں ترقی ہوگی۔ اس کے بعد اجرت میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ تب وہ اچھے سے مکان میں رہنے لگے گا۔ اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت دلائے گا۔ اور بڑھاپے کیواسطے کچھ پس انداز کرنا بھی شروع کردے گا۔ جوں جوں اس کی آمدنی بڑھے گی اور وہ اس کو عاقلانہ طور پر صرف کرے گا اس کی حالت ہر طور پر سدھرتی جائیگی۔ اس کے بچے جب کام شروع کریں گے تو ان کی حالت کہیں بہتر ہوگی۔ چونکہ ان کو عمدہ کھانا اور عمدہ لباس ملتا رہا وہ باپ سے زیادہ توانا تندرست ہونگے۔ اور کام بھی مقابلتہً اعلیٰ قسم کا کرسکیں گے نیز اخلاقی صفات جو کارکردگی کی جان ہیں بچوں نے ایسے باپ کی نگرانی میں گھر رہ کر ضرور حاصل کی ہونگی یہ مثال مذکورہ بالا مثال کے بالکل برعکس ہے اجرت میں اضافہ پر اضافہ ہوتا رہے گا ہر مزید آمدنی سے کارکردگی میں ترقی ہوگی۔ اور ہر ترقی سے آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

اس مثال میں بھی غور کرو کہ مزدوروں کی تعداد گھٹنے بڑھنے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اگر تعداد گھٹے تو ترقی کی رفتار اور بھی بڑھ جاوے گی اور اگر تعداد میں اضافہ ہوا تو ترقی میں کمی آجاویگی۔ لیکن یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اگر مزدور یونہی اپنی حالت سدھارتے جاویں اپنی کارکردگی کو ترقی دیں، اور مزید آمدنی کو عاقلانہ طور پر صرف کریں تو اُن میں سے اکثر کے بچے تعلیم و تربیت پاکر دوسرے اعلیٰ اعلیٰ قسم کے کام شروع کریں گے۔ اور معمولی کام کاج میں وہ شریک

باب پنجم
فصل ۴۴

نہ ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وضع کے مزدوروں کی زیادہ اولاد بھی نہ ہوگی۔ انکو ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی فکر ہوگی۔ پس وہ ضبط اور اعتدال سے کام لیں گے۔ اور مالتھس نے جو اپنے مشہور مسئلہ آبادی میں امید ظاہر کی ہے کہ آئندہ لوگ بطریق مال اندیشی خود اولاد کی تعداد محدود رکھیں گے۔ کچھ کچھ وہی کیفیت نظر آنے لگے گی۔ پس جو حالت ہمارے پیش نظر ہے اس میں غالباً یہ نوبت نہ آئیگی کہ آبادی اس قدر بڑھ جائے کہ کارکردگی کی ترقی سے اجرت میں جو اضافہ ہوتا وہ نہ ہو

پس شمالی ہندوستان کے مزدوروں کی موجودہ حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر زیادہ مدت تک انکی اجرت میں اضافہ برقرار رہے حتیٰ کہ وہ عادات بدل ڈالیں تو دو نتیجے ممکن ہیں۔ اگر مزید آمدنی اس طور پر صرف کی جائے کہ مزدوروں کی کارکردگی میں اضافہ ہو تب تو ان کی حالت میں روز افزوں اصلاح اور ترقی ہوگی۔ اور عجب نہیں کہ چندہی نسل بعد وہ لوگ زندگی کی عمدہ عمدہ ضروریات کا بھی لطف اٹھانے لگیں۔ اس کے برخلاف اگر مزید آمدنی یونہیں خاک میں ملائی جائے اور کارکردگی میں اولٹا تنزل ہو تو گویا موجودہ اضافۂ اجرت ربال جان ہو جائے گا۔ اور مزدوروں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاویگی یہاں تک کہ ان کو زندگی دوبھر معلوم ہوگی۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت اور بھی ہے۔ جو ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

کام کی تخفیف

اس سے قبل یہ بیان ہوچکا ہے کہ اگر دستکار بطور خود

باب پنجم
فصل ۴۲

کام کرتے ہوں اور چیزوں کی قیمت بڑھے تو ممکن ہے کہ وہ کام کم کردیں اور چیزوں کی رسد گھٹ جائے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اجرت بڑھنے سے مزدوروں کی رسد میں کمی آجائے دوسرے ملکوں میں تو ایسا خطرہ کم ہے لیکن ہندوستان میں وہ ضرور قابل لحاظ ہے عام طور پر آجر شاکی ہیں کہ جب مزدوروں کو زیادہ اجرت ملتی ہے تو وہ کام سے بچنے لگتے ہیں۔ بہ مقابل سابق تھوڑی دیر کام کرتے ہیں یا ہفتہ میں دو ایک روز ناغہ کردیتے ہیں یہ شکایت بالکل بے بنیاد نہیں۔ ہندوستان میں عادات و رسوم بہت دیر دیر میں بدلتی ہیں۔ اور اجرت بڑھنے پر خرچ بڑھانے کے بجائے لوگ کام گھٹا دیتے ہیں۔ آمدنی کی سابق مقدار پر قناعت کرتے ہیں البتہ آرام کیواسطے زیادہ وقت نکال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر مزدور چھ روز کی اجرت چار روز میں کمانے لگیں تو وہ چھ کے بجائے صرف چار ہی روز کام بھی کریں گے اور باقی دو روز آرام لیں گے یہ نہیں کہ برابر چھ روز کام کرکے اپنی آمدنی ڈیوڑھی کرلیں۔ بس ان کو وہی سابق مقدار کافی معلوم ہوتی ہے۔ فرض کرو کہ اجرت میں اضافہ ہو اور مزدور یہی طریق اختیار کریں، یعنی کام گھٹادیں نیز مان لو کہ نہ ان کی تعداد میں کوئی قابل لحاظ تبدیلی ہو اور نہ زیادہ آرام لینے سے ان کی کارکردگی میں کوئی بھلا بُرا فرق آئے ایسی حالت میں اگر مزدور چھ روز کی کمائی چار روز میں کمانے لگیں تو ان کی رسد بقدر یک ثلث گھٹ جائیگی۔ اگر قانونِ طلب اصلاح نہ کرتا تو گویا اضافہ اجرت کی کوئی حد ہی نہ ہوتی۔ جوں جوں اجرت

باب پنجم
فصل ۴۴

بڑھتی محنت کی رسد گھٹتی۔ اور جوں جوں رسد گھٹتی اجرت میں اور اضافہ ہوتا۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ آجر کام کی قیمت سے زیادہ اجرت نہیں دے سکتا۔ اور جب اجرت بڑھنے سے رسد میں کمی ہو تو اجرت بڑھانے کے بجائے آجر مزدوروں کی تعداد اپنے کارو بار میں کم کر دیں گے۔ نہ تو وہ موجودہ کام زیادہ بڑھائیں گے اور نہ کوئی نیا کام شروع کریں گے۔ کیونکہ وہ جسقدر اجرت دیسکتے ہیں اس پر مزدور ہی نہیں ملتے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مزدوروں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ نہ ترقی نہ تنزل۔ ان کا وہی میعار زندگی برقرار رہے گا۔ لیکن محنت کی رسد گھٹنے ملک کے کارو بار پر برا اثر پڑے گا۔ پس ثابت ہوا کہ اگر اضافۂ اجرت پر مزدور آمدنی بڑھانے کے بجائے زیادہ آرام کرنے لگیں تو نہ صرف ان کی بلکہ بحیثیت مجموئی کل ملک کی معاشی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

عام نتائج

شرح اجرت کے اضافہ سے مزدوروں کی حالت میں جو نئی قسم کی تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں وہ اوپر بیان ہوئیں۔ انسانی طبیعت کا خاصہ معلوم ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ سب لوگ ایک ہی طرف جھک پڑیں اور ایک ہی طریق پر چلیں بعض بلحاظ کار کردگی ترقی کریں گے بعض تنزل اور بعض اپنی موجودہ حالت پر قائم رہیں گے گویا تینوں نتیجے ساتھ ساتھ ایک ہی جماعت میں نمودار ہوں گے۔ بعض مزدور تو اپنی کار کردگی کو ترقی دے کر اجرت میں اور بھی اضافہ کریں گے۔ اپنے بال بچوں کی پرورش اس طرح پر کریں گے کہ وہ بڑے ہوکر ان سے بھی اچھے مزدور بنیں۔ بعض اپنی کار کردگی کو

باب پنجم
فصل ۴۲

اور بھی برباد کرڈالیں گے اور ان کی اولاد ان سے بھی زیادہ ناکارہ ثابت ہوگی اور بعض کی کارکردگی ویسی ہی رہے گی اور ان کی اولاد بھی اُن جیسی نکلے گی۔ افراد میں قدیم تفریق برقرار نہ رہیگی جن لوگوں کو کاشتکاری یا دستکاری میں ناکامی ہوگی وہ معمولی کام کاج کرنے لگیں گے۔ اور بعض معمولی مزدور کاشتکاری شروع کردیں گے۔ یا کوئی اس سے بھی اعلیٰ قسم کا کام کرنے لگیں گے۔ ترقی تنزل اور قیام کے جو یہ تین رجحان لوگوں میں پھیلینگے تو ان کے باہمی قوتوں پر مجموعی نتیجہ کا دار مدار ہوگا۔ اگر بحیثیت مجموعی کارکردگی میں ترقی ہوی تو مزدوروں کی حالت سدھر جائیگی۔ اور اگر تنزل ہوا تو حالت ابتر ہوگی یہ ممکن نہیں کہ وہ عرصہ تک اپنے کام کی قیمت سے زیادہ اجرت پاتے رہیں اجرت کا دار مدار بیشتر کارکردگی پر ہے۔ یعنی ان کے کام کی مقدار اور عمدگی پر۔

مستورات کا اثر۔

شرح اجرت پر جن جن اسباب کا اثر پڑتا ہے ان کی تفصیلی بحث دقیق اور پیچیدہ ہے۔ معاشیات کے مبتدی کو ان پر ایک سرسری نظر ڈالنی کافی ہے۔ چند اہم اسباب مختصراً اوپر بیان ہوے اب صرف ایک بات بیان کرنی باقی ہے۔ وہ یہ کہ مزدوروں کی بیبیوں کے چلن اور رویہ کا کیا اثر پڑتا ہے۔ خانگی خرچ اکثر عورتوں کے اختیار میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ آمدنی اس طریق پر صرف کریں کہ اس سے کارکردگی میں ترقی ہو۔ یا اس کے برعکس تنزل۔ بچوں کے اخلاق و عادات اور چال چلن پر بھی سب سے زیادہ ماں کی تعلیم و تربیت کا اثر پڑتا ہے۔ مزدوری پیشہ طبقوں کی آئندہ ترقی بہت کچھ بیبیوں اور ماؤں کے ہاتھ ہے۔ اگر معاشیات کے حدود سے تجاوز کرکے ہم

یہ دریافت کرنا چاہیں کہ مزدوروں کی ترقی کی سب سے بہتر کیا سبیل ہے تو وہ یقیناً عورتوں کی اصلاح ہوگی۔ کیوں کہ گھربار کا خرچ اور بچوں کی پرورش اور تربیت زیادہ تر انہیں کے سپرد ہوتی ہے گویا کارکردگی کی ترقی تنزل میں ان کو سب سے زیادہ دخل ہے پس مزدوروں کی ترقی اسی وقت ممکن ہے جب کہ عورتیں سمجھ دار اور مال اندیش ہوں۔

باب پنجم
فصل ۴۲

باب پنجم
فصل ۴۳

فصل تینتالیس ۴۳

تخصیص یافتہ پیشونکی اجرت

بازار کی نوعیت

ایک تو وہ مزدور ہیں جو معمولی کام کاج کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جوکہ خاص خاص مہارت طلب کام کرتے ہیں۔ ان کی محنت کا معاوضہ اکثر تنخواہ یا فیس کہلاتا ہے۔ اب ہم اسی قسم کی اجرت سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ مہارت طلب کام کرنے والے مزدوروں کے بہت سے طبقے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، کلیں بنانے اور چلانے والے اور اکثر عہدہ دار۔ مختلف کاموں میں مختلف درجہ کی مہارت درکار ہوتی ہے۔ لیکن ہر ایک مہارت طلب کام کا یہ خاصہ ہے کہ تھوڑے بہت عرصہ تک مشق کئے اور تربیت پائے بغیر کوئی نوآموز اس کام کو نہیں کرسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے مخصوص پیشوں میں بھی اُجرت طلب و رسد کے اثر سے قرار پاتی ہے۔ ایسی اجرت کی بھی ایک معمولی شرح ہوتی ہے جس کی طرف اجرت عود کرتی رہتی ہے۔ اور ہر طبقہ کی معمولی شرح ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ لیکن بعض باتیں ایسی ہیں کہ کسی طبقہ کے مزدوروں کی رسد یا طلب پر ان کا گہرا اثر

پڑتا ہے۔ اور لہذا اس طبقہ کی اجرت بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

معمولی محنت اور مخصوص محنت کے بازاروں میں فرق ہوتا ہے جیساکہ گیارہویں فصل میں بیان ہوچکا ہے۔ معمولی مزدوروں کے مقابل مہارت طلب کام کرنے والوں میں نقل پذیری زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی تلاشِ معاش میں جگہ جگہ پھرنے کیواسطے وہ زیادہ آمادہ رہتے ہیں گویا ان کا بازار زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ آجر کو جب کسی خاص مہارت اور قابلیت کا آدمی درکار ہوتا ہے تو وہ اپنے قصبے سے گزر کر تمام ملک پر نظر ڈالتا ہے۔ بلکہ دوسرے ممالک تک نظر دوڑاتا ہے کہ کہیں ہوشیار کام کرنے والا مل جائے۔ شمالی ہندوستان کے کسی بڑے کارخانہ کو لو تو اس میں جگہ جگہ کے لوگ کام کرتے ملیں گے۔ شاید کچھ یوروپین لوگ مختلف شعبوں کے نگران ہوں گے کچھ پارسی مشین چلانے اور درست کرنے پر مامور ہوں گے کچھ بنگالی کلرک اور اسی طرح ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مزدور۔ لیکن ایک دوسرے لحاظ سے بازار وسیع ہونے کے بجائے مختصر اور محدود ہے کیونکہ معمولی مزدوروں کے مقابلہ میں ایسے مہارت یافتہ مزدوروں کی رسد اور طلب بہت تھوڑی ہے۔ گویا عام چیزوں کی قیمت یا معمولی مزدوروں کی اجرت کی مانند انکی اجرت بآسانی طے نہیں ہوتی۔ لیکن ایک سہولت بھی ہے وہ یہ کہ آجر رسد وطلب کی حالت دیکھکر بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس اجرت پر کن صفات کا آدمی مل سکتا ہے

باب پنجم
فصل ۴۴

علیٰ ہذا جو لوگ کام کرنا چاہیں وہ بھی یہی حالت دیکھکر اپنی اجرت کے متعلق کچھ رائے قائم کرسکتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کی اجرت بہت دیکھ بھال کے بعد طلب رسد کی حالت کے مطابق قرار پاتی ہے۔

مہارت یافتہ مزدوروں کی طلب

ایسے مزدوروں کے طلب کا دارو مدار کچھ تو ملک کے قدرتی وسائل پر ہے اور کچھ پیدائش دولت کی حالت پر قدرتی وسائل تو اس لحاظ سے اہم ہیں کہ انہیں کے مطابق صنعت و حرفت جاری ہوتی ہے۔ مثلاً جہاں کوئلہ ہی نہ ہو وہاں کان کھودنے والوں کی کیا ضرورت ہوگی۔ لیکن پیدائش کی حالت بھی اس معاملہ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جس ملک میں دستکار بطور خود ہاتھ سے کام کرتے ہیں اور کارخانے جاری نہ ہوں وہاں انجن چلانے والوں اور کلیں درست کرنے والوں کی کوئی ضرورت نہیں ہوسکتی البتہ کلیں چلنے پر ان کی طلب پیدا ہو جاوے گی حاصل کلام یہ کہ ملک میں جوں جوں پیدائش دولت کی ترقی ہوتی ہے مہارت یافتہ مزدوروں کی جماعت بڑھتی ہے اور معمولی مزدوروں کی طلب کم ہونے لگتی ہے۔

مہارت یافتہ مزدوروں کی رسد

اب رسد کو لیجئے۔ یہ دو اسباب کی پابند ہے۔ ایک تو ذات پات کا ممتت کی رسد پر بہت اثر پڑتا ہے۔ مثلاً کوئی کام ہے اور کسی خاص فرقہ کے لوگ اس کو کرسکتے ہیں۔ اب معاشی تبدیلیاں ہوتے ہوتے وہ کام بہت ضروری بن جائے اور اس کے کرنے والوں کی طلب ہر طرف بڑھے۔ اب اگر

باب پنجم
فصل ۴۳

کوئی دوسرا فرقہ وہ کام نہ کرے اور جو فرقہ وہ کام کرتا ہو اس کی تعداد اس قدر مختصر ہوکہ طلب پوری نہ ہو سکے تو اجرت خواہ مخواہ بہت بڑھ جائیگی اور عرصہ تک بڑھی رہے گی۔ مثلاً چرمی سامان بنانے کا کوئی بڑا کارخانہ جاری ہو۔ تو ایسے لوگوں کی ضرورت پڑے گی جو چمڑہ کا کام کرسکیں۔ اب اگر ذات پات کی قید کی وجہ سے ہر کوئی اس کام میں شریک نہ ہو سکے اور جو لوگ یہ کام کریں ان کی تعداد تھوڑی ہوتو بلا شک ان کی اجرت بڑھ جائیگی البتہ اگر آمدنی کے لالچ سے اور لوگ بھی رفتہ رفتہ اس کام کو شروع کردیں تو مزدورں کی تعداد بڑھنے سے اجرت میں تخفیف ہو جائے گی

ذات پات کا اثر۔

مہارت طلب محنت کی رسد پر دوسری بندش یہ ہے کہ کچھ روز تک خاص تربیت پائے بغیر لوگ تخصیص یافتہ پیشوں کو نہیں چلا سکتے ہر پیشہ کی تربیت کے واسطے مختلف عرصہ درکار ہے۔ کسی مزدور کا لڑکا چندہی ماہ میں معمولی انجن چلانا سیکھ سکتا ہے۔ حالانکہ انجنوں کے کام سے پورے طور پر واقف ہونے کے واسطے مدت چاہئیے وکیل، انجنیر اور ڈاکٹر وغیرہ بھی سالہا سال میں اپنا پیشہ سیکھتے ہیں کچھ لوگ تو بڑے ہوکر پیشے اختیار کرتے ہیں لیکن ہر پیشہ میں کثرت سے ایسے لوگ شریک ہوتے ہیں جن کے واسطے بچپن ہی میں وہ پیشہ تجویز ہوجاتا ہے۔ گویا محنت کی رسد کا دارو مدار لوگوں کے فوری ارادوں پر نہیں بلکہ ان منصوبوں پر ہے جو سالہا قبل والدین اپنے بچوں کے واسطے قرار دیتے ہیں۔ طالب علموں کو ذاتی تجربہ ہوگا کہ اعلیٰ طبقہ کی ملازمت اور پیشے کرنے والے لوگ

باب پنجم
فصل ۴۲

اپنے بچوں کے لئے پیشہ منتخب کرنے میں کسقدر غور و احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ اور جوں جوں پیدائشِ دولت کا کام باقاعدہ ہوتا جاتا ہے۔ مہارت یافتہ مزدوروں کو بھی اپنے بچوں کے واسطے پیشے تجویز کرنے میں زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پیشہ منتخب کرنے میں مالی آمدنی کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں کا لحاظ ضروری ہے چنانچہ ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ پیشہ پیشہ کے خالص فوائد کا مقابلہ کرکے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ طالب علم کو غالباً معلوم ہوگا کہ سرکاری ملازمتوں کا کس طرح پر مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تنخواہ بیشک بڑی چیز ہے لیکن اس کے علاوہ ملازمت کی دوسری باتیں مثلاً پنشن وغیرہ بھی قابل لحاظ ہیں یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ کس ملازمت میں کہانتک ترقی کی گنجائش ہے اور کیا اعلیٰ سے اعلیٰ جگہ ملنے کی امید ہوسکتی ہے۔ نیز عہدہ کا اعزاز و وقار بھی قابل لحاظ مانا جاتا ہے۔ جب پیدائش دولت کا کام باقاعدہ چلنے لگے تو ادنیٰ پیشہ والوں کو بھی قریب قریب یہ سب پہلو پیش نظر رکھکر کام منتخب کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے پیشے ہیں وہ جس میں چاہیں اپنے لڑکوں کو شریک کرسکتے ہیں۔ نہ صرف مالی آمدنی بلکہ خالص فوائد کا مقابلہ کرکے جو کام وہ سب سے زیادہ فائدہ مند خیال کرتے ہیں وہی اپنے لڑکوں کے واسطے منتخب کرلیتے ہیں۔

خالص فوائد
بر مساوات

مذکورۂ بالا طرز عمل کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے کہ ایک ہی درجہ کے سب پیشوں کے خالص فوائد مساوی ہو جائیں۔ کیونکہ جب والدین بیشترین خالص فوائد والے پیشوں میں اپنے لڑکوں کو شریک

کریں گے تو رسد بڑھنے کی وجہ سے شرح اجرت میں تخفیف ہو جائیگی۔ اور کمترین خالص فوائد والے پیشوں میں چونکہ بہت کم لوگ اپنے بچوں کو شریک کریں گے رسد گھٹنے کی وجہ سے ان کی اجرت میں اضافہ ہوگا۔ چنانچہ اجرت کی کمی وبیشی کا یہ رجحان کوئی فرضی چیز نہیں بلکہ فی الواقعہ اس سے اہم نتائج پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ خالص فوائد میں تمام وکمال مساوات پیدا ہوتی دشوار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ والدین کو پہلے سے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہوسکتا کہ آئندہ تیس چالیس سال کے اندر جب ان کے بچے کام کریں گے تو مختلف پیشوں میں طلب محنت کی کیا حالت رہے گی۔ عمل پیدائش میں تبدیلی ہونے سے ممکن ہے کہ کسی خاص پیشہ کے مزدوروں کی طلب بہت بڑھ جائے یا مہارت یافتہ مزدوروں کا کوئی طبقہ بالکل بیکار ہوجائے۔ مدتوں پہلے ایسی تبدیلیوں کا پتہ لگانا دشوار ہے خصوصاً ہندوستانی والدین تو موجودہ حالت دیکھ لیتے ہیں۔ آئندہ تبدیلیوں کا وہ کم لحاظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ قدیم پیشوں میں تو مزدوروں کے باہم سخت کشمکش ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اجرت میں بھی تخفیف ہوتی جاتی ہے اور جو پیشے حال میں نکلے ہیں انکے کرنے والے بہت کم ملتے ہیں۔ اور ان کی اجرت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اگرچہ عام رجحان یہی ہے کہ ایک درجہ کے کل پیشوں میں خالص فوائد کی مقدار مساوی ہے۔ تاہم کامل مساوات اس وجہ سے قائم نہیں ہوسکتی کہ رسد گھٹنے بڑھنے میں بہت عرصہ لگتا ہے اور آئندہ تبدیلیوں کا پہلے سے پتہ چلنا دشوار ہے۔ چنانچہ بعض وقت

باب پنجم
فصل ۴۴

کچھ پیشوں میں تو رسد کی بیشی کی وجہ سے اجرت بہت گھٹ جاتی ہے اور کچھ پیشوں میں رسد ناکافی ہونے کی بدولت اجرت میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا اب ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں کچھ کلرک ہیں جو انگریزی تحریر نقل کرنی جانتے ہیں۔ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی تو بہت کم لوگ نوشت و خواند سے واقف تھے۔ اور چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی شاید ہی کوئی ہندوستانی شخص انگریزی زبان جانتا ہو۔ جب اول اول انگریزی نقل نویسوں کی ضرورت پڑی تو ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور اسی وجہ سے ان کو اعلیٰ اجرت ملتی رہی۔ جب والدین نے دیکھا کہ انگریزی جاننا اعلےٰ عہدے ملنے کے واسطے ضروری ہے۔ تو انہوں نے اپنے بچوں کو انگریزی پڑھانی شروع کی۔ جوں جوں انگریزی نقل نویسوں کی تعداد بڑھی ان کی اجرت میں تخفیف ہوتی گئی حتیٰ کہ آج ان کی تنخواہ پندرہ بیس روپیہ تک آ گئی ہے۔ حالانکہ اتنی رقم تو بعض بعض مزدور اور خدمتگار بھی کما لیتے ہیں۔ اسی طرح جب ٹائپ رائٹر چلا تو بہت کم لوگ ٹائپ کرنا جانتے تھے۔ اور نقل نویسوں کے مقابلہ میں ٹائپ کرنے والوں کو اجرت بھی زیادہ ملتی تھی۔ لیکن ٹائپ کرنا بہت جلد آ سکتا ہے۔ چنانچہ ٹائپ کرنے والوں کی تعداد جلد اس قدر بڑھ گئی کہ ان کی اجرت بھی نقل نویسوں کی برابر آ رہی۔ اب اگر

کسی کو اپنی اجرت بڑھانا مقصود ہو تو مختصر نویسی سیکھ لے۔ مختصر نویسوں کی ابھی قلت ہے ٹائپ کرنے والے تو گلی گلی پھرتے ہیں۔

کچھ دنوں تک موٹر چلانے والوں کا بھی یہی حال رہا چند سال کی بات ہے کہ ہندوستان میں موٹر آئے۔ ان کے چلانے والے مشکل سے ملتے تھے۔ والدین کو کیا معلوم تھا کہ موٹر کا رواج ہوگا۔ جو لڑکوں کو اس کا چلانا سکھاتے۔ اگر معلوم ہوتا بھی تو اس کام کا سکھانے والا یہاں کون تھا۔ پس جن لوگوں نے اول اول موٹر خریدے ان کو انگریز موٹر چلانے والے بڑی بڑی تنخواہوں پر رکھنے پڑے۔ لیکن موٹر چلانا جلد آجاتا ہے۔ ہندوستانی جو کلوں کا کام سیکھتے تھے انہوں نے موٹر چلانے کی مشق شروع کردی کیونکہ کلوں کے معمولی کام کے مقابلہ میں موٹر چلانے میں زیادہ اجرت ملتی تھی۔ گو اتنی نہ سہی جتنی کہ انگریز موٹر چلانے والے پاتے تھے۔ اول اول تو اس کام کے سیکھنے میں ذرا دقت ہوئی۔ لیکن تھوڑے عرصہ میں جابجا کارخانے جاری ہوگئے جہاں موٹر چلانا اور اس کی صفائی و مرمت کرنا سب کام سکھایا جانے لگا اور موٹر چلانے والوں کی رسد ان کی طلب کے برابر آگئی۔ اور اجرت بھی مناسب مقدار پر اتر آئی۔ یعنی موٹر چلانے والوں کی اجرت اتنی رہ گئی کہ اس کام کے خالص فوائد ان تمام کاموں کے خالص فوائد کے مساوی ہوگئے جن کو یہ لوگ موٹر چلانے کے بجائے کرسکتے تھے۔

باب پنجم
فصل ۴۳

اب ذرا وکیل کے پیشہ پر نظر ڈالو۔ باقاعدہ قانونی عدالتیں قائم ہونے سے پہلے تو اس پیشہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جب انگریزی عہد کے شروع میں جابجا عدالتیں قائم ہوئیں اور انکی تعداد میں جلد جلد اضافہ ہوا۔ تب تو ہر طرف وکیلوں کی پکار پڑی۔ مقدمہ کی پیروی کے واسطے قانون داں لوگوں کی تلاش میں موکل دوڑنے لگے۔ یہ کام ایسا آسان تو ہے نہیں کہ دو چار ماہ میں آجاوے اول اول انگریز لوگوں نے یہاں وکالت شروع کی کیونکہ وہ اپنے ملک میں قانونی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ انکی آمدنی کا کیا ٹھکانا اور ساتھ ہی ان کا اثر اور وقار لوگوں میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ جب وکالت کے پیشے میں یہ خوبیاں نظر آئیں تو لوگوں نے اپنے اپنے بچوں کو یہی تعلیم و تربیت دینی شروع کی قانونی تعلیم کے مدارس جاری ہو گئے۔ وکیلوں کی جماعت بھی بڑھنی شروع ہوئی آجکل وکلاء کی رسد اگر طلب پر غالب نہیں تو مساوی تو ضرور ہے۔ قابل لوگ تو اب بھی اس پیشہ میں بہت کچھ کما رہے ہیں۔ مگر بہت سے وکیل خستہ حال بھی ہیں۔ اور اگر کسی شہر کے کل وکلاء کی مجموعی آمدنی کا اوسط فی وکیل نکالا جائے تو غالباً وہ اس مقدار سے کم ہوگا۔ جو اسی درجہ کے دوسرے پیشوں میں لوگ کماتے ہیں۔ اور ان فوائد کو بھی ملحوظ رکھتے ہوے جو بالعموم وکلاء کو حاصل ہوتے ہیں اس پیشہ کے خالص فوائد اس کے ہم درجہ دوسرے پیشوں کے مقابل کچھ کم ہی نظر آتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وکلاء کی تعداد ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ والدین نے مدت سے پیشہ وکالت کے فوائد کا

باب پنجم
فصل ۴۴

غلط اندازہ لگا رکھا ہے۔ یعنی وہ اس کو حقیقت سے بہتر سمجھتے ہیں چنانچہ اسی مغالطہ میں وکلا کی جماعت بڑھ رہی ہے پھر اگر ناقدری نہ ہو تو کیا ہو۔

اوپر کی مثالوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ تخصیص یافتہ پیشوں میں طلب کے مطابق رسد میں جلد کمی بیشی کرنی دشوار ہے۔ اس میں شک نہیں رجحان یہی ہے کہ ایک درجہ کے کل پیشوں کے خالص فوائد برابر رہیں۔ لیکن رجحان کا ظہور بہت آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔اور پیدائش دولت کے عمل میں جلد جلد ایسی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں کہ خالص فوائد کی مساوات غائب ہوجاتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ عرصہ تک بعض پیشوں میں تو رسد ضرورت سے بڑھی رہتی ہے اور بعض میں کم لہذا اجرت یاتو اس مقدار سے بہت گھٹی یا بڑھی رہتی ہے جو رسد و طلب کے توازن کی حالت میں قرار پاتی۔

بیکاری

رسد و طلب کے توازن میں جو دیر لگتی ہے تو یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ تاخیر کی بدولت کسی پیشہ کے لوگ روزی کمانے سے یکایک محروم نہ ہو جائیں۔ مثلاً عملِ پیدائش میں کوئی تبدیلی ہو، یا کوئی ایجاد نکلے، یا لوگوں کا مذاق اور عادت بدلے جس کی وجہ سے کسی پیشہ والوں کی طلب بہت گھٹ جائے تو ان کو بیکاری ستائے گی۔ اب یاتو وہ کوئی اور پیشہ سیکھیں یا معمولی کام کاج شروع کردیں۔شمالی ہندوستان کے شہروں میں سقوں یعنی بھشتیوں کی حالت قابل مطالعہ ہے۔ کسی زمانے میں یہ لوگ سڑکوں پر چھڑکاؤ کرتے شہروں کی نالیاں دھلاتے اور مسلمان اور عیسائیوں کے ہاں پانی بھرتے تھے۔ لیکن جب سے پانی کے نل لگے گھر گھر اور گلی گلی

پانی کی افراط ہوگئی۔ اور گاڑیوں کے ذریعہ سے سڑکوں پہ چھڑکاؤ ہونے لگا۔ سقوں کا روزگار جاتا رہا۔ آخر کو انہوں نے بھی معمولی مزدور اور خدمتگاروں کی طرح محنت اور ملازمت شروع کردی۔ جو پیشہ جس قدر زیادہ تخصیص یافتہ ہے اسی قدر اس میں بیکاری کا زیادہ خطرہ لگا ہوا ہے۔ لیکن ہندوستان میں تو معمولی مزدوروں کی کثرت ہے۔ جو کام بھی ملتا ہے اسی کو کرنے لگتے ہیں وہ ایسے مہارت یافتہ نہیں کہ کوئی خاص پیشہ کریں۔ اور دوسرے کام کرنے میں ان کو دقت یا تامل ہو۔

فصل چوالیس ۴۴

معاوضۂ تنظیم

اب ہم پیداوار کے آخری حصہ دار یعنی آجر کے متعلق کچھ آجر کی حالت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جو دوسرے عاملین کو ایک جا کرکے اپنی نگرانی میں ان سے کام لیتا ہے۔ اور کار و بار پیدائش دولت کا انتظام کرتا ہے۔ اس سے قبل واضح ہوچکا ہے کہ آجر نہ صرف انتظام اور نگرانی کرتا ہے۔ بلکہ کچھ کچھ دوسرے عامل بھی اپنی طرف سے کار و بار میں لگاتا ہے۔ کاشتکار اور دستکار تو محنت اور اصل دونوں چیزیں مہیا کرتے ہیں۔ لیکن جہاں کارخانے جاری ہیں وہاں آجر بھی کم از کم تھوڑا سا اصل اکثر اپنی طرف سے لگاتے ہیں۔ پس یہ احتیاط ضروری ہے کہ وہ آمدنی معاوضۂ تنظیم سے جدا شمار ہو جو دوسری مدوں سے حاصل ہوتی ہے یعنی معاوضۂ تنظیم کو اس اصل یا لگان سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے جو آجر کو اس کے اصل یا زمین کی کارگزاری کے معاوضہ میں حاصل ہو۔

اب اگر عاملین کی کارگزاریوں کا جو جو معاوضہ ملے ان سب کی

باب پنجم فصل ۴۴

میں جدا رکھی جائیں۔ تو معاوضۂ تنظیم کو پیداوار کی وہ مقدار سمجھنی چاہئے جو اصل اجرت اور لگان منہا کرنے کے بعد باقی بچے اور ان تینوں معاوضوں کی مقدار قرار پانے کے اصول اوپر بیان ہو چکے ہیں آجر کے مقصد دو ہیں کم سے کم مصارف پر مال تیار کرنا اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچنا۔ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تو مصارف ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بھی کچھ بچ رہا اور اگر ناکام رہا تو اس کو کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ اسکے اصل میں سے بھی کچھ غائب ہو جاتا ہے۔ لیکن کوئی شخص پیدائش دولت کا کار و بار شروع نہیں کرے گا۔ جبتک اس کو کچھ آمدنی کی امید نہ ہو۔ اگر آمدنی حاصل نہ ہو یا بہت کم ہو۔ تو لوگ پھر کاروبار چلانا چھوڑ دیں گے۔ گویا کار و بار کا انتظام اور نگرانی کرنی بھی ایک قسم کا پیشہ ہے۔ اگر مناسب آمدنی حاصل ہوئی تو لوگ اس پیشہ میں شریک ہوں گے۔ ورنہ اس کو ترک کردیں گے اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کو وکیل یا انجینیر بنانے کے بجائے کار و بار کی نگرانی اور انتظام سکھائے یعنی اس کو آجر بنائے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ آخرالذکر پیشے کو ہر دو اول الذکر پر ترجیح دیتا ہے۔ یعنی اس کا خیال ہے کہ وکیلوں یا انجینیروں کے مقابل آجروں کی حالت نہ صرف آمدنی کے لحاظ سے بلکہ بحیثیت مجموعی اچھی ہے بس آجروں کی رسد کا بھی بعینہ وہی حال ہے جو دوسرے مہارت یافتہ پیشہ والوں کا ہے ÷

آجر کی تربیت

آجروں کے پیشے پر تفصیلی نظر ڈالئے۔ دوسرے پیشوں کی تربیت

جس طرح حاصل ہوتی ہے اس پیشے کی تربیت کا طریق اس سے مختلف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت کچھ کام کی باتیں یونیورسٹی یا صنعتی مدارس میں سکھا دی جاتی ہیں۔ مدارس میں اول وہ علوم پڑھاتے ہیں جن پر طریق پیدائش مبنی ہیں اور بعد کو علمی معلومات سے پیدائش میں مدد لینی سکھائی جاتی ہے۔ فرض کرو کوئی شکر سازی سیکھنا چاہتا ہے تو اول اس کو بقدر ضرورت کیمیا اور طبیعیات پڑھنی ہوگی پھر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شکر سازی کی کل کس اصول پر مبنی ہے کہ مطلوبہ کیمیائی اور طبیعی تبدیلیاں تو مال میں پیدا ہو جاتی ہیں اور کوئی غیر مطلوبہ تبدیلی پیدا نہیں ہونے پاتی۔ پیدائش کے اکثر شعبوں میں مال کے متعلق کچھ کیمیا اور طبیعیات جاننا اور کلوں کی ساخت کے اصول سے واقف ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ سب کچھ آجر کی تربیت کا صرف ایک شعبہ ہے اس کو کار و بار کے تجارتی پہلو پر بھی توجہ کرنا لازمی ہے۔ کہاں سے مال ارزاں ملتا ہے اور کہاں گراں فروخت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو مزدوروں اور کارگیروں کی نگرانی کرنی اور ان سے کام لینا پڑتا ہے۔ آجر کی تربیت کا یہ مرحلہ سب سے زیادہ دشوار ہے۔ پس یہی نہیں کہ آجر کو کیمیا طبیعیات اور کلوں کے علم سے واقف ہونا ضروری ہے بلکہ اس کو مردم شناسی اور مزاج دانی میں بھی ماہر ہونا چاہئے تاکہ وہ بھلے بڑے تاجروں، کارگیروں اور مزدوروں کو پہچانے اور اُن سے اپنا کام نکالے۔ کمال تو تجربہ سے حاصل ہوتا ہے

باب پنجم
فصل ۴۴

لیکن اس کی بنا وہی تعلیم ہے جو اسکول اور کالجوں میں دی جاتی ہے اس تمام تربیت کے علاوہ پیدائش کا عملی تجربہ بھی ضروری ہے مثلاً جبتک نیا وکیل کچھ دنوں دوسرے وکیلوں کو عدالت میں مقدمہ کی پیروی کرتے نہ دیکھ لے وہ امتحان پاس کرتے ہی عدالت میں کام نہیں کرسکتا۔ ڈاکٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ عرصے تک شفاخانوں میں مریضوں کا علاج اور عمل جراحی ہوتے دیکھنا چاہیئے۔ تب کہیں ڈاکٹری کا کام آتا ہے۔پس جو شخص کارخانہ چلانا چاہے اول اس کو کارخانے کے انتظام کا عملی تجربہ حاصل کرنا ضرور ہے +

آجروں کی رسد

آجر کو جس قسم کی تربیت درکار ہے اول تو اس کے حاصل کرنے میں وقت بہت لگتا ہے دوم عملی تجربہ کا موقع ملنا اور بھی دشوار ہے۔سوم جو نوجوان اس پیشے میں شریک ہونا چاہے۔ اس کو کچھ روپیہ ملنا بھی ضروری ہے تاکہ اپنا کارخانہ کھولے یا کسی کارخانے کے حصے خرید کر اس میں شریک ہوجائے اور تجربہ کار حصہ داروں کے ساتھ کام کرکے خود بھی تجربہ حاصل کرے۔ ہندوستان میں زمیندار اور اعلیٰ پیشے والوں مثلاً وکیل، ڈاکٹر، انجینیر وغیرہ کے مقابل آجر کا رتبہ کم سمجھا جاتا ہے۔ اور گو کچھ روز سے آجروں کا رسوخ بڑھ رہا ہے۔ تاہم ابھی تک تعلیم یافتہ والدین شاذ و نادر اپنے لڑکوں کو اس کام میں لگانا پسند کرتے ہیں اکثر ان کو سرکاری ملازمت کی خواہش ہوتی ہے یا کسی ایسے پیشے کی جیسے کہ وکالت یا تعلیمات ہے نتیجہ یہ ہے کہ

باب پنجم
فصل ۴۴

شمالی ہندوستان سے بہت کم آجر نکلتے ہیں جوکہ اعلیٰ پیمانے پر پیدائشِ دولت کا انتظام کرسکیں۔ اس کام کو یا تو وہ لوگ سرانجام دیتے ہیں جنکے ہاں مدت سے یہ کام ہوتا چلا آتا ہے۔ یا دوسرے قوموں کے لوگ مثلاً یوروپین یا پارسی۔ ان کو ان نقائص کی پرواہ نہیں جوکہ ہندوستانی اس پیشہ سے وابستہ خیال کرتے ہیں۔ مثلاً اعزاز کم ہونا یا لوگوں کی نظر میں سُبکی ہونا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جبتک معاوضۂ تنظیم کی شرح بہت اعلیٰ نہ ہو بحالت موجودہ لوگ اس پیشے کی طرف متوجہ نہوں گے۔

آجروں کی طلب۔

جن ملکوں میں بالعموم عمل پیدائش بڑے پیمانے پر جاری ہے وہاں آجروں کی طلب باقاعدہ نظر آتی ہے اور قانون طلب کا اثر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن شمالی ہندوستان میں ابھی تک عمل پیدائش نے اس درجہ ترقی نہیں کی کہ ایسے لوگوں کی کوئی بڑی جماعت باقاعدہ کام شروع کرسکے۔ ابھی بہت کم لوگ آجر کا کام انجام دینا جانتے ہیں اور تھوڑے ہی لوگوں کی گنجائش بھی نظر آتی ہے۔ لہٰذا اگر طالبِ علم معاوضۂ تنظیم کا مسئلہ سمجھنا چاہیں تو اول ان کو ترقی یافتہ ممالک کی حالت کا مطالعہ کرنا ضرور ہے جہاں بہت سے قابل اور کارگزار لوگ کار و بار چلانیکے خواہاں رہتے ہیں اور جہاں بہت سے لوگ اپنا اصل کسی کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو اس سے کام لے اور مالکوں کو بھی مناسب معاوضہ اور سود ادا کرے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ ہندوستان میں آجروں کا کار و بار پھیلنے کے واسطے کن شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے

باب پنجم فصل ۴۴

تاجروں کے کار و بار بڑھانے کی ایک سہل سبیل تو یہ ہے کہ ٹکنیکل یعنی صنعتی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ یہ سبیل ہمنے اس وجہ سے سہل کہی کہ سرکار یا چند روشن خیال لوگ ملکر اس کا اہتمام کرسکتے ہیں چنانچہ گذشتہ چند سال میں صنعتی تعلیم نے ترقی بھی کی ہے۔صنعتی مدارس کا اہتمام دشوار سہی لیکن نہ اس قدر جتنا کہ دوسری باتوں کا بندوبست کرنا۔ مثلاً تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا رجحان اس طرف پھیرنا اور یہ بات ان کے دل نشین کرنی کہ ہندوستان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں دولت تو بہت کم پیدا ہوتی ہے اور آبادی بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی گزر مشکل سے ہوتی ہے اب اگر دولت کی پیداوار بڑھانی مقصود ہو تو اس کے واسطے انتظام پیدائش سب سے پہلی شرط ہے۔ یعنی کار و بار کا بطریق جدید انتظام کرنا مقدم ہے اور نیز یہ کہ تاجر کا پیشہ بھی اسی قدر معزز اور ضروری ہے جتنا کہ وکلاء ڈاکٹر یا انجینیر وغیرہ کا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو اندوختہ سے بطور اصل کام لینے کی ترغیب دی جائے۔ بہت سی دولت بیکار پڑی ہوئی ہے اس سے کام لینا چاہیئے اور جو کچھ پس انداز ہو وہ بھی کار و بار میں لگانا چاہیئے نیز یہ کہ مزدوروں کی کارکردگی کو بھی ترقی دینی ضروری ہے۔ مزید برآں سب طبقوں کے مزدوروں کو سمجھنا چاہیئے کہ ان کے حق میں آمدنی کا سب سے بہتر مصرف کیا ہے۔ ان کو صنعتی مہارت کی طرف زیادہ متوجہ ہونا چاہیئے اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی

باب پنجم
فصل ۴۴

عمدہ اہتمام کرنا ضروری ہے۔ لوگوں میں یہ رجحان تو کچھ کچھ پیدا ہو چلا ہے اور جوں جوں شوق بڑھے گا آجروں کی تعداد میں اضافہ ہوگا کار و بار کے لئے اصل بافراط ملنے لگے گا ملک میں جو عاملین پیدائش موجود ہیں وہ زیادہ عمدہ طور پر کام کرینگے اور ان ترقیوں کے بعد دولت کی پیداوار یقیناً بہت بڑھ جائے گی ؛

فصل پینتالیس ۴۵

خلاصہ

قومی آمدنی

تقسیمِ دولت کا خلاصہ

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ عاملینِ پیدائش کی کارگزاریوں کا معاوضہ کیونکر قرار پاتا ہے۔ لیکن یہ بحث مکمل نہ سمجھنی چاہئے کیونکہ یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔ اس کتاب میں مسئلہ تقسیمِ دولت کا ایک خاکہ پیش کرنا مقصود ہے۔ یہاں پر دقیق نکات کی بحث قبل از وقت ہوگی۔ البتہ کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد اس کے مطالعہ کا موقع آئے گا۔ بہرحال مسئلہ تقسیمِ دولت کی مختصر اور سادہ بحث سے نتائج ذیل حاصل ہوئے ہیں:

سود کی تو حالت یہ ہے کہ جب اصل کے بازار قائم ہوجاتے ہیں تو سود خالص کی بازاری شرح طلب و رسد کے اثر سے بعینہ اس طرح قرار پاتی ہے جیسے چیزوں کی بازاری قیمت اور سود کی بھی ایک ایسی معمولی شرح ہوتی ہے جیسی چیزوں کی قیمت کہ جس کی طرف بازاری قیمت ہمیشہ مائل ہوتی ہے یہ معمولی شرح بالکل مستقل نہیں ہوتی بلکہ ملک کی حالت بدلنے کے ساتھ

باب پنجم
فصل ۴۵

خود بھی رفتہ رفتہ تبدیل ہوجاتی ہے۔معمولی شرح کی تبدیلی ایسے پیچیدہ طور پر عمل میں آتی ہے کہ بنئی اس کو سمجھ نہیں سکتا۔کچھ معاشیات جاننے کے بعد البتہ اس کے مطالعہ کی نوبت آتی ہے۔ قرضدار جو سود خام ادا کرتا ہے تو اس میں سود خالص بازاری شرح کے حساب سے اور مطالباتِ تنظیم اور مطالبات خطر شامل ہوتے ہیں ان مطالبات کی مقدار حسب حال قرض گیر مختلف ہوتی ہے۔ پس سود خالص کی شرح اس آسانی سے نہیں معلوم ہوسکتی جیسے چیزوں کی قیمت۔لیکن اس دقت کے باوجود اس کا پتہ چلتا ضرور ہے۔ ہندوستان میں اصل کے بازار قائم کرنے کی سخت ضرورت ہے۔تاکہ ہر طبقے کے آجروں کو اصل مناسب شرائط پر دستیاب ہوسکے۔ اور جوں جوں بازار ترقی کریں گے معاشی مسئلہ سود ہندوستان کے حالات پر اسی قدر زیادہ صادق آئیگا۔

لگان کی شرح بھی طلب و رسد کے اثر سے مقرر ہوتی ہے اور زرخیزی زمین کی کمی بیشی کے لحاظ سے اس کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ ہر ملک میں کبھی نہ کبھی یہ نوبت آنی ضرور ہے کہ زرخیز زمینوں کی طلب ان کی رسد سے بڑھ جائے۔اور جہاں یہ نوبت آئی زمینداروں کی چڑھ بنی۔پیداوار میں سے مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد جوکچھ بچتا ہے اُس میں سے وہ سب لگان کی مد میں وصول کرلیتے ہیں۔شمالی ہندوستان کے اکثر حصوں میں اسوقت یہی حالت نظر آتی ہے اور زمینداروں کی دست درازی کا نتیجہ یہ ہے کہ کاشتکار خستہ حال ہیں اور ان کے پاس اسقدر سرمایہ

باب پنجم نہیں کہ کُنبے کی پرورش کریں اور زمینوں کو بھی زرخیز بنائے رکھیں
فصل ۴۵ پس قومی آمدنی کو محفوظ رکھنے کی خاطر سرکار زمیندار اور کاشتکار کے درمیان مداخلت کرکے زمین کا لگان کم و بیش مقرر کردیتی ہے اور اس بات کا خاص لحاظ رکھتی ہے کہ کاشتکار کو بھی پیداوار میں سے معقول حصہ ملے تاکہ وہ کھیتی باڑی میں دل لگاکر محنت کرے اور زراعت میں ترقی ہو۔

مزدوروں کی طلب اور رسد کا جو اثر اجرت پر پڑتا ہے ظاہر ہے محنت کی طلب عام چیزوں کی طلب کے مشابہ ہے۔ البتہ اس کی رسد میں طرح طرح کی دقتیں حائل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو محنت مزدور کی ذات سے جدا نہیں ہوسکتی۔ دوسرے مزدور ایک جیتا جاگتا انسان ہے اس کی عادات، اس کے خیالات، اور اس کا مذاق اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ اپنی مرضی کا مختار ہے۔ طلب و رسد کی معمولی تبدیلیوں کا اجرت کی بازاری شرح پر بازاری قیمت کی طرح کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ بڑی تبدیلیوں کے اثر سے پتہ چلتا ہے کہ بازاری شرح کا طلب و رسد سے بھی تعلق ہے اجرت کا معیار مزدوروں کے معیار زندگی کے مطابق قرار پاتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ مزدوروں کو ان کے کام کی قیمت سے زیادہ اجرت ملتی رہے۔ اگر معمولی اجرت کی تبدیلیوں کا مزید مطالعہ مطلوب ہو تو ان اسباب پر نظر ڈالنی چاہئے جن کا کارکردگی پر اثر پڑتا ہے اور وہ تعلق دریافت کرنا چاہئے جو مزدور کے طرزِ معاشرت اور کام کی عمدگی یعنی کارکردگی کے درمیان قائم ہے۔

باب پنجم فصل ۴،۵

یہ بھی ثابت ہوا کہ آجروں کی حالت بھی تخصیص یافتہ پیشے والوں کی سی ہے جو اجرت پر کام کرتے ہیں مثلاً وکیل ڈاکٹر وغیرہ لیکن عمل پیدائش کا ابھی تک ہندوستان میں ایسا باقاعدہ انتظام نہیں ہوا کہ ہندوستانی حالات کی بنا پر معاوضہ تنظیم کا کوئی مسئلہ قرار پا سکے ؛

سود، لگان، اجرت اور معاوضۂ تنظیم کے متعلق جو نتائج اوپر بیان ہوئے وہ بھی مسئلہ تقسیم کے ضروری جز ہیں۔ لیکن اس قسم کی بحث میں یہ اندیشہ ہے کہ مختلف عاملین کے معاوضوں میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک کا باقیوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ نظرانداز ہوجاتا ہے۔ ہمکو یہ پتہ نہیں چلتا کہ اگر مزدوروں کی کسی جماعت کی اجرت میں تبدیلی ہو تو دوسری جماعتوں کی اجرت پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ یا سود یا لگان کی تبدیلی کا ان کے وصول کرنے والوں کے علاوہ بحیثیت مجموعی قوم پر کیا اثر پڑتا ہے۔ تقسیم دولت کے مسئلہ کی بحث ختم کرنے سے قبل اس پر ایک تفصیلی نظر ڈالنی چاہتے ہیں ؛

قومی آمدنی

کل قوم گویا ایک جماعت ہے جو دولت پیدا کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ جو کچھ دولت پیدا ہوتی ہے وہ گویا قومی آمدنی ہے جس پر قوم کی گزر ہوتی ہے جس قدر بھی کام کرنے والے ہیں کھیت کے مزدوروں سے لیکر کارخانوں کے مینیجروں تک سب اس آمدنی کے پیدا کرنے میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ سب کا اسی سے خرچ چلتا ہے مگر کل آمدنی صرف میں نہیں آتی۔ کچھ آمدنی تو اس عمل کے

باب پنجم فصل ۴۴

مہیا کرنے میں کام آتی ہے جو عمل پیدائش میں صرف ہوگیا اور تمام ملکوں میں کچھ آمدنی ایسے لوگوں کی پرورش میں صرف ہوتی ہے جو خود کام کاج نہیں کرسکتے یا نہیں کرتے۔ قوم کا تو اسی میں فائدہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل ہو۔ یہ بات اُسی وقت ممکن ہے جبکہ ہر ایک عاملِ پیدائش سے پورا پورا کام لیا جائے۔ زمین اسطرح پر کاشت ہونی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ مقدار پیدا ہو اور زرخیزی بھی بحال رہے۔ جو لوگ محنت کریں خواہ جسم سے خواہ دماغ سے ہر طرح سے ان کی کارکردگی اعلیٰ درجے کی ہونی چاہیئے۔ اور اندوختوں کو اس طرح کام میں لانا چاہیئے کہ مزدوروں کو پوری پوری امداد ملے ان باتوں کی تکمیل میں تمام قوم کا تعلق ہے اور قومی آمدنی کا ایک حصہ وہ الگ کردیتی ہے تاکہ قوم کی نمایندہ حکومت ان باتوں کا بندوبست کرے جس میں اشتراکِ عمل کی ضرورت ہو۔ یہ حصہ کبھی تو حکومت کو بشکلِ محصول ادا کیا جاتا ہے مثلاً انکم ٹکس ہے، یا مالگزاری۔ یا کبھی کوئی کاروبار سرکار کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جنگلات سرکاری ملک ہیں یا افیون کی تجارت اس کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ باقی معاملات افراد کے فیصلے پر چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوگ خود سوچ سمجھکر بہت کم فیصلہ کرتے ہیں۔ اکثر رسم و رواج کے مطابق رائے قائم کرلیتے ہیں۔ خود رسم و رواج کم از کم ایک حصہ قوم کی عام رائے کا عکس ہوتے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ افراد کا عمل تین طور پر قرار پاسکتا ہے۔ یا تو وہ قانون کے پابند ہوں یا رسم و رواج کے یا اپنی رائے

اور فیصلہ کے۔ مثلاً گورنمنٹ نے یہ انتظام اپنے ذمے لے لیا ہے باب پنجم
کہ ہر کسی کو اس کے ملک سے متمتع ہونے کا موقع دے۔ چنانچہ فصل ۴۵
اسی غرض سے وہ چور اور دغابازوں کو سزا دیتی ہے، مالِ مسروقہ
اسکے مالک کو واپس دلاتی ہے۔ لیکن مِلک سے متمتع ہونے کا طریق
بیشتر رسم و رواج پر منحصر ہے۔ اور مِلک کے حاصل اور جدا کرنے میں
افراد اپنی رائے اور مرضی سے کام لیتے ہیں +

ہم نے فرض کرلیا کہ ایسی حکومت موجود ہے جو لوگوں کو اپنی اپنی قومی آمدنی
رائے قائم کرنے کی آزادی دیتی ہے اور ان کو قومی دولت میں سے کی مقدار
اپنا اپنا حصہ لیکر اسی سے متمتع ہونے کا موقع بھی دیتی ہے۔ اس مفروضہ سے
تو معلوم ہوتا ہے کہ قومی دولت کی مقدار بیشتر افرادِ قوم کے چال چلن
پر منحصر ہے۔ کیونکہ نہ صرف اس کا اثر ان کی راؤں پر پڑتا ہے
بلکہ رسم و رواج بھی اسی کے نتائج ہوتے ہیں۔ اگر کسی قوم کی آمدنی
زیادہ اور روز افزوں ہو تو اس کے افراد ضرور جفاکش، ذہین اور
کفایت شعار ہوں گے۔ عمدہ کارکردگی کی پہلی شرط جفاکشی ہے۔ خواہ
وہ جسمانی محنت میں ہوا یا دماغی کام میں۔ عملِ پیدائش کا عمدہ انتظام
کرنے اور تبدیلیوں کا ساتھ دینے کے واسطے ذہانت درکار ہے۔
کفایت شعاری سے مراد یہ ہے کہ آئندہ ضروریات کا اندازہ کرکے
پہلے سے ان کا اہتمام کرے۔ گویا کمائی اس طرح صرف کرنا کہ کارکردگی
میں اضافہ ہو اور کوئی چیز ضائع نہ کرنا۔ بطور اصل کام لینے کی غرض
سے دولت جمع کرنا اور ہر جدید نسل کو سابق نسل سے بہتر تعلیم
و تربیت دلانا یہ سب باتیں کفایت شعاری میں داخل ہیں +

باب پنجم فصل ۴۴

یہ قومی دولت کئی طریق سے تقسیم ہوسکتی ہے ہمنے کاروباری آزادی کے مفروضہ کے تحت میں جیساکہ چوتھی فصل میں بیان ہوچکاہے تقسیم دولت کے اصول دریافت کئے ہیں۔معلوم ہوا جب لوگوں کو کار و بار میں آزادی حاصل ہوتی ہے تو ہر طبقہ اور ہر فرد کی آمدنی کارکردگی کی مناسبت سے کم یا بیش ہوتی ہے۔جس طبقہ یا جس فرد کی کارکردگی بہت اعلیٰ ہو اس کی آمدنی بھی زیادہ ہوگی لیکن طبقے اور افراد قوم کے جزو ٹھہرے ان کی آمدنی قوم کی آمدنی پر منحصر ہے۔ پس جو ادنیٰ کارکردگی والے مزدور قومی آمدنی کی مقدار گھٹا دیں۔ وہ نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کے حصے میں بھی تخفیف کردیتے ہیں اگر مزدوروں میں کارکردگی ادنیٰ قسم کی ہو تو پیداوار بھی کم رہے گی۔ اس کا نقصان نہ صرف اُن مزدوروں کو اٹھانا پڑے گا بلکہ اس کمی میں وہ بھی شریک رہیں گے جن کی کارکردگی عمدہ ہے یا جن کا اصل لگا ہوا ہے اور جن کی آمدنی ضرور زیادہ ہوتی اگر مزدور کام ٹھیک طور پر کرسکتے۔ علیٰ ہذا اگر عمل پیدائش کا انتظام خراب ہو تو نہ صرف آجروں کی آمدنی کم رہے گی بلکہ قومی آمدنی گھٹ جائیگی اور اصلداروں اور مزدوروں کو بھی حصہ کم ملے گا۔

کاروباری آزادی

کاروباری آمدنی کے طریق میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کارکردگی کے معیار سے لوگوں کو قومی آمدنی میں سے حصہ ملتا ہے گویا کارکردگی کو ترقی دینے کی ترغیب اس طریق میں موجود ہے اگر سب افراد قوم اس ترغیب کو اچھی طرح پر محسوس کریں تو وہ اپنی کارکردگی کو بدرجۂ اعلیٰ ترقی دیکر قومی آمدنی کو بہت بڑھاسکتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ بعض

لوگوں پر تو اس ترغیب کا جادو خوب چلتا ہے اور بعض پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔ کام کرنے والوں میں بہت سے اعلیٰ کارکردگی کے لوگ نظر آتے ہیں اور بہت سوں کی کارکردگی بہت ادنیٰ قسم کی ہے۔ پس کاروباری آزادی کا طریق اس وقت کامیاب ہو سکتا ہے۔ جبکہ کارکردگی کے معیار کے مطابق معاوضہ ملنے سے لوگوں میں اپنی اپنی کارکردگی بڑھانے کا شوق اور ترغیب پیدا ہو۔

اس طریق میں خرابی یہ ہے کہ کچھ افراد کی کارکردگی ادنیٰ ہونے کی وجہ سے قومی آمدنی گھٹ جاتی ہے اور ادنیٰ کارکردگی والوں کی وجہ سے اعلیٰ کارکردگی والوں کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اس خرابی کی حدود بھی مختلف ہوتی ہیں اگر جماعت کثیر کی کارکردگی اعلیٰ درجے کی ہے تب تو ادنیٰ کارکردگی والوں کی وجہ سے کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچے گا۔ اور اگر اعلیٰ کارکردگی والوں کی تعداد قلیل ہو تو ادنیٰ کارکردگی والوں کی کثرت سے ان کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

اس طریق میں نہ تو یہ اطمینان ہے کہ قومی آمدنی بڑھتی رہے گی اور نہ یہ بھروسہ کہ کارکردگی کے معیار کے مطابق معاوضہ ملنے سے لوگوں کو کارکردگی بڑھانے کا شوق پیدا ہوگا۔ لوگ ان خرابیوں پر نظر کرکے اکثر یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ قوم بحیثیت مجموعی حکومت کے وساطت سے پیدائش صرف اور تقسیم دولت یا ان تینوں کاموں کا ایسا انتظام کرے کہ آمدنی بھی بڑھتی رہے اور لوگوں کو کارکردگی بڑھانے کا بھی شوق ہو اس قسم کی تجاویز کو اصطلاحاً **سوشیلزم** یا اشتراک سے

باب پنجم
فصل ۴۵

تعبیر کرتے ہیں۔ آگے چلکر طالب علم کو یہ مسئلہ بھی مطالعہ کرنا ہوگا۔ ان تجاویز کی تائید میں بہت سی دلائل پیش کی جاتی ہیں۔ جن میں سے بعض دائرۂ معاشیات سے خارج ہیں۔ معاشی نقطہ نظر سے تو دو باتیں قابلِ تحقیق ہیں۔ وہ یہ کہ ان تجاویز پر عمل کرنے سے آیا قومی دولت میں اضافہ ہوگا اور آیا لوگوں کی کارکردگی میں ترقی ہوگی۔

ہندوستان میں کاروباری آزادی کے عام طریق سے ایک موقع پر تو انحراف ہوچکا ہے۔ وہ یہ کہ اضافۂ لگان پر کچھ قانونی بندشیں لگادی ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ کاشتکار کھیتی باڑی میں دل لگا کر محنت کرے۔ گویا کاشتکار کی کارکردگی میں ترقی ہو۔ بعض دیگر معاملات میں بھی سرکار نے مداخلت کی ہے۔ مثلاً **فیکٹری ایکٹ** یا قانون کارخانجات کے رو سے کارخانوں میں کاروبار کے اوقات معین ہیں اور عورتوں اور بچوں سے کام لینے کے شرائط مقرر ہیں۔ غالباً آئندہ مدبرین اور سیائین کی بیشتر تجاویز طریق آزادی میں دخل دینگے۔ یوں تو چند وجوہات کی بناپر ایسی تجاویز کی تائید بھی ہوگی اور مخالفت بھی لیکن معاشی نتائج خاص طور پر قابلِ لحاظ ہوں گے۔ اور معاشیات کے مطالعہ میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جن تجاویز کا اثر قوم کے روز مرہ کے کاروبار پر پڑے ان کا معاشی پہلو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

تمت

ضمیمہ

اُردو اور انگریزی مرادف اصطلاحات کی فہرست

English	اردو
Margin of cultivation	اختتام کاشت
Employer	آجر
Wages	اُجرت
Earnings of Management	اُجرت تنظیم
Real Wages	اُجرت صحیح
Nominal Wages	اُجرت متعارف
Wants	احتیاجات
Ethics	اخلاقیات
Strike	اسٹرائک یا ہڑتال
Capital	اصل
Capitalist	اصل دار
Circulating Capital	اصل دائر
Fixed Capital	اصل قائم

Disutility .... اعدام افادہ

Utility .... افادہ

Political Economy (old sense) .... اقتصادیات

Co-operation .... امداد باہمی

Trades Union .... انجمن اتحاد مزدوراں

Co-operative Credit Society .... انجمن قرضۂ امداد باہمی

Joint Stock Company .... انجمنِ سرمایۂ مشترک یا کاروبارِ سرمایۂ مشترک

Market .... بازار

Bank .... بنک

Production of Wealth .... پیدائشِ دولت

Produce or Product .... پیداوار

Productive .... پیدا آور

Productivity .... پیدا آوری

Localisation of Industries .... تحصیرِ صنائع

Specialisation .... تخصیص

Specialised .... تخصیص طلب یا تخصیص یافتہ

Luxuries .... تعیشات

Distribution of Wealth .... تقسیمِ دولت

Division of Labour .... تقسیمِ عمل

Equilibrium .... توازن

Tax .... ٹکس یا محصول

Demand Schedule .... جدول طلب

English	Urdu
Wealth	دولت
Water Works	ذرائع آبرسانی
Supply	رسد
Money	زر
Land	زمین
Interest	سود
Net Interest	سود خالص
Gross Interest	سود خام
Politics	سود معمولی
	سیاسیات
Consumption of wealth	صرف دولت
Necessaries	ضروریات
Apprentice system	طریق کار آموزی
Demand	طلب
Statistics	علم الاعداد
Moral Sciences (dealing with man in Society)	علوم عمرانی
Hydraulics	علم قوت الماء یا توانائیات
Economics (modren sense)	علم المعیشت یا معاشیات
Law of Diminishing Return	قانون تقلیل حاصل
Value	قدر
Hydraulics	توانائیات

Price	قیمت
Equilibrium Price	قیمت متوازنہ
Joint Stock Company	کارخانہ یا کاروبار سرمایۂ مشترک
Efficiency	کارکردگی
Marginal Cultivation	کاشت مختتم
Rent	لگان
Exchange of Wealth	مُبادلہ دولت
District Board	مجلس ضلع
Limited Company	محدود کمپنی
Tax	محصول
Labour	محنت
Labourer	مزدور
Expenses	مصارف
Depreciation Charges	مطالبات فرسودگی
Economics	معاشیات
Standard of Life	معیار زندگی
Assumptions	مفروضات
Local Board	مقامی مجلس
Skill	مہارت
Mobility	نقل پذیری
Strike	ہڑتال

ضمیمہ دوم

حوالہ مباحث بلحاظ صفحہ

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۵	تفسیروں	حدیث و فقہ
۵	۱۲	یہ حالت دوم	بہ حالت دوم
۱۰	۱۲	صنعت و حرفتون	صنعتون اور حرفتون
۱۰	۱۴	سہولت مقابلے کی غرض سے	سہولت مقابلہ کی غرض سے
۱۱	۲۱	اس قسم کے چیزون کے	اس قسم کی چیزوں کے
۱۴	۴	قدیم شہرت گم نہ ہو جائے	قدیم شہرت گم نہ ہو جائے
۲۱	۳	جو مطلوبہ ہیں	جو مطلوب ہون
۲۵	۱۷	یا نیز ترکیب	یا ترکیب
۲۷	۵	جیب گھڑی	جیبی گھڑی
۲۷	۱۰	نسلاً بعد نسلاً	نسلاً بعد نسل
۳۱	۱۸	بیشتر حصے میں	بیشتر حصون میں
۳۲	۱۱	مستثنیات شمار ہوتی ہیں	مستثنیات میں شمار ہوتی ہیں
۳۵	۱۵	بالا بالا لڑکے	اوپر والے لڑکے
۳۵	۱۵	خراب خراب	خراب

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
خچر کے بوجھ تک	خچر کا بوجھ	۱۷	۳۹
خچر کے گھاس دانے	خچر کی گھاس دانے	۱۸	۳۹
جوڑ جوڑ کر	جوڑ جوڑ	۲۰	۳۹
اکھیڑ اکھیڑ کر	اکھاڑ اکھاڑ کر	۱۰	۴۱
کی مقدار میں	کے مقدار میں	۱۱	۴۳
انجن اور مشینیں لگیں گی	انجن اور مشین لگیں گی	۱۱	۴۳
داخل سمجھی جاتی ہیں	داخل سمجھی جاتی ہے	۱۱	۴۶
کنارے قائم ہونے چاہئیں	کنارے پہ قائم ہونے چاہئیں	۴	۴۸
ہاتھ آگیا تھا	ہاتھ آگیا	۲	۵۰
ریل کے جاری ہونے تک	ریل جاری ہوے تک	۳	۵۰
شاہراہ تجارت کھلی	شاہراہ تجارت کھلا	۱	۵۲
کلکتے میں منتقل ہوا	کلکتہ کو منتقل ہوا	۱۱	۵۳
سرسبز تھی	سرسبز تھیں	۱۲	۵۳
تباہ ہوگئی	تباہ ہوگئیں	۱۲	۵۳
قریب ہوں	قریب ہو	۸	۵۴
بڑے بڑے شہر بن گئے	شہر کے شہر کے بن گئے	۱۳	۵۴
کشمکش	کشمکس	۱۴	۵۶
کی ڈھال اچھی ہو	کا ڈھال اچھا ہو	۸	۵۷
کافی صلہ ثابت نہو	کافی صلہ ثابت نہوگا	۲۱	۶۰

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۱	۲	کھاد لگانے	کھاد دینے
۶۴	۱۱	زیادہ زیادہ پیداوار	نسبتاً زیادہ پیداوار
۶۴	۱۶	بالعموم ہین مضمر ہے	بالعموم میں مضمر ہے
۶۹	۴	پودے نرانا	پودے لگانا
۶۹	۵	جیسے کہ	جیسا کہ
۶۹	۶	بچا ہوا ہٹ	بچی ہوی ہٹ
۶۹	۷	عمدہ زد پڑنے سے	عمدہ چوٹ پڑنے سے
۷۴	۲۰	آبادی بڑھتے بڑھتے	آبادی کی بڑھتے بڑھتے
۷۶	۱۵	جیسی کہ یہان ہے	جسقدر کہ یہان ہے
۷۷	۱۴	تیر کرے	ٹیر کرے
۸۱	۱۲	اور نیز	نیز
۸۲	۲۱	یا ریل کار خانجات	یا ریل کے کار خانجات
۸۳	۲	لوٹ آتے ہیں	پلٹ آتے ہیں
۸۳	۱۲	کاشتکاروں کے مقابل	کاشتکارون کے مقابلہ میں
۸۶	۸	چنانچہ زیادہ زیادہ	چنانچہ زیادہ
۸۶	۱۰	معلوم ہو	معلوم ہوا
۹۰	۴	یا کسی اور کسی پیشے	یا کسی اور پیشے
۹۴	۱۲	بلا تکان و تکلف	بے تکان و بلا تکلف
۹۴	۱۴	آنیوالے گیند میں بلا	آنیوالی گیند کو بلا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۶	۱۷	برتن بنانا	برتن بنانے
۹۹	۲۱	عمدہ کام کرنے کا انعام دیتا	عمدہ کام کرنے کا انعام دینا
۱۰۳	۹	عام طور	عام طور پر
۱۰۳	۹	یک جنس	ایک جنس
۱۰۶	۱۳	زبانون	السنہ
۱۰۸	۷	گوارہ	گوارا
۱۰۸	۱۹	اچھی سی اچھی	اچھی سے اچھی
۱۰۸	۲۰	اسی کے یہان	اسی کے ہان
۱۰۹	۶	صراف کے یہان	صراف کے ہان
۱۱۲	۳	لاسنے	لینے
۱۱۲	۷	کرگھ	کرگھا
۱۱۲	۸	کپڑے کے صنعت	کپڑے کی صنعت
۱۱۴	۱۱	کتاب پڑھے وقت	کتاب پڑھتے وقت
۱۲۶	۸	تو ہے	لو ہے
۱۲۸	۱۱	یہان	ہان
۱۳۵	۱	یہی جولاہون	انہی جولاہوں
۱۳۸	۳	بویا جاتا ہے	بویا جاتا تھا
۱۳۸	۱۳	میٹھے کو بہت سے	کھانڈ کو بہتیرے
۱۳۸	۱۴	شکر	کھانڈ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۸	۱۸	زیادہ زیادہ	بہت زیادہ
۱۴۱	۶	ہوگئی	ہوگئین
۱۴۱	۱۹	نہ بنتے	نہیں بنتے
۱۴۳	۷	نسبتاً	نسبتہً
۱۴۳	۱۹	کرگھہ	کرگھے
۱۴۵	۱۹	بحالت مکمل	مکمل حالت میں
۱۴۸	۲۰	اس طرح	اسیطرح
۱۴۹	۲	واقعہ ہے	واقعہ یہ ہے
۱۴۹	۱۵	خرانے	خزانے
۱۵۴	۲۰	یا تو اُس سے	یا اُس سے
۱۵۷	۱	رقمیں ہون	رقموں پر مشتمل ہون
۱۵۸	۸	کرنے واسطے	کرنیکے واسطے
۱۶۲	۱۴	اصلی کی دو قسم	اصل کی دو قسمین
۱۶۶	۱	بیاہ کی رسم و رواج	بیاہ کے رسم و رواج
۱۶۷	۲	پھیل رہا ہے یہی	پھیل رہا ہے ممکن ہے یہی
۱۶۸	۱۱	قدرتاً	قدرۃً
۱۷۳	۱۱	کون کون	کون کونسی
۱۷۳	۱۲	کون کون	کون کونسی
۱۷۳	۱۲	کون	کونسی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۳	۱۴	باقی کو	باقی کے لئے
۱۷۴	۱۳	جوڑہ جوتہ	جوڑے جوتے
۱۷۵	۱۰	چٹ پٹے	چٹپٹے
۱۷۵	۱۶	جوتہ	جوتے
۱۷۶	۱۳	بہت دیر دیر بعد	بہت دیر بعد
۱۷۷	۹	کچھ موٹر	موٹرین
۱۷۷	۱۲	موٹر	موٹرین
۱۷۸	۲	احتیاجین پوری ہوتے ہی	احتیاجون کے پورے ہوتے ہی
۱۸۰	۲۰	جتنا ہی	جسقدر
۱۸۱	۱۰	اسی قسم کی استثنٰے	اسی قسم کا استثناء
۱۸۱	۱۷	بڑہتی اس سے	بڑہتی ہے اس سے
۱۸۲	۸	مگرچہ	اگرچہ
۱۸۳	۱۵	فطرتاً	فطرۃً
۱۸۵	۴	مختلف رائے	مختلف رائین
۱۸۸	۱۳	قسم	قسمون
۱۸۸	۱۹	صحت پرور	صحت بخش
۱۸۸	۲۰	نظر پڑتے ہیں	نظر آتے ہیں
۱۹۱	۱۴	کی رسم رواج	کے رسم و رواج
۱۹۵	۱۸	درحقیقت تو ان ہردو	درحقیقت ان ہردو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۹	۱۰	بیشترین	بیشتر
۱۹۹	۱۴	انتخاب احتیاجات مختلف	انتخابِ احتیاجات مختلف
۱۹۹	۲۱	بیشترین	انتہائی
۲۰۰	۹	بیشترین	انتہائی
۲۰۰	۲۱	بیشترین	انتہائی
۲۰۱	۴	بیشترین	انتہائی
۲۰۴	۴	بہ فلاں نرخ	فلاں نرخ پہ
۲۰۵	۱۲	بیشترین	انتہائی
۲۰۵	۱۴	بیشترین	انتہائی
۲۰۵	۱۵	بیشترین	انتہائی
۲۱۳	۱۸	نہ خریدے گا	نہ خریدے
۲۱۴	۱۲	دوگنی	دُگنی
۲۱۴	۱۷	موزون	مناسب
۲۱۴	۱۹	حاصل ہوسکتی ہے	حاصل ہو سکتے ہیں
۲۱۵	۱۱	ملک	ملکیت
۲۱۵	۲۰	غلہ ہائے خوردنی	غلوں
۲۱۶	۱	جو جوار	جو اور جوار
۲۱۶	۴	بہت سی	بہت سے
۲۱۶	۱۵	جو جوار	جو اور جوار

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۶	۱۶	نباتاتی تیل	نباتی تیلوں
۲۱۷	۷	ہوں	ہین
۲۱۷	۱۹	اور بھی زیادہ زیادہ	اور بھی زیادہ
۲۲۲	۶	کا کوئی تکان نہو گا	کی کوئی تکان نہو گی
۲۲۲	۱۰	کا تکان بڑھتا ہے	کی تکان بڑھتی ہے
۲۲۲	۱۶	اسکی برعکس	اسکے برعکس
۲۲۲	۱۸	بعد کو	اسکے بعد
۲۲۳	۶	بہتر ہے	بہتر ہوگا
۲۲۴	۱۲	خرید فروخت	خرید و فروخت
۲۲۴	۲۱	کی تجسس ہوتی ہے	کا تجسس ہوتا ہے
۲۲۵	۱۶	بعد کو	بعد ازان
۲۲۷	۱	مقدار کے	مقدار کی
۲۲۸	۱	کہ فروخت ہو سکین	جسقدر فروخت ہو سکین
۲۳۰	۴	یہان	ہان
۲۳۲	۹	وہ یہ کبھی	وہ یہ کہ کبھی
۲۳۵	۵	ذرا ذرا خبر	ذرا ذرا سی خبر
۲۳۷	۱۸	نظر آتا ہے	نظر آتے ہیں
۲۳۸	۴	جتھا کریں	جتھا باندھ لیں
۲۴۳	۹	اور یا کسی دام بھی	اور یا جن داموں پر ملے

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
پو بارہ	پو بارے	۲۱	۲۴۳
تھوک فروش بازار	تھوک فروش بازار	۳	۲۴۶
جتھا باندھ لیتے	جتھا کر لیتے	۱۱	۲۴۸
تبسر	تیسر	۳	۲۵۱
ذرا ذرا سی خبر	ذرا ذرا خبر	۲۱	۲۵۱
پو بارہ	پو بارے	۵	۲۵۲
مقداریں	لقدار	۱	۲۵۳
کام زیادہ	کام زیادہ زیادہ	۱۳	۲۵۹
کار خانے کا بند کرنا	کار خانے بند کرنا	۱۵	۲۶۳
انجانی سے	انجان پنے	۲	۲۶۴
جسکی	جس کو	۱۳	۲۶۶
ان کی	ان کے	۲۱	۲۶۹
قرار پائے گی	قرار پکڑے گی	۱	۲۷۰
زیادہ	زیادہ زیادہ	۱۵	۲۷۰
اور	اور اس	۲۱	۲۷۰
ہے	ہین	۶	۲۷۱
ہے اس پہ	ہین ان پہ	۸	۲۷۱
جو باہم مل جل کر	جو ہل ملا کر	۱۸	۲۷۱
تل کا تیل	تلون کا تیل	۳	۲۷۵

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۷۵	۱۷	اندر جو	اندر جنین
۲۷۵	۱۸	اُن میں بھر دیتے ہیں	بھر دیتے ہیں
۲۷۷	۱	وقت	دقت
۲۸۰	۱۲	غلہ خوراک	غلے
۲۸۲	۱۳	پس تحقیق	تحقیق
۲۸۴	۵	قیمت کی بجاے	قیمت کے بجاے
۲۸۴	۷	قدر کی بجائے	قدر کے بجائے
۲۸۵	۴	ہو	جو
۲۸۹	۸	ہو سکی	ہو سکے
۲۹۱	۵	محنت کا اجرت	محنت کی اجرت
۲۹۲	۱۸	اسکی بجائے	اسکے بجائے
۲۹۳	۱۶	ملتے ہیں	ملتی ہے
۲۹۶	۱۲	انتا	اتنا
۲۹۹	۸	اور اور گاون گاون	اور گاون گاون
۲۹۹	۱۸	اسکی	اس کے
۳۰۰	۵	رکھتے	رکھتے
۳۰۹	۱۴	کسی کے	کسی کی
۳۰۹	۱۹	سٹے	ملے
۳۱۳	۱۵	زیادہ زیادہ	زیادہ

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
سخت ضرورت ہوتی ہے	سخت ہوتی ہے	۱۹	۳۲۰
کے لحاظ سے	کے لحاظ	۱۳	۳۲۳
کرنے کی مجاز	کرنے کے مجاز	۱۱	۳۲۳
نسبتہً	نسبتاً	۱۷	۳۲۳
میں کرنا پڑتا ہے	کافی ہوتا ہے	۱۸	۳۲۳
ہوگی	ہون گے	۷	۳۲۵
نسلاً بعد نسل	نسلاً بعد نسلاً	۱۷	۳۲۹
مذکورۂ بالا	معروضۂ بالا	۲۱	۳۴۲
پیشتر	بیشتر	۷	۳۴۹
حقیقتہً	حقیقتاً	۱۱	۳۴۹
لگان کے لالچ	لگان کی لالچ	۲	۳۵۴
سود	سودا	۳	۳۵۸
ہان	یہان	۱۰	۳۵۹
چند گنتی کی	گنی چنی	۵	۳۶۰
گزر ہوے چلی جاتی ہے	گزر ہوی چلی جاتی ہے	۹	۳۶۰
پہیلے	بھسلے	۱۹	۳۶۱
تو زیادہ	زیادہ زیادہ	۱۹	۳۶۱
زیادہ سے زیادہ	زیادہ زیادہ	۶	۳۶۲
دو آنے کے بجائے	دو آنے کی بجاے	۴	۳۶۸
کرنے کے لالچ	کرنے کی لالچ	۱	۳۷۰

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۷۳	۳	اُجرہ	آجرہ
۳۷۴	۱۱	مقابلتاً	مقابلتہً
۳۷۵	۷	زیادہ زیادہ	زیادہ سے زیادہ
۳۸۱	۲	رکھیں ہیں	رکھی ہیں
۳۸۲	۸	زیادہ زیادہ	زیادہ سے زیادہ
۳۸۳	۱	باتفصیل	بالتفصیل
۳۸۳	۲	گرچہ	اگرچہ
۳۸۴	۲۰	ہونے لگے	ہونے لگیں
۳۹۰	۱۷	کرے گا	کرے گا
۳۹۵	۹	گھٹنے	گھٹنے سے
۳۹۶	۷	ان کے باہمی	ان کی باہمی
۳۹۹	۱۹	اجرت کی مانند	اجرت کے مانند
۴۰۰	۵	نردوروں کے طلب	مزدوروں کی طلب
۴۰۰	۱۳	کلین چلنے پر	کلوں کے چلنے پر
۴۰۱	۵	چمڑہ	چمڑے
۴۱۱	۲۰	بھلے بڑے	بھلے برے
۴۱۳	۳	دوسرے	دوسری
۴۱۶	۶	ہے	سے
۴۱۷	۴	جیسے	جیسی
۴۲۳	۱۸	حکومت کے وساطت	حکومت کی وساطت